



سید اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن

مَعَارِفِ اَعْلِيَانِ

تعوذ، تسمیہ اور سورہ فاتحہ سے متعلق ۱۰۰ عمدہ مباحث پر مشتمل، حل بیضاوی اور دورہ تفسیر کے طلباء کے لیے خصوصاً اور دیگر اہل علم کے لیے عموماً ایک مستند کتاب



مولانا محمد مدد نجان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاد جامعہ انوار العلوم، مہراں ٹاؤن، کورنگی کراچی

1875

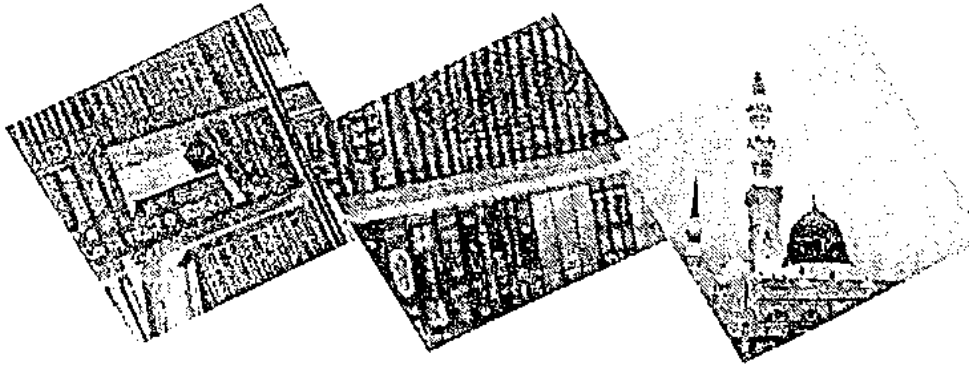
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



سیدید اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن

مَعَارِفِ اَعْلَاقِك

تفویض التفسیر اور سورہ فاتحہ سے متعلق مہم اعمروہ مباحث پر مشتمل حل بیضاوی اور دورہ تفسیر کے طلباء کے لیے خصوصاً اور دیگر اہل علم کے لیے عموماً ایک مستند کتاب



تالیف

مولانا فتح محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ نوسٹ ہوری ٹاؤن کراچی
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر و مصنف محفوظ ہیں

مَعَارِفِ اِقْبَالِ الْقُرْآنِ

مَوْلَانَا مُحَمَّدُ بَعْدُ بَعْدُ
0332-2557675

۱۲۷۲۰۲

دارالناشر

مولانا طارق محمود صاحب

پیر 30 محرم الحرام 1436ھ 24 نومبر 2014ء

☆ نام کتاب

☆ تالیف

☆ ناشر

☆ اہتمام

☆ سن اشاعت

ملنے کے پتے

☆ ادارۃ النور بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ القرآن بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کونٹہ

☆ مکتبہ رشیدہ اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ لدھیانوی بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ امام محمد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ عائشہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

☆ ادارہ العلم ریاض سوک سنٹر نوشہرہ

☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ ادارۃ الرشید بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور

☆ نیازی کتب خانہ اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین
۳۷	تقریظ
۴۰	انتساب
۴۱	مقدمہ
۴۶	قرآن کریم کا ایک عجیب معجزہ
۴۷	سبب تالیف
پہلی بحث: قرآن کریم میں تعوذ کا ذکر	
۵۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعوذ
۵۵	حضرت یوسف علیہ السلام کا تعوذ
۵۶	والدہ مریم کا تعوذ
۵۸	سیدہ مریم کا تعوذ
۵۸	امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور تعوذ
دوسری بحث: احادیث مبارکہ میں تعوذ کا ذکر	
۶۰	۱..... عقائد میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا
۶۱	۲..... نماز شروع کرتے وقت شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا
۶۲	۳..... نماز میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہنا
۶۳	۴..... غصہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

۱۵۱۰-۱۰۵۵-۵۶

حضرت سید اکرمی

۱۵۱۰/۱

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۵..... کسی وادی یا منزل پر پڑاؤ کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۵
- ۶..... مسجد میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۶
- ۷..... مسجد سے نکلتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا ۶۶
- ۸..... بیماری کے وقت اللہ کی پناہ مانگنا ۶۷
- ۹..... بچوں کے لئے اللہ کی پناہ کے خواہاں ہونا ۶۸
- ۱۰..... صبح و شام کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۸
- ۱۱..... صبح و شام اور بستر پر لیٹتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۹
- ۱۲..... برا خواب دیکھنے پر اللہ کی پناہ طلب کرنا ۷۰
- ۱۳..... بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا ۷۱
- ۱۴..... مباشرت کے وقت شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا ۷۲
- ۱۵..... سفر کے وقت تعوذ پڑھنا ۷۳
- ۱۶..... دشمن سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا ۷۴
- ۱۷..... زوالِ نعمت سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا ۷۵
- ۱۸..... بُرے اخلاق سے تعوذ ۷۶
- ۱۹..... بے نفع علم سے تعوذ ۷۷
- ۲۰..... موت کے وقت شیطانی حملہ سے اللہ کی پناہ چاہنا ۷۸
- ۷۸..... تعوذ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

تیسری بحث: تعوذ سے متعلق فقہی مسائل

چوتھی بحث: تعوذ کو تسمیہ پر کیوں مقدم کیا؟

۸۰..... تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کرنے کی چھ وجوہات

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۸۰ منفعت کی حقیقت
۸۰ مضرت کی حقیقت
۸۰ استعاذہ کی حقیقت
۸۰ تسمیہ کی حقیقت

پانچویں بحث: تعوذ کے الفاظ کے متعلق

۸۱ اہل علم کے ہاں تعوذ میں ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ کے الفاظ پڑھنا اولیٰ ہے
۸۱ علامہ ابن جزری رحمہ اللہ نے چھ وجوہات نقل کیں ہیں
۸۳ علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ کی رائے
۸۳ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
۸۳ علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ کی رائے
۸۴ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی رائے
۸۴ علامہ سراج الدین حسینی کی رائے
۸۴ علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری کی رائے

چھٹی بحث: تعوذ کے معنی کے بارے میں

۸۵ عوذ اور لوز کے درمیان فرق اور ان کا استعمال
۸۵ امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ کا معنی
۸۵ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ کا معنی
۸۶ تعوذ دُعا کے معنی میں ہے
۸۶ فعل مضارع کا اصل معنی

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

ساتویں بحث: تعوذ کے وقت کے بارے میں

- ۸۶ جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائیگا
- ۸۶ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۷ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۷ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۷ شیخ زادہ رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۸ علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۸ علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہریری کی رائے

آٹھویں بحث: تعوذ کا حکم

- ۸۸ جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے
- ۸۸ علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۹ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۹ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۹ علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۹ قاضی ابو السعود رحمہ اللہ کی رائے
- ۸۹ علامہ شتقیطی رحمہ اللہ کی رائے
- ۹۰ علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے
- ۹۰ افتتاح کلام میں تعوذ پڑھنے کا حکم
- ۹۰ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی رائے
- ۹۰ علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

نویں بحث: لفظ ”شیطان“ کی تحقیق

۹۱ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی رائے
۹۱ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
۹۳ علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ کی رائے
۹۳ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے
۹۳ علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے
۹۴ ابلیس شیطان کیسے بنا
۹۴ شیطانی شرکی تین صورتیں
۹۶ حضرت آدم کو بہکانے کیلئے ایک جملے میں چھ تاکیدات
۹۷ ابلیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کیجئے

دسویں بحث: لفظ رجیم کی تحقیق

۹۷ لفظ رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے
۹۸ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
۹۹ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے
۱۰۰ ”الشیطان الرجیم“ کے معنوی اطلاقات
۱۰۰ پہلا اطلاق
۱۰۳ دوسرا اطلاق
۱۰۴ ارکان استعاذہ

گیارہویں بحث: تعوذ میں کل چار چیزیں ہیں

۱۰۵ مستعید، مستعاذ بہ، مستعاذ منہ، مستعاذ لہ
-----	--

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۱۰۵ مستعاذ لہ ذکر نہ کرنے کی وجہ

۱۰۵ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول

بارہویں بحث: وہ نو آیات کریمہ جن میں انبیاء و اولیاء نے شیطان کے

شر سے پناہ مانگی ہے

تیرہویں بحث: بوقتِ قراءتِ تعوذ پڑھنے کی حکمت

۱۰۸ علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت

۱۰۹ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت

۱۰۹ علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت

چودہویں بحث: تعوذ کے متعلق چنداہم سوالات و جوابات

۱۱۰ ”أَعُوذُ“ میں صیغہ واحد متکلم کیوں استعمال کیا جبکہ عموماً دعا کے موقع پر جمع کے

صیغے استعمال ہوتے ہیں؟

۱۱۰ جب شیطان عدو مبین ہے تو دفاعی تدبیر کیلئے کیا صرف تعوذ کافی ہے؟

۱۱۱ تعوذ میں دنیا کی تمام مضرتوں اور نقصان دہ اشیاء میں صرف شیطان کا انتخاب کیوں؟

۱۱۱ مضرتِ ثوبی

۱۱۱ مضرتِ جسمی

۱۱۱ مضرتِ روحی

۱۱۱ مضرتِ روحِ الروحی

۱۱۲ شیطان اور دیگر اعداء میں کیا فرق ہے؟

۱۱۳ چار قسم کی مخلوقات اعمال کے مکلف ہیں

پندرہویں بحث: تعوذ سے مستنبط دس اہم لطائف

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

سولہویں بحث: تعوذ پڑھنے کی سات اہم حکمتیں اور فوائد

۱۱۷ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے تعوذ پڑھنے کے پانچ فوائد نقل کئے ہیں

سترہویں بحث: جنات اور شیاطین کے وجود کے متعلق

۱۱۸ امام رازی رحمہ اللہ نے جنات اور شیاطین کے وجود کے متعلق پانچ آیات اور سات احادیث نقل کی ہیں

اٹھارویں بحث: جنات، شیاطین اور ملائکہ کی حقیقت

انیسویں بحث: تعوذ میں بلاغت کے عمدہ نکات

بیسویں بحث: تعوذ کی ترکیب

۱۲۱ استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت

پہلی بحث: استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت

۱۲۵ تسمیہ کو تعوذ سے متاخر کرنے کی حکمت

دوسری بحث: تسمیہ کے ذریعے جملہ امور کے افتتاح کی حکمت

۱۲۶ علامہ زنجیری رحمہ اللہ کی رائے

۱۲۶ علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کی رائے

۱۲۶ علامہ ابو البرکات نسفی رحمہ اللہ کی رائے

۱۲۷ علامہ محمد امین بن عبداللہ ہری کی رائے

۱۲۷ بسم اللہ لکھنے کا طریقہ

۱۲۸ ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۱۲۸	اللہ تعالیٰ کا عہد نامہ.....
۱۲۸	امت کے لئے خاص تحفہ.....
۱۲۸	شریعت کا خلاصہ.....
۱۲۹	”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ لکھنے کی ابتداء.....
تیسری بحث: تسمیہ پڑھنے کے مسنون مواقع	
۱۳۰	۱..... خط و کتابت کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہئے.....
۱۳۱	۲..... وضوء کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے.....
۱۳۲	۳..... دعاؤں کی ابتداء بسم اللہ سے کریں.....
۱۳۳	۴..... جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھنا.....
۱۳۳	۵..... بیماری کی شفا یابی کے لئے انکشت شہادت زمین پر رکھیں پھر اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھیں.....
۱۳۴	۶..... کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا.....
۱۳۵	۷..... اگر کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یاد آنے پر یہ دعا پڑھیں.....
۱۳۵	۸..... جانور ذبح کرتے وقت کی دعا.....
۱۳۶	۹..... شکار کرتے وقت یا تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھنا.....
۱۳۶	۱۰..... جس ذبیحہ کے متعلق تسمیہ پڑھنے کا علم نہ ہو تو خود پڑھ لیں.....
۱۳۷	۱۱..... گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت.....
۱۳۸	۱۲..... سونے سے قبل بسم اللہ پڑھنا.....
۱۳۸	۱۳..... لشکر کو روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت.....
۱۳۸	۱۴..... سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا.....

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۱۳۹ ۱۵..... مباشرت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

چوتھی بحث: ”کل امر ذی ہال“ والی روایت پر محدثانہ بحث

۱۴۲ ۱..... علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کی رائے

۱۴۳ ۲..... علامہ محی الدین نووی رحمہ اللہ کی رائے

۱۴۳ ۳..... علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کی رائے

۱۴۳ ۴..... علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ کی رائے

۱۴۴ ۵..... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی رائے

۱۴۴ ۶..... علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ کی رائے

پانچویں بحث: تسمیہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

۱۵۱ ۱..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں گیارہ روایات نقل کی ہیں

۱۵۱ ۲..... علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے سترہ روایات کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے

۱۵۲ ۳..... علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ نے آٹھ روایات کو نقل کیا ہے

۱۵۲ ۴..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہری نے آٹھ روایات نقل کیں ہیں

چھٹی بحث: کیا تسمیہ اس امت کے خواص میں سے ہے؟

۱۵۳ تسمیہ کی ایک امتیازی حیثیت

ساتویں بحث: تسمیہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں؟

۱۵۳ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

۱۵۴ مفسرین احناف رحمہم اللہ کی تصریحات

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۱..... علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کی تصریح ۱۵۴
- ۲..... علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ کی تصریح ۱۵۴
- ۳..... علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ کی تصریح ۱۵۵
- ۴..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تصریح ۱۵۵
- ۵..... علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تصریح ۱۵۵
- امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ۱۵۶
- مفسرین شوافع رحمہم اللہ کی تصریحات ۱۵۶
- امام رازی رحمہ اللہ نے اپنے مذہب کی ترجیح پر سولہ دلائل نقل کئے ہیں ۱۵۶
- علامہ آلوسی کا امام رازی پر مفصل رد اور مذہب احناف کی مدلل ترجیح ۱۵۶
- امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ۱۵۷
- مالکی مفسرین رحمہم اللہ کی تصریحات ۱۵۷
- علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی تصریح ۱۵۷
- علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی تصریح ۱۵۷
- علامہ صابونی کے نزدیک رائج مذہب ۱۵۸

آٹھویں بحث: تسمیہ کو نماز میں جہرا پڑھا جائے گا یا سرا؟

- فقہاء کے مذاہب ۱۵۹
- علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احناف کا مسلک رائج ہے ۱۶۰

نویں بحث: تسمیہ کے فقہی مسائل

دسویں بحث: لفظ باء چودہ معانی میں استعمال ہوتا ہے

- حرف باء کی افادیت ۱۶۱

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۱۶۲ بائے مصاحبت

۱۶۳ بائے استعانت

۱۶۴ بائے تبرک

۱۶۴ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

گیارہویں بحث: لفظ باء کے ذریعے قرآن کریم شروع کرنے کی حکمت

۱۶۵ علامہ محمد امین ہرری نے پانچ حکمتیں نقل کیں ہیں

۱۶۶ علامہ موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ نے چار عمدہ حکمتیں نقل کیں ہیں

۱۶۷ بسم اللہ کے باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ

۱۶۸ حرف باء کو کسرہ دینے کی وجہ

۱۶۸ بسم اللہ کے حرف باء میں تمام مضامین کا خلاصہ ہے

بارہویں بحث: جار مجرور کیلئے متعلق مقدم نکالیں گے یا مؤخر؟

۱۷۰ تسمیہ میں عامل کے حذف کرنے کی وجہ

۱۷۰ تسمیہ سے پہلے حذف فعل کے فوائد

تیرہویں بحث: لفظ اسم کے متعلق تحقیق

۱۷۱ لفظ اسم کا معنی اور ماخذ اشتقاق

۱۷۳ بصریوں اور کوفیوں کے درمیان اختلاف اور انکے دلائل

۱۷۴ امام بغوی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح مذہب

۱۷۵ لفظ اسم کے زائد لانے میں حکمت

چودھویں بحث: اسم اور مسمیٰ کا تعلق

۱۷۶ لفظ اللہ کی حیثیت

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

تسمیہ میں لفظ اللہ کو پہلے اور رحمن و رحیم کو بعد میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟ ۱۷۷

پندرہویں بحث: لفظ اللہ کے متعلق تحقیق

۱۷۸ لفظ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت

۱۷۸ پہلا قول: لفظ اللہ کی اصل اور اس کا مادہ اشتقاق

۱۷۹ پہلا مادہ اشتقاق: آلہ (عبادت کرنا)

۱۸۰ دوسرا مادہ اشتقاق: آلہ (متحیر ہونا)

۱۸۰ تیسرا مادہ اشتقاق: آلہ (سکون پانا)

۱۸۰ چوتھا مادہ اشتقاق: آلہ (عقل کا گم ہونا)

۱۸۱ پانچواں مادہ اشتقاق: لآة (بلندی و ارتفاع)

۱۸۱ چھٹا مادہ اشتقاق: لآة یلوه (مخفی ہونا)

۱۸۲ ساتوں مادہ اشتقاق: إله (جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا)

۱۸۲ آٹھواں مادہ اشتقاق: إله (پناہ دینا)

۱۸۳ دوسرا قول: لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے

۱۸۳ تیسرا قول: لفظ اللہ صفت کا صیغہ ہے

۱۸۳ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے قول پر تردید

۱۸۳ چوتھا قول: لفظ اللہ علم ہے

سولہویں بحث: جمہور اہل علم کے ہاں لفظ اللہ علم ہے

۱۸۵ ۱..... علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمہ اللہ کی رائے

۱۸۵ ۲..... شیخ الاسلام علامہ ابوالمنظر سمعانی رحمہ اللہ کی رائے

۱۸۶ ۳..... محی السنۃ علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ کی رائے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۴..... علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۶
- ۵..... امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۶
- ۶..... علامہ علاء الدین المعروف خازن رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۷
- ۷..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۷
- ۸..... خطیب شربنی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۸
- ۹..... علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۸
- ۱۰..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۸
- ۱۱..... علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۸
- ۱۲..... علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۸
- ۱۳..... علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۹
- ۱۴..... علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی رائے ۱۸۹
- ۱۵..... علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ کی رائے ۱۹۰

سترہویں بحث: لفظ اللہ کی خصوصیات

- ۱۹۰..... امام رازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی دو خصوصیات نقل کی ہیں ۱۹۰
- ۱۹۲..... علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی دس خصوصیات نقل کی ہیں ۱۹۲
- ۱۹۳..... ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی پانچ خصوصیات نقل کی ہیں ۱۹۳
- ۱۹۴..... علامہ موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی پانچ خصوصیات نقل کی ہیں ۱۹۴
- ۱۹۴..... ذات باری تعالیٰ پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا درست ہے ۱۹۴

اٹھارہویں بحث: اکثر علماء کے ہاں لفظ اللہ اسم اعظم ہے

- ۱۹۵..... امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے ۱۹۵

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۱۹۵ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے
- ۱۹۶ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے
- ۱۹۶ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے
- ۱۹۷ محققین علماء کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے
- ۱۹۸ اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟
- ۱۹۸ مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی تحقیق
- ۱۹۹ امام سیبویہ رحمہ اللہ کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا معاملہ

انیسویں بحث: لفظ اللہ قرآن کریم میں کتنی بار آیا ہے؟

- ۲۰۰ علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۰۰ علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۰۰ علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۰۰ شیخ فواد احمد عبدالباقی کی رائے
- ۲۰۱ تسمیہ میں اللہ کے تین آسماء ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟
- ۲۰۱ ”الرحمن“ کے لغوی اور اصطلاحی معانی
- ۲۰۲ ”الرحیم“ کے لغوی اور اصطلاحی معانی

بیسویں بحث: لفظ رحمن و رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں

- ۲۰۳ علامہ زنجشیری رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۰۳ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۰۴ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۰۴ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۲۰۴ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کی رائے

۲۰۵ علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے

اکیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم کے درمیان فرق

۲۰۵ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے

۲۰۶ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے

۲۰۶ علامہ بغوی رحمہ اللہ کی رائے

۲۰۷ امام ضحاک رحمہ اللہ کی رائے

۲۰۷ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی رائے

۲۰۷ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے

۲۰۸ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کی رائے

بائیسویں بحث: لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں

۲۰۸ علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کا قول

۲۰۸ امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول

۲۰۸ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کا قول

۲۰۹ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول

۲۰۹ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا قول

تیسویں بحث: لفظ رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا؟

۲۰۹ لفظ رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی پانچ عمدہ وجوہات

چوبیسویں بحث: رحمت کی ایسی جامع تعریف جس کے مراد لینے کی صورت

میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا

صفحہ نمبر	مضامین
۲۱۱	رحمت کی صحیح تعریف: ایصال النفع سواء كان برقة القلب أو بالإرادة
۲۱۲	اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں
۲۱۲	صفات باری تعالیٰ کے متعلق عمدہ بحث
۲۱۳	مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمی سے ہوتا ہے
۲۱۳	تکوینیات اور تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ
	پچیسویں بحث: اسماء باری تعالیٰ میں اعتبار غایات کا ہوتا ہے نہ کہ مبادی کا
۲۱۴	امام رازی رحمہ اللہ کی رائے
۲۱۵	قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
۲۱۵	علامہ ابو السعود رحمہ اللہ کی رائے
۲۱۵	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے
	چھبیسویں بحث: لفظ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے
۲۱۸	رحیم درحقیقت اللہ ہی کی ذات ہے
۲۱۹	عوض کی دو قسمیں ہیں۔ جسمانی، روحانی
۲۱۹	روحانی کی چھ قسمیں ہیں
	ستائیسویں بحث: بسم اللہ کے گیارہ عمدہ خواص
۲۲۰	ہر مشکل اور حاجت کیلئے
۲۲۱	بسم اللہ کے عدد حروف کے موافق پڑھنا
۲۲۱	تسخیر قلوب
۲۲۱	حفاظت از آفات
۲۲۱	چوری اور شیطان سے حفاظت

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۲۲۱	ظالم پر غلبہ.....
۲۲۱	حفاظتِ اولاد.....
۲۲۲	کھیتی کی حفاظت اور برکت کیلئے.....
۲۲۲	حکام کیلئے.....
۲۲۲	درِ دسر کیلئے.....
۲۲۲	ذہن اور حافظہ کیلئے.....
	اٹھائیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے تسمیہ کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں
۲۲۲	بسم اللہ ہرزہر کا تریاق.....
۲۲۳	فرعون کا دعویٰ الوہیت سے پہلے کا واقعہ.....
۲۲۴	قومِ نوح کو نجات کا ایک سبب.....
۲۲۴	قیصرِ روم کا واقعہ.....
۲۲۵	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ.....
۲۲۵	بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے عذاب میں مبتلا والد کی بخشش کا واقعہ.....
۲۲۶	حضرت بشر بن حارث المعروف بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ.....
۲۲۸	سورہ توبہ اور جانور کے ذبح کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھنے کی حکمت.....
۲۲۸	تسمیہ میں انیس حروف ذکر کرنے کی دو حکمتیں.....

اٹھائیسویں بحث: تسمیہ میں بلاغت کے عمدہ نکات

تیسویں بحث: تسمیہ کی ترکیبِ نحوی

پہلی بحث: سورہ فاتحہ کی ہے یادنی؟

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۲۳۰ سورہ فاتحہ کا زمانہ نزول
- ۲۳۱ اکثر علماء کے ہاں سورہ فاتحہ کی ہے اور یہی قول صحیح ہے
- ۲۳۱ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۳۳ علامہ مجدد الدین محمد بن یعقوب الفیر وز آبادی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۳۳ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۳۳ امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں
- ۲۳۴ سورہ فاتحہ کے امتیازات
- ۲۳۵ سورہ فاتحہ کا کون سا حصہ رُقیہ (دَم) ہے
- ۲۳۶ الحمد للہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی جبکہ قرآن میں ”فَلَا تُزَكُّوْا
اَنْفُسَكُمْ“ کہہ کر اس سے روکا گیا ہے؟
- ۲۳۶ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۳۷ امام ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۳۹ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۳۹ خطیب شربنی رحمہ اللہ کی رائے

دوسری بحث: سورہ فاتحہ کے اسماء کے بارے میں

- ۲۴۰ سورہ فاتحہ کے بائیس نام اور ان کی وجہ تسمیہ
- ۲۴۷ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بائیس نام ذکر کئے ہیں
- ۲۴۸ امام رازی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بارہ نام ذکر کئے ہیں
- ۲۴۸ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بارہ نام ذکر کئے ہیں
- ۲۴۸ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے تیرہ نام ذکر کئے ہیں

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۲۴۸ علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کے بیس نام ذکر کئے ہیں
- ۲۴۹ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے دس نام ذکر کئے ہیں

تیسری بحث: سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق احادیث

- ۲۴۱ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا
- ۲۴۲ سورہ فاتحہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم ہے
- ۲۴۳ تورات وانجیل اور قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کے مثل کوئی سورت نہیں
- ۲۴۴ سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی
- ۲۴۴ علامہ قرطبی نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق چار احادیث نقل کیں ہیں
- ۲۴۴ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نو احادیث نقل کیں ہیں
- ۲۴۴ علامہ ابن عادل جنبل رحمہ اللہ نے چار احادیث نقل کیں ہیں
- ۲۴۴ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کی فضیلت پر دس روایات نقل کیں ہیں
- ۲۴۵ علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ نے پندرہ روایات نقل کیں ہیں
- ۲۴۵ علامہ ہرری نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق پانچ احادیث نقل کیں ہیں
- ۲۴۵ علامہ زحشری، قاضی بیضاوی اور علامہ بوسعود رحمہم اللہ نے سورہ فاتحہ کی فضیلت میں موضوع روایت نقل کی ہے
- ۲۴۶ علامہ عبدالرؤف مناوی اور علامہ عجلونی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے
- ۲۴۷ ”الحمد لله“ اور ”لا اله الا الله“ کی فضیلت کا موازنہ
- ۲۴۸ سب سے پہلے اور آخر میں کہا جانے والا کلمہ

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۲۵۸ سب سے افضل ذکر کونسا ہے؟

۲۵۹ چار سورتوں کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ کے ساتھ کیا ہے

۲۶۰ الحمد للہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں

۲۶۰ سورہ فاتحہ اور صفات باری تعالیٰ

۲۶۰ سورہ فاتحہ اور صفات عبدیت

چوتھی بحث: الحمد میں الف لام کی تحقیق

۲۶۱ علامہ زنجشیری رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۱ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۱ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۲ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۲ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۲ خطیب شربنی رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۳ علامہ شیخ زادہ رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۳ علامہ قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۳ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۴ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۴ علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے

۲۶۴ جمہور اہل علم کے ہاں الحمد کو مرفوع پڑھا جائیگا

پانچویں بحث: حمد، مدح اور شکر کی تعریف

۲۶۵ حمد کی لغوی تحقیق

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۲۶۶ حمد کی تعریف

۲۶۶ مدح کی تعریف

۲۶۷ شکر کی تعریف

چھٹی بحث: حمد، مدح اور شکر کے درمیان فرق اور ان کے درمیان نسبتیں

۲۶۷ حمد اور مدح کے درمیان فرق

۲۶۸ حمد اور شکر کے درمیان فرق

۲۶۹ حمد اور مدح کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے

۲۶۹ حمد اور شکر کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے

۲۷۰ لفظ ”لہ“ میں لام تخصیص کیلئے ہے

ساتویں بحث: الحمد للہ کے جملے میں چار وجہ سے حصر کا معنی پایا جاتا ہے

آٹھویں بحث: الحمد للہ میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیوں کیا؟

۲۷۲ علامہ زحشری رحمہ اللہ کی رائے

۲۷۲ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے

۲۷۳ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے

۲۷۳ حمد کے ساتھ لفظ اللہ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

۲۷۴ الحمد للہ کی فضیلت سے متعلق روایات

نویں بحث: الحمد للہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟

۲۷۴ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

۲۷۴ الحمد للہ سے پہلے لفظ ”قولوا“ محذوف نکالنا

۲۷۶ الحمد للہ کے ساتھ رب العالمین کی صفت لانے میں کیا حکمت ہے؟

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

دسویں بحث: لفظ رب کے متعلق تحقیق

- ۲۷۷ علامہ ابن منظور رحمہ اللہ نے لفظ رب کے چھ معانی نقل کئے ہیں
- ۲۷۷ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لفظ رب کے چار معانی نقل کئے ہیں
- ۲۷۸ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لفظ رب کے تین معانی نقل کئے ہیں
- ۲۷۹ لفظ رب کے متعلق اہل علم کی تین آراء ہیں
- ۲۸۱ تربیت دو قسم پر ہے
- ۲۸۱ خالق اور مخلوق کی پرورش میں پانچ فرق
- ۲۸۲ جن اشیاء سے جسم کو فائدہ ہوتا ہے ان سے عموماً روح کو نقصان ہوتا ہے
- ۲۸۲ ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اللہ کی محتاج ہے
- ۲۸۳ فرعون کا ربوبیت سے متعلق سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جامع جواب
- ۲۸۴ نظام ربوبیت سے توحید پر استدلال
- ۲۸۴ نظام ربوبیت سے وحی اور رسالت کی ضرورت پر استدلال
- گیارہویں بحث: لفظ رب کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ کیلئے جائز نہیں
- ۲۸۵ امام راغب رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۸۵ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۸۵ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۸۶ علامہ ابن منظور رحمہ اللہ کی رائے
- ۲۸۶ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے

بارہویں بحث: قرآن کریم میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی وہ دعائیں

جن میں لفظ ”رب“ مذکور ہے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- تیرہویں بحث: لفظ ”رب“ قرآن کریم میں پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے
- ۲۹۲ لفظ رب پر جب الف لام داخل ہو تو یہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوجاتا ہے
- ۲۹۳ لفظ رب کے متعلق ایک اہم نکتہ.....
- چودہویں بحث: لفظ عالمین کی تحقیق
- ۲۹۴ عالم کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں
- پندرہویں بحث: لفظ عالمین کے مصداق کے متعلق اہل علم کے اقوال
- ۲۹۵ امام قرطبی رحمہ اللہ نے عالم کے مصداق کے متعلق چھ اقوال نقل کئے ہیں.....
- ۲۹۶ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عالم کے مصداق کے متعلق دس اقوال نقل کئے ہیں
- ۲۹۷ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے.....
- ۲۹۷ لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ لانے میں کیا حکمت ہے؟
- ۲۹۷ لفظ عالمین کو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا جبکہ جمع کثرت کا تھا؟
- ۲۹۸ لفظ عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے پھر واو نون کے ساتھ اس کی جمع کیوں لائی گئی؟
- ۲۹۸ لفظ عالمین میں الف لام کونسا ہے؟
- ۲۹۹ لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر کیا؟
- سولہویں بحث: لفظ عالمین قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے
- ۳۰۰ افعال کا خالق کون ہے؟
- ۳۰۰ ”الرحمن الرحیم“ کا ما قبل کے ساتھ ربط.....
- سترہویں بحث: پچیس آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

اٹھارہویں بحث ”الرحمن الرحیم“ کو مکرر کیوں ذکر کیا؟

۳۰۹ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک تکرار لانے کی وجہ

۳۱۰ خطیب شربنی رحمہ اللہ کے نزدیک تکرار لانے کی وجہ

۳۱۰ ”الرحمن الرحیم“ کا تکرار دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں

۳۱۱ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ استدلال قوی نہیں

انیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے ”الرحمن الرحیم“ کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں

۳۱۱ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ

۳۱۳ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ

۳۱۳ کوئے کی نشوونما کے ابتدائی مراحل

بیسویں بحث: مَالِك اور مَلِك میں فرق

۳۱۵ مالک اور ملک دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں

۳۱۵ علامہ زنجشیری اور قاضی بیضاوی رحمہما اللہ کے نزدیک رانج قراءت

۳۱۶ اکثر صحابہ اور تابعین کے ہاں ”مالک“ والی قراءت رانج ہے

ایکسویں بحث: مالک والی قراءت رانج ہونے کی دس (۱۰) عمدہ وجوہات

۳۱۸ ”مالک یوم الدین“ میں ترکیب نحوی پر اشکال اور اس کا جواب

۳۱۸ اضافت لفظی اور اضافت معنوی

۳۱۹ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے

۳۲۰ خطیب شربنی رحمہ اللہ کی رائے

۳۲۰ روزِ جزاء کی ضرورت و اہمیت

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۳۲۱ ”مالک یوم الدین“ کی تفسیر قرآن کریم سے

۳۲۱ چار کبار مفسرین کے نزدیک آیت کی تفسیر

۳۲۳ ”مالک یوم الدین“ کا معنی

۳۲۳ لفظ مالک کی جگہ قاضی اور حاکم کے نہ لانے میں کیا حکمت ہے؟

۳۲۴ خالق اور مخلوق کی مدح میں بلیغ لفظ

۳۲۴ ”یوم الدین“ کی جگہ ”یوم القيامة“ کیوں نہیں فرمایا، اس میں کیا حکمت

..... ہے؟

۳۲۴ ”مَلِك“ اللہ کی صفت ذاتی ہے، جبکہ ”مَالِك“ اللہ کی صفت فعلی ہے

۳۲۵ ”مَلِك“ نام رکھنے کا حکم

بائیسویں بحث: لفظ ”یوم“ کا استعمال

۳۲۶ لفظ ”یوم“ تین طرح سے استعمال ہوتا ہے

۳۲۷ علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ ”یوم“ کی عرفی و شرعی تعریف

تیسویں بحث: لفظ ”دین“ کے معنی کے بارے میں

۳۲۷ لفظ ”دین“ کی لغوی تحقیق

۳۲۸ علامہ زنجشیری رحمہ اللہ کی رائے

۳۲۹ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے

۳۲۹ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے

۳۲۹ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

۳۳۰ لفظ ”دین“ قرآن کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے

۳۳۰ روزِ جزا کے متعلق قرآن کریم میں استعمال کئے گئے بتیس (۳۲) کلمات

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۳۳۶ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت کو یومِ آخرت کے ساتھ کیوں مختص کیا؟
- ۳۳۶ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی رائے
- ۳۳۶ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
- ۳۳۷ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
- ۳۳۷ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے
- ۳۳۷ وقوعِ قیامت سے پہلے روزِ جزاء کی ملکیت کا کیا مطلب؟
- ۳۳۸ سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ نام ذکر کئے ہیں
- ۳۳۹ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عمدہ حسنِ سلوک سے ایک مجوس مسلمان ہو گیا

چوبیسویں بحث: عبادت کا لغوی و اصطلاحی معنی

- ۳۴۰ عبادت کی لغوی تحقیق
- ۳۴۰ امام راغب رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی
- ۳۴۱ علامہ زنجشیری رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی
- ۳۴۲ علامہ نسفی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی
- ۳۴۲ امام خازن رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی
- ۳۴۲ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی
- ۳۴۳ عبادت کا اصطلاحی معنی
- ۳۴۳ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا اصطلاحی معنی
- ۳۴۳ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا اصطلاحی معنی
- ۳۴۳ عبادت کی جامع تعریف
- ۳۴۴ غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟

صفحہ نمبر	مضامین
۳۴۵ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا معنی
۳۴۵ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیت کا معنی
۳۴۵ عبادت اور استعانت کے ذریعے باطل فرقوں سے نجات
۳۴۶ سورہ فاتحہ کا لب لباب
۳۴۶ عبادت کا مفہوم دو بنیادوں پر قائم ہے
۳۴۷ ”إِيَّاكَ“ مفعول بہ کی تقدیم حصر اور اختصاص کیلئے ہے
۳۴۸ علامہ زخشری کے نزدیک تقدیم کی وجہ
۳۴۸ علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک تقدیم کی وجہ
۳۴۸ مفعول کی تقدیم اور فعل کی تاخیر میں حکمت
پچیسویں بحث: صیغہ ”نعبد“ جمع متکلم ذکر کرنے کی حکمت	
۳۴۹ امام رازی رحمہ اللہ کی رائے
۳۵۰ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
۳۵۱ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے
۳۵۲ ”نَعْبُدُ وَنَسْتَعِينُ“ کی ضمیر جمع کے مصداق کی تعیین
۳۵۳ حمد میں ”لِئِلهِ“ کی تاخیر اور ”إِيَّاكَ“ کے تقدیم میں کیا حکمت ہے؟
۳۵۴ معبود کیلئے دو صفات کا ہونا ضروری ہے
۳۵۴ عبودیت کا مقام بہت اعلیٰ ہے
۳۵۵ کیا مقام عبودیت مقام رسالت سے افضل ہے؟
۳۵۶ عابدین کی چار قسمیں ہیں
چھبیسویں بحث: عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی دس (۱۰) وجوہات	

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۳۵۹ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نگاہ میں تقدیم کی وجوہات
۳۶۱ ”إِيَّاكَ“ کی تقدیم فعل پر
۳۶۲ لفظ ”إِيَّاكَ“ کو مکرر کیوں ذکر فرمایا؟
۳۶۲ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
۳۶۲ علامہ ابو السعود رحمہ اللہ کی رائے
۳۶۳ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ میں حصر حقیقی ہے اور ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ میں حصر ادعائی ہے
۳۶۳ ”نَسْتَعِينُ“ کی صرفی تحقیق
۳۶۳ استعانت کا مفہوم
۳۶۳ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب

ستائیسویں بحث: استعانت کی پانچ اقسام

۳۶۴ استعانت کی پہلی اور دوسری صورت کفر اور شرک ہے
۳۶۵ استعانت کی تیسری اور چوتھی صورت حرام ہے
۳۶۵ استعانت کی پانچویں صورت مباح ہے

اٹھائیسویں بحث: اہل بدعت کا استعانت بالغیر پر استدلال اور اس کا کئی

وجوہ سے ابطال

انہیسویں بحث: لفظ عبد اور عبادت قرآن کریم میں تیس (۳۰) طرح سے

استعمال ہوا ہے

۳۷۱ آیت کا ما قبل سے ربط
۳۷۲ ”الصِّرَاطُ“ کو معرفہ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟
۳۷۳ ”صِرَاطُ“ کا ماخذ اور اس کی لغوی تحقیق

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۳۷۴ جمہور علماء کے ہاں لفظ ”صِرَاط“ صاد کے ساتھ ہے۔

۳۷۴ اللہ تعالیٰ نے لفظ صراط کیوں فرمایا لفظ سبیل یا طریق کیوں نہیں فرمایا؟

تیسویں بحث: ہدایت کا لغوی و اصطلاحی معنی

۳۷۵ علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ کی رائے

۳۷۵ علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے

۳۷۶ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے

۳۷۶ امام ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے

۳۷۶ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے

۳۷۶ ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ کی تفسیر

۳۷۷ کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر و اقسام

۳۸۲ صراط اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں

۳۸۲ دیانند سرسوتی کا اعتراض اور اس کا جواب

۳۸۳ حصول ہدایت کے لئے چھ امور میں تکمیل ضروری ہے

۳۸۳ ”إِهْدِنَا“ میں ضمیر جمع لانے میں کیا حکمت ہے

۳۸۵ صراط مستقیم کی دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کیوں کی جاتی ہے؟

اکتیسویں بحث: لفظ ہدایت کا استعمال اور ہدایت کی اقسام

۳۸۸ ہدایت کی اقسام اور چار درجات

۳۹۰ لفظ مستقیم کی صرفی تحقیق

تیسویں بحث: استقامت کا مفہوم

۳۹۲ استقامت کا حکم انبیاء علیہم السلام اور امت دونوں کو دیا گیا ہے

صفحہ نمبر	مضامین
۳۹۲	صراط مستقیم سے روکنے والے پانچ قسم کے افراد ہیں
۳۹۲	شیطان
۳۹۳	سادات و کبراء
۳۹۳	احبار السوء و رہبان
۳۹۳	ہر کافر اور ظالم جو راہ حق سے روکے
۳۹۴	جو اپنے نبی کا مخالف ہو
۳۹۴	صراط مستقیم پر چلنے کا پھل و ثمرہ تین چیزیں ہیں
۳۹۵	اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف کیا ہے
۳۹۵	آیت کریمہ سے شیخ کامل کی اقتداء کا ثبوت
۳۹۶	قدریہ، معتزلہ اور امامیہ کا رد
تینتیسویں بحث: صراط مستقیم کا مصداق	
۳۹۹	صراط مستقیم کی تفسیر اسلام اور قرآن سے کرنا درست نہیں
۴۰۰	صراط کے ساتھ مستقیم کی قید کیوں ذکر کی؟
چونتیسویں بحث: لفظ استقامت قرآن کریم میں چار طرح سے استعمال ہوا ہے	
۴۰۲	”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کی ترکیب
۴۰۲	بدل الکل کی تعریف
۴۰۲	بدل الکل کا حکم
۴۰۳	بدل بنانے کے فوائد
۴۰۳	”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کو ترکیب میں بدل بنانے کے دو فائدے
پینتیسویں بحث: انعام کی تعریف نیز انعام کو مطلق کیوں ذکر کیا؟	

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۴۰۵ انعام کو مطلق ذکر کیوں کیا؟

چھتیسویں بحث: انعام میں نسبت اللہ کی طرف ہے جبکہ غضب اور ضلالت

میں نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

۴۰۹ علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی حکمت

۴۰۹ علامہ صابونی کے نزدیک اس کی حکمت

سینتیسویں بحث: نعمت کی اقسام

۴۱۰ نعمت دو جنسوں پر منحصر ہے

۴۱۱ لفظ ”عَلَيْهِمْ“ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

اڑتیسویں بحث: آیت میں منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟

۴۱۲ علامہ زنجشیری رحمہ اللہ کی رائے

۴۱۲ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے

۴۱۲ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے

۴۱۳ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے

۴۱۳ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے

۴۱۳ انعام یافتہ طبقات اربعہ

انتالیسویں بحث: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا تعارف

۴۱۳ پہلا انعام یافتہ گروہ انبیاء کا

۴۱۵ دوسرا انعام یافتہ گروہ صدیقین کا

۴۱۶ تیسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا

۴۱۶ چوتھا انعام یافتہ گروہ صالحین کا

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۴۱۶ صراطِ مستقیم، کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے

چالیسویں بحث: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت کا ثبوت
اکتالیسویں بحث: اس آیت سے قادیانیوں کا نبوت پر استدلال اور پندرہ

وجوہ سے اس کا ابطال

۴۱۴ غضب کی تعریف

۴۱۵ یہاں موصوف صفت کے درمیان مطابقت نہیں؟

بیالیسویں بحث: غضب کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو غایت و انتہاء

مراد ہوتی ہے

۴۱۶ امام رازی رحمہ اللہ کا نقل کردہ جامع اصول

تینتالیسویں بحث: لفظ ضالین کی لغوی، صرفی تحقیق

۴۱۸ لفظ ضالین کی لغوی تحقیق

۴۱۹ لفظ ضالین کی صرفی تحقیق

۴۱۹ ضلال کا معنی

چوالیسویں بحث: مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں

۴۲۰ امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے

۴۲۰ امام رازی رحمہ اللہ کی رائے

۴۲۱ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے

۴۲۱ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی رائے

۴۲۲ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

۴۲۳ علامہ شفقیطی رحمہ اللہ کی رائے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۴۳۳ حدیث کی تخریج

پینتالیسویں بحث: لفظ ضاد کا صحیح مخرج

چھیالیسویں بحث: لفظ ضاد اور طاء میں التباس کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی

۴۳۴ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عمدہ بحث

۴۳۶ علامہ قاضی خان رحمہ اللہ کی رائے

۴۳۶ امام رازی رحمہ اللہ کی رائے

۴۳۶ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے

۴۳۷ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی رائے

۴۳۷ علامہ بزاز رحمہ اللہ کی رائے

۴۳۸ فتاویٰ عالمگیریہ کا حوالہ

۴۳۸ فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے

۴۳۸ آمین کا معنی

۴۳۹ لفظ آمین میں چار لغات ہیں

۴۳۹ لفظ آمین کو مشدد پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی

۴۴۰ آمین کہنے کا موقع

۴۴۰ آمین کہنے سے کب مغفرت ہوتی ہے

۴۴۱ آمین کے فضائل

۴۴۲ آمین کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اعتبار سے ہے

سینتالیسویں بحث: آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

- ۴۴۴ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعاء میں سنت اخفاء ہے
- ۴۴۵ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعاء میں اصل اخفاء ہے
- ۴۴۵ علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اذکار اور ادعیہ میں اصل اخفاء ہے
- ۴۴۵ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک آمین بالسر میں احناف کا مسلک قوی ہے
- ۴۴۶ اکثر صحابہ و تابعین آمین بالسر پر عمل پیرا تھے

اڑتالیسویں بحث: آمین کے متعلق فقہاء کے مذاہب

انچاسویں بحث: آمین بالسر سے متعلق روایات

- ۴۴۹ مذکورہ روایت پر چار اعتراضات
- ۴۵۲ آمین بالسر سے متعلق تفصیلی مباحث کے مصادر و مراجع
- ۴۵۳ اخفاء الدعاء کے دس اہم فوائد
- ۴۵۴ لفظ ”لا“ کی بجائے ”غیر“ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟
- ۴۵۵ اہل غضب کے لئے اسم مفعول اور اہل ضلال کے لئے اسم فاعل کا صیغہ اختیار کرنے میں کیا حکمت ہے؟
- ۴۵۶ ”مغضوب علیہم“ کو ”ضالین“ پر کیوں مقدم کیا
- ۴۵۷ حرف واو کے ہوتے ہوئے پھر حرف ”لا“ کا اضافہ کیوں کیا؟
- ۴۵۸ لفظ ”لا“ کو ذکر کرنے کے فوائد

پچاسویں بحث: سورہ فاتحہ میں بلاغت کے گیارہ عمدہ نکات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقریظ

استاذِ حدیث حضرت مولانا عبد الرزاق زاہد مدظلہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ بِحَضْرَةِ الْجَلَالَةِ وَالصَّلَاةُ عَلَى خَاتَمِ الرِّسَالَةِ، أَمَّا بَعْدُ،
فَقَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

زیر نظر کتاب ”معارف أم القرآن“ سورۃ فاتحہ کی وہ شاندار تفسیر ہے جو برخوردارم مولانا محمد نعمان سلمہ بن حاجی عبد المتین مرحوم گلزار کالونی کورنگی کے علمی ذوق کا شاہکار ہے۔ موصوف نے ہمارے مدرسے اشاعت القرآن الکریم میں برخوردارم قاری فیض الرحمن سلمہ سے حفظ کیا۔ پھر انہیں کی رہنمائی سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا اور ۱۴۳۰ھ میں وہاں سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ دورانِ تعلیم ان کا بہترین مشغلہ کتب بنی تھا، فراغت کے بعد قرآن کریم کی مختلف تفاسیر اور احادیث مبارکہ کے متعدد بہ حصے کا اچھا خاصہ مطالعہ کیا اور پھر سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھی۔ ان کے والد حاجی عبد المتین صاحب رحمہ اللہ ۲ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (اللہ ان کی کامل مغفرت فرمائے)

ان کے ساتھ خصوصی تعلق کی بناء پر میں اکثر و بیشتر ان سے کہتا تھا کہ آپ کی دیگر

اولاد تو آپ کے لئے دنیا کمائے گی لیکن مولانا نعمان سلمہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنے گا۔

مولانا محمد نعمان سلمہ کو اس مقام اور مرتبہ تک پہنچانے والا صرف اور صرف ان کی ذاتی دلچسپی اور علم کے ساتھ لگن اور شرفِ مطالعہ ہے۔

پورے تعلیمی دورانیہ میں ہر درجے میں امتیازی نمبرات لینے کے ساتھ صاحبِ ترتیب بھی رہے، جو انعام ملتا یا والد محترم کی طرف سے جو خرچہ ملتا انہوں نے اس سے سینکڑوں امہاتِ الکتب پر مشتمل بہترین کتب خانہ قائم کیا، ابھی انہوں نے زندگی کی ۲۶ بہاریں بھی نہیں دیکھی ہوں گی اس کم عمری میں سورہ فاتحہ کی اہم مباحث کو جمع کیا جو اہل علم کے لئے ایک شاندار تحفہ ہے جو انہیں کئی تفاسیر سے مستغنی کر دے گا۔ موصوف کے عزائم بڑے نیک اور ماشاء اللہ بہت اونچے اور بلند ہیں۔ اللہ نے بہترین استعداد سے ان کو نوازا ہے اور فرصت بھی اللہ نے خوب دی ہے۔

خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ ہو

گلزار کالونی کورنگی میں میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا، اس محلہ میں کئی حفاظ اور علماء ہماری ترغیب سے بنے جنہوں نے دین کی نشر و اشاعت کے لئے مختلف پلیٹ فارم منتخب کئے اور خوب کام کر رہے ہیں۔ اللہ قبولیت سے نوازے۔ آمین

”الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ“ کے فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے بندہ ناچیز بھی آس لگائے بیٹھا ہے کہ شاید یہی ہمارے لئے نجاتِ اخروی کا باعث بن جائے۔

الحمد للہ کتاب بے نظیر اور بے مثال ہے، مؤلف نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے مختلف تفاسیر کا مطالعہ کر کے اہل علم کے قیمتی اقوال جمع کئے۔

تقریظ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ مشہور شخصیات کی تقریظ لکھنے سے یقیناً کتاب کی وقعت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

لیکن مؤلف کے اصرار پر یہ چند الفاظ اس سوچ سے زیرِ قسط اس کر رہا ہوں اور اپنے

لئے سعادت سمجھتا ہوں کہ میرا حصہ بھی اس میں پڑ جائے اور شاید میری مغفرت کا بہانہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی کوشش اور کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کو مزید دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کتاب کو عوام و خواص دونوں کے لئے نافع بنائے اور ان کے والد محترم کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

عبدالرزاق غفرلہ

خطیب جامع مسجد مدینہ گلزار کالونی کورنگی کراچی

استاذ حدیث: جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۱۴ اکتوبر ۲۰۱۱ء

انتساب

میں اس تصنیف کو حضرت والد محترم جناب حاجی عبد المتین صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف منسوب کرتا ہوں، جنہوں نے ہر قسم کے حالات و مصائب کے باوجود مجھے دین کے لئے وقف کیا، والد محترم کا خلوص، محبت بھرا لہجہ اور شگفتہ و شاداب چہرہ میں کبھی نہیں بھول پاؤں گا، رب کریم سے عاجزانہ و والہانہ فریاد ہے کہ وہ ان کی قبر پر رحمت کی برکھا برسائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت کی بہاریں نصیب فرمائے، انہوں نے اپنی اولاد کے دلوں میں دین متین کی محبت کا بیج بونے کی مقدور بھر سعی فرمائی۔

اور اپنی والدہ محترمہ کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی بے لوث محبت اور پر خلوص دعائیں نہ ہوتیں تو شاید میں یہ کام نہ کر پاتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری والدہ کی عمر و عمل میں برکت عطا فرمائے اور انہیں دین و دنیا کی ہر بھلائی عطا فرمائے اور مجھے ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رَبِّ اَرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا۔ (آمین)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

قرآن کریم وہ عظیم کتاب ہے جو ہر کلام سے افضل، ہر شبہ سے مبرا اور ہر نقص سے پاک ہے، یہ تمام الہامی کتب سے اعلیٰ و عظمت و فضیلت والی کتاب ہے۔ یہ خیر و برکت سے مالا مال، ہدایت و حکمت سے لبریز اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے، جہالت کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے نور سے منور کرنے والی ہے، اسی میں امت مسلمہ کی زندگی، عزت اور سرفرازی پنہاں ہے، اس کے بغیر یہ امت محض ایک جسد بے روح ہے کہ جس میں حرکت ہے نہ حرارت، کوئی وزن ہے نہ وقار۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۗ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا

الْإِيمَانُ ۚ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۗ وَ إِنَّا

لَنَهْدِيكَ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰﴾ (الشوری)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی، تو

نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے؟ اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟ اور لیکن ہم نے اسے

ایک ایسی روشنی بنا دیا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں

راہ دکھادیتے ہیں اور بلاشبہ تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن مجید کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں

قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے والے کو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔

جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے:

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. (۱)

قرآن مجید کے پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے میں جو فرق ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مؤمن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے نارنگی (سگترے) کی طرح ہے۔ اس کا ذائقہ بھی لذیذ ہے اور خوشبو بھی عمدہ ہے، اور وہ مؤمن جو قرآن تو نہیں پڑھتا مگر عمل کرتا ہے کھجور کی طرح ہے، اس کا ذائقہ تو اچھا ہے، مگر اس میں خوشبو نہیں۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان (نازبو) کے مانند ہے کہ اس کی خوشبو تو عمدہ ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، اندرائن (تٹے) کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ کڑوا اور خبیث ہے اور بو ناپسندیدہ ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ. (۲)

(۱) صحیح البخاری: کتاب فضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه، ج ۶

ص ۱۹۲، رقم الحدیث: ۵۰۲۷

(۲) صحیح البخاری، کتاب الأطعمة، باب ذکر الطعام، ج ۷، ص ۷۷، رقم الحدیث: ۵۲۲۷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور آپس میں اسے سیکھیں اور سکھائیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، انہیں رحمت کے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ ان (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ. (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں سعادت دارین کے بے مثال اصول بیان کئے گئے ہیں، اسے پڑھنے، سمجھنے اور سیرت و کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے والوں کو دنیا میں رفعتیں اور آخرت میں سعادتیں نصیب ہوتی ہیں اور اسے چھوڑ دینے والے ذلت و پستی اور قہر الہی کا نشانہ بنتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو سر بلندی عطا کرتا ہے اور اس (سے اعراض کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو ذلیل و رسوا کرتا ہے:

قَالَ عُمَرُ أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ. (۲)

(۱) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی

الذکر، ج ۲، ص ۲۰۷۰ رقم الحدیث: ۲۶۹۹

(۲) صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ، ج ۱

ص ۵۵۹، رقم الحدیث: ۸۱۷

قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تو نزول قرآن کے آغاز ہی سے اس کی تفسیر و تفہیم کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا تھا اور قیامت قائم ہونے تک ان شاء اللہ یہ جاری و ساری رہے گا۔ اس سلسلے میں خاص طور پر محدثین نے کتب احادیث میں تفسیر قرآن، فضائل قرآن، قراءت قرآن وغیرہ کے ابواب قائم کئے۔ یہ بات تو مسلمہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے بہتر سب سے اعلیٰ اور سب سے مناسب طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن کریم ہی سے کی جائے، کیونکہ کئی دفعہ قرآن کریم میں ایک چیز کو اگر ایک جگہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر اسے تفصیل سے بیان کر دیا جاتا ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا بھی تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی کو لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے اور وہیں ساتھ ساتھ اس کی تشریح و تفسیر اور مفہوم مطالب بھی بیان فرماتے اور پھر ان پر عمل پیرا ہو کر بھی دکھاتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو سننے اور سمجھنے کے ساتھ ساتھ عملی صورت میں بھی دیکھ سکیں۔ خود قرآن کریم نے اس کی صراحت فرمائی:

وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۶﴾ (النحل)

اگرچہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ان افراد میں نازل فرمایا جن کی مادری زبان عربی تھی اور وہ فصیح اللسان اور عقل و فہم میں کامل ہونے میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کے بعض اشاروں اور کنایوں کے فہم میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جاتا، جن کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہی سے ممکن ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام: ۸۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں

ملایا۔

تو مسلمانوں پر اس آیت کا مضمون بہت شاق گزرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ظلم کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

وَ إِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَ هُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ

عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾ (لقمان)

صحابہ کرام اہل زبان ہونے کے باوجود ”بظلم“ کی تنوین کو تنکیر کے لئے سمجھ کر پریشان ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لقمان کا قول ذکر کر کے بتایا کہ یہ تنوین تعظیم کیلئے ہے، تنکیر کے لئے نہیں۔ اور اس سے مراد شرک ہے، عام ظلم نہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ
اللَّهُ: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید پڑھ کر سنانے والے نہ تھے بلکہ اس کی تشریح اور تفسیر کرنے والے اور اس کے مفاہیم و مطالب کو شرح و بسط سے بیان کرنے والے بھی تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس منصب کے مطابق قرآنی آیات کی توضیح و تشریح بھی کی اور اس کے اجمالات کی تفصیل بھی بیان فرمائی، جیسے نمازوں کی تعداد، رکعات، اوقات، اور وضع و ہیئت اور زکوٰۃ کا نصاب، اس کی شرح، اس کی ادائیگی کا وقت اور دیگر تفصیلات۔ قرآن کریم کے اجمالات کی یہ تفسیر اور توضیح نبوی امت کے لئے حجت ہے، اور اس پر عمل کرنا ہر خاص و عام پر لازم ہے۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، باب وَكَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ، ج ۶ ص ۵۶، رقم الحدیث: ۴۶۲۹ / صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب صدق الإیمان وإخلاصه، ج ۱

قرآن کریم کا ایک عجیب معجزہ

اعداء اسلام آغاز رسالت محمدی سے جس چیز سے خوف زدہ رہے ہیں وہ دراصل یہ قرآن ہی ہے اسی وجہ سے انہوں نے ہر طرح سے ہدف بنانے کی کوشش کی، جس میں نصوص میں اشتباہ پیدا کرنے سے لے کر اس کی اعلیٰ تعلیمات و ہدایات کی اشاعت اور وسعت پذیری پر قدغن لگانا شامل ہے۔ باوجود یہ کہ وہ اس پر سرے سے قادر نہیں تھے کہ اصل نص قرآنی میں کوئی ہیر پھیر کوئی تبدیلی و تغیر پیدا کر سکیں لیکن انہوں نے اس کوشش میں کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی۔ اس قبیل کی بہت بعد کی ایک مثال سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کا ذکر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کیا ہے، ان کے مطابق جرمن کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ ”قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ“ کے نام سے قائم کیا گیا جس کا مقصد دنیا میں موجود قرآن کے اب تک لکھے اور چھاپے گئے ہزاروں کی تعداد میں نسخے جمع کر کے ان کے درمیان موازنہ کرنا تھا تا کہ بائبل کی طرح قرآن کی نصوص کے درمیان فرق و اختلاف اور تعارض و تضاد کو سامنے لایا جاسکے، اس طرح انہیں عالم میں آشکارا کر کے اس سے وابستہ مفاد کو حاصل کیا جاسکے۔ اس طرح کے بیالیس ہزار (۴۲۰۰۰) نسخوں کے باہمی موازنے کے بعد جو رپورٹ خفت پوشی کی ناکام کوشش کے ساتھ اس وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی کہ ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے۔ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں۔^(۱)

جبکہ انجیل کے مختلف یونانی نسخوں کے ایسے ہی موازنے کی رپورٹ میں اس حیرت انگیز مگر ناقابل توقع امر کا انکشاف سامنے آچکا تھا کہ باہم ان نسخوں میں کوئی دو لاکھ (۲۰۰۰۰۰) اختلافی روایات ملتی ہیں۔^(۲)

(۲) خطبات بہاولپور: ص ۱۶

(۱) خطبات بہاولپور: ص ۱۶، ادارہ تحقیقات اسلامی

حقیقت میں تحریک استشر اق کا محور قرآن اور اس کی تعلیمات کو سبوتاژ کرنا تھا، قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس کو مشکوک و مشتبہ بنانے کی جو بھی کوششیں کی گئیں ان کا ما حاصل یہ سامنے آیا کہ اس کی حقانیت و صداقت مزید عقلی و تاریخی دلائل کی روشنی میں نکھر کر اور سنور کر اعداء و ناقدین کے سامنے آجائے۔ مشہور فرانسیسی مصنف مورلیس بوکائی کی مشہور کتاب ”قرآن، بائبل اور سائنس“ اس قبیل کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک اہم مثال ہے۔

سبب تالیف

الحمد للہ فراغت کے بعد بندے نے مکمل ایک سال شب و روز جامعہ دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں مختلف قسم کی علوم و فنون پر لکھی گئی سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی۔ اس دوران اڑسٹھ (۶۸) تفاسیر جن میں عربی، فارسی، اردو شامل ہیں۔ ہر ہر تفسیر کے متعلق مختصر تبصرہ اپنے پاس نوٹ کرتا رہا۔ ہر تفسیر کا پورا نام، مصنف کا نام اور کم از کم پانچ کتابوں سے مصنف کے حالات، تفسیر کا ماخذ، اہل علم کی اس تفسیر سے متعلق آراء، تفسیر میں موجود اسرائیلی روایات کی نشاندہی اور ہر تفسیر کی وہ اہم خوبیاں جو اس کو دیگر تفاسیر سے ممتاز کرنے والی ہوں۔

چنانچہ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) کی تفسیر ”جامع البیان فی تاویل آی القرآن“ سے لے کر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۶ھ) کی شہرہ آفاق تفسیر ”معارف القرآن“ تک۔ اسی طرح حدیث پر ہمام ابن منبہ بن کامل بن شیخ الصنعانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۱ھ) کی ”صحیفہ ہمام بن منبہ“ (جو اب ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے) سے لے کر امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) کی ”السنن الکبریٰ“ تک اڑتیس (۳۸) کتابوں پر۔ اسی طرح اصول حدیث پر ابو محمد الرازمی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۰ھ) کی ”المحدث الفاصل بین الراوی والواعی“ سے لے کر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی

۱۳۹۴ھ) کی ”قواعد فی علوم الحدیث“ تک چھین (۵۶) کتابوں پر۔ اسی طرح حدیث کے غریب الفاظ پر ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) کی ”غریب الحدیث“ سے لے کر علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۶ھ) کی ”مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار“ تک نو (۹) کتابوں پر۔ اسی طرح اسماء الرجال پر امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) کی ”التاریخ الکبیر“ سے لے کر علامہ صفی الدین الخرزرجی رحمہ اللہ (متوفی ۹۴۲ھ) کی ”خلاصۃ تذهیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال“ تک تیرہ (۱۳) کتابوں پر۔ اسی طرح ضعیف راوی پر امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) کی ”الضعفاء الصغیر“ سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی ”لسان المیزان“ تک چودہ (۱۴) کتابوں پر۔ اسی طرح موضوع روایات کی نشاندہی پر علامہ جوزقانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) کی ”الأباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر“ سے لے کر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) کی ”سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ“ تک اکتیس (۳۱) کتابوں پر۔ اسی طرح اصول فقہ پر علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) کی ”الفصول فی الأصول“ سے لے کر الدکتور وہبۃ الزحیلی کی ”أصول الفقہ الإسلامی“ تک چون (۵۴) کتابوں پر۔ اسی طرح فقہ پر امام محمد رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) کی ”الجامع الصغیر“ اور ”المبسوط“ سے لے کر علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) کی ”رد المحتار علی الدر المختار“ تک اکتیس (۳۱) کتابوں پر۔ اسی طرح لغت پر خلیل بن احمد الفراهیدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) کی ”کتاب العین“ سے لے کر مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمہ اللہ کی ”القاموس الوحید“ تک انیس (۱۹) کتابوں پر۔ اسی طرح علم کلام پر علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۶ھ) کی ”الفصل فی الملل والأہواء والنحل“ سے لے کر ابو جعفر السبجانی رحمہ اللہ کی ”بحوث فی الملل والنحل“ تک چودہ کتابوں پر۔ اسی طرح علم ادب پر علامہ جاحظ رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۵ھ) کی ”البیان

والتبيين“ سے لے کر الدکتور محمد التونجی کی ”المعجم المفصل فی الأدب“ تک تیرہ (۱۳) کتابوں پر۔ اسی طرح علم بیان پر ابو عبید معمر بن ثنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۹ھ) کی ”مجاز القرآن“ سے لے کر علامہ جار اللہ زختری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) کی ”اساس البلاغۃ“ تک نو (۹) کتابوں پر۔ اسی طرح علم معانی پر علامہ عبد القاہر جرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۷۷ھ) کی ”دلائل الإعجاز“ سے لے کر علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) کی ”أقصى الأمانی“ تک چھ (۶) کتابوں پر۔ اسی طرح علم بدیع پر علامہ ابو العباس مرتضیٰ باللہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۶ھ) کی ”کتاب البدیع“ سے لے کر شیخ ابن حجر حموی رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۷ھ) کی ”خزانة الأدب“ تک سات (۷) کتابوں پر۔ اسی طرح تاریخ پر علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) کی ”تاریخ الأمم والملوک“ سے لے کر دکتور جوادی علی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۸ھ) کی ”الفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام“ تک پینتالیس (۴۵) کتابوں پر۔ اسی طرح سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۱ھ) کی ”کتاب السیر والمغازی“ سے لے کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۲ھ) کی ”نشر الطیب فی ذکر النبی الحبيب“ تک اکتالیس (۴۱) کتابوں پر۔ اسی طرح حیات صحابہ پر علامہ ابن قانع رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۱ھ) کی ”معجم الصحابة“ سے لے کر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی ”الإصابة فی تمييز الصحابة“ تک گیارہ (۱۱) کتابوں پر۔ اسی طرح تصوف پر لکھی گئی سترہ (۱۷)، عیسائیت کی تردید میں لکھی گئی تیرہ (۱۳)، شیعیت کے خلاف لکھی گئی بیالیس (۴۲)، غیر مقلدیت کی تردید میں لکھی گئی اکیس (۲۱) کتابوں پر تبصرہ نوٹ کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ لائبریری میں موجود تقریباً چار سو ستر (۴۷۰) کتابوں کے متعلق مختصر

تعارف نوٹ کیا۔

اس دوران استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب نے مشورہ دیا کہ کسی ایک

خاص موضوع کا انتخاب کر کے اب اس پر لکھو، چونکہ بندے کا ذوق تفسیر و حدیث کے ساتھ دیگر فنون کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہے اس لئے کام کا آغاز تعوذ و تسمیہ اور سورہ فاتحہ کی تفسیر سے کیا۔ اس دوران علماء سلف کی سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی اور جو بھی گوہر نایاب سامنے آیا تو اسے زیر قسطاس لاتارہا۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر سے متعلق جتنی کتابیں جامعہ دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں موجود تھیں ان تمام تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ زیادہ تر استفادہ تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، بیضاوی، قرطبی، مدارک، تفسیر ابن کثیر، اللباب فی علوم الکتاب، السراج المنیر، حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی، ابوالسعود اور حدائق الروح والریحان سے کیا۔

تعوذ و تسمیہ اور سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق تمام احادیث کی تخریج و تحقیق کا التزام کیا۔ صحیحین کی تمام احادیث کی صحت پر امت کا اتفاق ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث سے بھی صحیح اور حسن درجے کی روایات جمع کیں۔ کیونکہ آج کل تفاسیر میں اہل علم کے اقوال تو نظر آتے ہیں لیکن احادیث کا ذخیرہ بہت کم نظر آتا ہے۔

الحمد للہ ہر حوالہ بالثفصیل لکھاتا کہ مراجعت کرنے والوں کے لئے آسانی ہو۔ نیز جو عبارات عام فہم اور سہل تھیں ان کا ترجمہ نہیں کیا، اس لئے کہ اس سے استفادہ کرنے والے عموماً طلباء اور اہل علم حضرات ہوں گے۔ جہاں عبارات کچھ دقیق اور پیچیدہ تھیں ان کا ترجمہ اور وضاحت کر دی۔

ان شاء اللہ اس کتاب کے پڑھ لینے کے بعد تمام متداول تفاسیر سے تعوذ و تسمیہ اور سورہ فاتحہ کی تفصیلی مباحث سے استفادہ کرنا آسان ہوگا۔ خصوصاً موقوف علیہ کے طلباء کے لئے تفسیر بیضاوی کے حل میں نہایت مفید ہوگی۔

چونکہ بندے نے یہ کتاب نہایت عجلت کے ساتھ تقریباً بتیس ایام میں ان مباحث کو جمع کیا اور یہ میری پہلی تصنیف کاوش ہے جس میں غلطی کا امکان قوی ہے۔

اس میں موجود ہر خوبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ میری

طرف سے ہے جس پر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کرتا ہوں۔
 آخر میں حضرت مولانا محمد اسلم صاحب کا بھی ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے جامعہ
 دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں ہر قسم کی کتابوں سے استفادہ کے لئے بندے کے ساتھ
 خصوصی طور پر معاونت فرمائی۔

محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

۲۸ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

فون نمبر: 0332-2557675

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

پہلی بحث: قرآن کریم میں تعوذ کا ذکر

قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں تعوذ کے الفاظ آئے ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۶﴾ (البقرة)

میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

۲..... إِنِّي أَعِيذُ هَابِكَ وَذُرِّيَّتَيْهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۱۷﴾ (آل عمران)

اے اللہ! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

۳..... وَ إِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ إِنَّهُ سَمِيعٌ

عَلِيمٌ ﴿۱۸﴾ (الأعراف)

اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔

۴..... قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

الظَّالِمُونَ ﴿۱۹﴾ (يوسف)

کہنے لگے اللہ کی پناہ! وہ میرا ربی ہے کہ مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا۔ ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

۵..... رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَ

تَزَحَّيْ لِي أَكُنُ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿٥﴾ (هود)

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کریگا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

۶..... مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَمَاعِنًا عِنْدَكَ (يوسف: ۷۹)
اللہ کی پناہ! ہم تو صرف اسی شخص کو روکیں گے جس کے پاس ہم اپنا سامان پائیں گے۔

۷..... إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿٧﴾ (مریم)

کہنے لگی کہ میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔

۸..... وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿٨﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ

يُخْضِرُونِ ﴿٩﴾ (المؤمنون)

اور آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے رب! میں ان کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۹..... وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿٩﴾ (الدخان)

میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعوذ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ قرآن حکیم میں آپ کی سیرت مبارکہ کے مختلف حصوں کو تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے۔ آپ کو بنی اسرائیل کی ہدایت و فلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ آپ بنی اسرائیل کے ہمراہ وادی تیبہ میں قیام فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل کے ایک نوجوان نے اپنے مالدار چچا کی جائیداد حاصل کرنے کے لئے رات کی تاریکی میں اسے قتل کر دیا اور قتل کے الزام سے بچنے کے لئے چچا کی لاش کو دوسرے محلے میں پھینکا، اس کا خیال تھا کہ اس طرح مجھے چچا کی بے پناہ دولت بھی حاصل ہو جائے گی اور دوسرے محلے داروں سے چچا کا خون بہا بھی مل جائے گا۔

یہ حرکت کرنے کے بعد صبح ہوتے ہی اس نے چیخا اور چلانا شروع کر دیا اور فریاد کرتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مدعی بن کراہل محلہ کے خلاف قتل کا دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے تحقیق و تفتیش کی مگر قتل کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کے حضور دعا کی اے اللہ! حقیقت حال واضح فرماتا کہ بنی اسرائیل کو باہمی اختلاف و افتراق سے بچایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک واضح نشان دکھانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیں اور ذبح شدہ گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگائیں تو وہ مردہ میری قدرت سے زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کی نشان دہی کر دے گا۔ اس طرح واقعے کی حقیقت کھل جائے گی اور قاتل کا واضح طور پر پتہ بھی چل جائے گا۔

قرآن کریم اپنے معجزانہ اختصار سے اس واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتا ہے:

وَ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا

بَقَرَةً ۗ (البقرة: ۶۷)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ

تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

گائے ذبح کرنے کا حکم سن کر قوم کو تعجب ہوا اور انہوں نے کہ ہم تو آپ سے قاتل کا

پتہ پوچھنے آئے تھے اور آپ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔
بھلا ان دو معاملات کی آپس میں کیا مناسبت ہے؟ اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے
رسول ہو کر ہم سے مذاق اور تمسخر کر رہے ہیں۔ قرآن عزیزان کے الفاظ نقل کرتا ہے:

قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا

ترجمہ: انہوں نے کہا کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے اس اعتراض اور سوء قال کا جو جواب دیا وہ
ہمارے اس عنوان کا موضوع ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ایسے سنجیدہ معاملات اور نازک موقع پر
مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے:

قَالَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (البقرة)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کے گروہ میں شامل

ہو جاؤں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تعوذ

حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے مشہور پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہیں۔
آپ کی سیرت مبارکہ کے تذکرے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی ایک مستقل سورت
نازل فرمائی ہے۔

سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے تعوذ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سرزمین
مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے گھر میں رہائش اختیار کئے ہوئے جب
سات سال کا عرصہ گزر گیا تو ایک زبردست اور کٹھن آزمائش شروع ہو گئی۔ حضرت یوسف
علیہ السلام پر جوانی کا عالم تھا، حسن و جمال میں بے مثال، رخ مبارک شمس و قمر کی طرح
روشن، عصمت و حیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ اور پھر عین وقت شباب اور ساتھ عزیز مصر کی
بیوی (زلیخا) اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر
فریفتہ ہو گئی۔ اور آپ سے ناجائز تعلقات استوار کرنے پر کمر بستہ ہو گئی اور ایک دن

جذبات کی تسکین اور غلط منصوبے کی تکمیل کے لئے گھر کے تمام دروازے بند کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو انتہائی محفوظ کمرے میں لے جا کر دعوت گناہ دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا، شاہی خاندان کی خوبرو عورت محبوب نہیں بلکہ محبت، آرائش حسن وزینت کی بے پناہ نمائش، ادھر یوسف خود حسین نوجوان اور حسن کی تمام خوبیوں کا مجموعہ، دروازے بند، رقیب کا خوف نہ محافظ کا ڈر، مالکہ خود ذمہ دار، مگر ان تمام سازگار حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک لمحہ کے لئے بھی امراة العزیز کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ قرآن عزیز فرماتا ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ

لَكَ ۗ (یوسف: ۲۳)

ترجمہ: اور یوسف کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ مقیم تھے اس کی ذات سے پھسلا یا اور دروازے بند کر دیئے اور کہا: آجا۔

عزیز مصر کے شاہی محل کی خلوت گاہ اور مکمل تنہائی کے عالم میں حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی اس اشتعال انگیز درخواست بلکہ تقاضے کو ٹھکراتے ہوئے زلیخا کو جواب میں فرماتے ہیں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ رَآیَ اَحْسَنَ مَثْوَاۤی ۗ اِنَّهُ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (یوسف)

ترجمہ: اللہ کی پناہ وہ میرا مالک ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔

آپ نے غور فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی گناہ سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ تلاش کی اور کہا: معاذ اللہ۔

والدة مریم کا تعوذ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ کا نام حنہ اور والد گرامی کا نام عمران تھا۔ حضرت عمران حضرت زکریا علیہ السلام کے ہم زلف اور

بڑے عبادت گزار و شب بیدار بزرگ تھے۔ حضرت عمران کی اہلیہ محترمہ حنہ بھی اپنے خاوند کی طرح انتہائی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ علماء انساب کا اتفاق ہے کہ عمران اور حنہ کا سلسلہ نسب حضرت داود علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کہ اس ذاتِ عظیم و برتر نے ایک عرصے تک اس نیک اور صالح جوڑے کو اولاد کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم رکھا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار اور اسی کی قدرت ہے کہ وہ جسے چاہے اولاد عطا فرمائے اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے۔

حضرت عمران اور محترمہ حنہ اکثر اوقات خالق کائنات کے حضور اولاد کے لئے دست بدعا رہتے اور اس ذاتِ رحیم و کریم سے اولاد کا تحفہ مانگتے رہتے۔ آخر ان دونوں کی دعائیں مستجاب ہوئیں اور سیدہ حنہ حاملہ ہو گئیں، حنہ کو اس احساس اور امید سے از حد خوشی حاصل ہوئی اور انہوں نے دربار الہی میں نذر مان لی کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا میں اسے مسجد اقصیٰ کی خدمت اور دین کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دوں گی اور اس سے گھر کا کوئی کام نہیں لوں گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

وَوَيْلٌ لَّكَ اِنَّكَ السَّيِّئُ الْعَلِيمُ ﴿۱۰﴾ (آل عمران)

ترجمہ: جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! جو میرے شکم میں ہے اسے تیرے لئے آزاد کرنے کی نذر مانتی ہوں۔ تو اسے میری طرف سے قبول فرما، بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا ہے اور (نیوٹوں کو) جاننے والا ہے۔

سیدہ حنہ کی شدید خواہش تھی کہ رب العزت انہیں بیٹا نصیب فرمائے مگر مدت حمل کے بعد جب ولادت کا مرحلہ آیا تو حنہ کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی ہے۔ سخت حیرانی ہوئی، لیکن جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حنہ کے لئے یہ بیٹی بھی بیٹا سے کم نہ تھی، مگر انہیں یہ افسوس ضرور ہوا کہ میری نذر پوری نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ لڑکی تو بیت المقدس کی خدمت کا فریضہ کا حقہ سرانجام نہیں دے سکے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے افسوس کو یہ

کہہ کر خوشی سے بدل دیا کہ ہم نے تمہاری لڑکی کو ہی قبول فرمایا ہے۔ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے کہ سیدہ مریم کو سیدہ حنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیت المقدس کے لئے وقف کیا کہ اے باری تعالیٰ!

وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهُمَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ⑤ (آل عمران)

ترجمہ: اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور اسے اور اس کی اولاد کو شیطان

مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

آپ قرآنی الفاظ پر غور فرمائیں تو یقیناً مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ سیدہ حنہ نے بھی اللہ کی پناہ کے الفاظ استعمال فرماتے ہوئے اپنی صاحبزادی کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

سیدہ مریم کا تعوذ

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم کا تعوذ بھی ذکر فرمایا ہے کہ جب سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدہ مریم کے گوشہ تنہائی میں انسانی شکل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینے کے لئے حاضر ہوئے، تو آپ ایک اجنبی شخص کو اس طرح سامنے کھڑا دیکھ کر گھبرا گئیں اور اسے فواخدا کا واسطہ دے کر فرمایا: اگر تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں۔ قرآن حکیم نے حضرت مریم کے کلمات تعوذ کو اپنی آیات میں یوں محفوظ کیا ہے:

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ⑥ (مریم)

ترجمہ: مریم نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور تعوذ

مدینہ منورہ کے ایک یہودی لبید بن اعصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا۔ جس کے معمولی اثرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمائے تھے۔ ایک دن حضرت

جبرئیل علیہ السلام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہوا ہے، اور وہ جادو فلاں کنویں میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوا لیا۔ وہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور موم کا ایک ٹکڑا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم الہی آپ کو قرآن حکیم کی آخری دو سورتیں یعنی سورہ فلق اور سورہ ناس پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ جنہیں معوذتین کہا جاتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کی آیات کی تعداد گیارہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی تھی، جب ان دونوں سورتوں کی گیارہ آیات کی تلاوت مکمل ہوئی تو گیارہ کی گیارہ گرہیں کھل چکی اور سوئیاں نکل چکی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح صحیح ہو گئے جس طرح کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔^(۱)

جادو کا یہ مؤثر علاج بھی اللہ تعالیٰ نے تعوذ ہی کی شکل میں نازل فرمایا۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعوذ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝۳ وَ مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝۵ (الفلق)

ترجمہ: (اے رسول!) کہہ دیجیے میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، اس کی پیدا کردہ ہر چیز کی برائی سے اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔ اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کی برائی سے اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے۔

(۱) الدد المنتور فی التفسیر الماثور: سورة الفلق، ج ۸ ص ۲۸۷

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ
الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ

النَّاسِ ۝ (الناس)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) کہہ دیجیے میں انسانوں کے پروردگار کی پناہ میں
آتا ہوں۔ لوگوں کے مالک (اور) لوگوں کے معبود کی (پناہ میں آتا ہوں)
وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے، جو لوگوں کے سینوں
میں وسوسے ڈالتا ہے۔ چاہے جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

قرآن کریم کے اٹھارہویں پارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کو شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ یہ اگرچہ حکم رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر درحقیقت امت کو شیطانی وساوس اور ابلیسی حملوں سے پناہ مانگنے کی
تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ

يَحْضُرُونِي ۝ (المومنون)

ترجمہ: اور کہہ دیجیے اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی
پناہ طلب کرتا ہوں، اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے
کہ وہ شیطان میرے قریب آئے۔

دوسری بحث: احادیث مبارکہ میں تعوذ کا ذکر

..... عقائد میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں اور فلاں کو کس نے
پیدا کیا ہے؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے؟ حتیٰ کہ یہ تک کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے

پیدا کیا ہے؟ لہذا جب ایسی سوچ آئے تو بندہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے (یعنی ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھ لے) اور آئندہ ایسی سوچ سے باز رہے:

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا مَنْ خَلَقَ كَذَا حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَه. (۱)

۲..... نماز شروع کرتے وقت شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب رات کو قیام فرماتے تو نماز شروع کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے پھر یہ پڑھتے:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔

میں پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللہ! تیری ہی حمد و ثناء کے ساتھ تیرا نام بہت برکت والا ہے تیری شان بہت بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔

پھر آپ تین بار ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھتے پھر یہ پڑھتے ”أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ“ پھر تین بار ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کہتے پھر یہ پڑھتے ”أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ یعنی اس کے وسوسے اور اس کی پھونک اور اس کے جادو سے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ

(۱) صحیح البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس و جنوده، ج ۴ ص ۱۲۳، رقم الحدیث: ۳۶۷۶ / صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان الوسوسة فی الإیمان وما یقول من وجدھا، ج ۱ ص ۱۲۰، رقم الحدیث: ۱۳۴

اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ ثُمَّ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثَلَاثًا
ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثَلَاثًا أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ
الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ ثُمَّ يَقْرَأُ۔^(۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ۔
اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے
وسوسے سے، اس کے تکبر اور اس کے جادو سے۔ (”ہمز“ جنون اور دیوانگی
کو۔ ”نفث“ شعر کو اور ”نفخ“ تکبر کو کہتے ہیں۔)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ
بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ۔ قَالَ هَمْزُهُ الْمَوْتَةُ
وَنَفْثُهُ الشَّعْرُ وَنَفْخُهُ الْكِبَرُ۔^(۲)

۳..... نماز میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری نماز اور قراءت کے درمیان شیطان
حائل ہو جاتا ہے، وہ مجھ پر قراءت کو خلط ملط کرتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ
شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے جب تم اس کے حائل ہونے کو محسوس کرو تو اس (کے شر)

(۱) سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب من رای الاستفتاح بسبحناک اللهم وبحمدک، ج ۱

ص ۲۰۶، رقم الحدیث: ۷۷۵/ سنن الترمذی: کتاب الصلاة، باب ما یقول عند افتتاح

الصلاة، ج ۱ ص ۳۲۳، رقم الحدیث: ۲۲۲

(۲) سنن ابن ماجہ: کتاب إقامة الصلوات، باب الاستعاذة فی الصلاة، ج ۱ ص ۲۶۵، رقم

الحدیث: ۸۰۷

سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو (یعنی ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھو) اور تین بار اپنی بائیں جانب تھکاردو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ عزوجل نے اس شیطان کو مجھ سے دور کر دیا:

أَنَّ عُمَانَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ حَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَقِرَاءَتِي يَلْبِسُهَا عَلَيَّ - فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ حِنْزَبٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْهُ وَاتَّقِ عَلَيَّ يَسَارِكَ ثَلَاثًا - قَالَ فَفَعَلْتُ ذَلِكَ فَاذْهَبَهُ اللَّهُ عَنِّي - (۱)

غصہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

غصہ اور غضب انسان کے لئے سخت نقصان دہ اذیت کا باعث ہیں۔ غصہ کی حالت میں انسان نامعلوم کیا کیا الفاظ اپنی زبان سے ادا کر جاتا ہے۔ اور شیطان بھی انسان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غصے کی حالت میں اسے درغلانے کی کوشش کرتا ہے، ابلیس کی سر توڑ کوشش ہوتی ہے کہ انسان سکون، اتفاق اور اتحاد سے زندگی نہ گزار سکیں، بلکہ ہمیشہ اختلاف، انتشار اور منافرت کا شکار رہیں۔ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے شیطان انسان کو غصہ دلاتا اور پھر غصے کی حالت میں اس کے منہ سے ایسی باتیں نکلوادیتا ہے کہ جس سے معاشرے میں افتراق و اختلاف پڑتا ہے اور شیطان انسانوں کو آپس میں لڑا کر خوش ہوتا اور مسرت کا اظہار کرتا ہے۔

اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کو پی جانے، درگزر اور معاف کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ اور قرآن حکیم نے بھی اہل تقویٰ کی علامات اور نشانیوں کا

(۱) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب التعوذ من شیطان الوسوسة فی الصلاة، ج ۴

ذکر کرتے ہوئے ”وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ“ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی اللہ والوں کے اوصاف حمیدہ میں سے غصے کو پی جانا، ایک عمدہ وصف اور لوگوں کو معاف کر دینا اعلیٰ خوبی ہے۔

تاہم اگر کسی وقت انسان کو غصہ آجائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جو نہی کوئی شخص خود کو غصہ کی حالت میں محسوس کرے تو فوراً پکاراٹھے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص آپس میں جھگڑ پڑے، یہاں تک کہ نوبت گالی گلوچ تک پہنچ گئی، اور غصہ ان کے چہروں سے ٹپکنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس غضبناک صورت حال کو دیکھ فرمایا: ”إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً“ بلاشبہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں، ”لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ غَضَبُهُ“ اگر یہ دونوں ان الفاظ بابرکت کو اپنی زبان سے ادا کر لیں تو ان کا غصہ فوراً کا فور ہو جائے۔ اور یہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ الفاظ و کلمات جن کے کہنے سے آدمی کا غصہ فوراً دور ہو جاتا ہے:

”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ ہیں۔^(۱)

آج ہم میں سے اکثر لوگوں کو غصہ بہت جلد آتا ہے اور ہم معمولی باتوں کی بناء پر مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور پھر ساری عمر اس غصہ کے نتائج کا سامنا کرتے رہتے ہیں، آج ہمارے معاشرے میں قتل ہوتے ہیں تو غصہ کی بناء پر، میاں بیوی کے اختلافات بڑھتے ہیں تو غصہ کی بناء پر، یہ غصہ انسان کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے، اسے جیل کی کوٹھڑی دکھلاتا اور معاشرے کا ناپسندیدہ فرد بنا دیتا ہے، اس لئے ہمیں اپنے جذبات پر

(۱) سنن الترمذی: ابواب الدعوات، باب ما یقول عند الغضب، ج ۵ ص ۵۰۴، رقم

کنٹرول رکھنا چاہئے۔ غصے سے اجتناب کرنا چاہئے اور بتقاضہ بشریت اگر کسی وقت غصہ آجائے تو فوراً پڑھنا چاہئے: اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، ایسا کرتے ہوئے ان میں سے ایک تو اس قدر غصے میں تھا کہ غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے، اور وہ کلمہ یہ ہے ”اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“

سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (۱)

۵..... کسی وادی یا منزل پر پڑاؤ کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالے اور یہ دعا پڑھے:

اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التّٰمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ ان سب چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کو

اس نے پیدا کیا، تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی یہاں تک کہ وہ وہاں سے

کو بیچ کر جائے۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج ۸ ص ۲۸، رقم الحدیث:

۶۱۱۵/صحیح مسلم: کتاب البر والصلة، باب فضل من یملک نفسه عند

الغضب۔۔۔ الخ، ج ۳ ص ۲۰۱۵، رقم الحدیث: ۲۶۱۰

عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمِ السُّلَمِيَّةِ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا نَزَلَ أَحَدُكُمْ مَنْزِلًا فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ - فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْتَحِلَ مِنْهُ. (۱)

۶..... مسجد میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے تھے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ -

میں عظمت والے اللہ اور اس کے کریم چہرے کی اور اس کی قدیم سلطنت کی پناہ چاہتا ہوں، مردود شیطان سے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو ایسا کہے تو شیطان کہتا ہے کہ تو مجھ سے آج پورا دن محفوظ رہے گا:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَالَ: أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ - قَالَ فَإِذَا قَالَ ذَلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّي سَائِرَ الْيَوْمِ. (۲)

۷..... مسجد سے نکلتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب فی التعوذ من سوء القضاء۔۔ الخ، ج ۴

ص ۲۰۸، رقم الحدیث: ۲۷۰۸

(۲) سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب ما یقول الرجل عند دخوله المسجد، ج ۱ ص ۱۲۷،

رقم الحدیث: ۴۶۶

تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام پڑھے اور یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ-

اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے نکلے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام پڑھے اور یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ-

اے اللہ! مجھے شیطان مردود کے شر سے محفوظ رکھ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ

أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلْ

اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ وَلْيَقُلْ

اللَّهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ- (۱)

۸..... بیماری کے وقت اللہ کی پناہ مانگنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بیماری کی شکایت کی جو اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے پہلی دفعہ محسوس کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ کو اپنے جسم پر تکلیف والی جگہ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ کہہ اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھ:

أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ-

میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کی قدرت کی پناہ پکڑتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں

پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں۔

(۱) سنن ابن ماجہ: کتاب المساجد، باب الدعاء عند دخول المسجد، ج ۱ ص ۲۵۴، رقم

عَنْ عُمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ شَكَاَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ - فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِاسْمِ اللَّهِ ثَلَاثًا - وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ - (۱)

۹..... بچوں کے لئے اللہ کی پناہ کے خواہاں ہونا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لئے ان کلمات کے ذریعے پناہ طلب کیا کرتے تھے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ -

میں اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ (تم دونوں کے لئے) ہر شیطان سے اور اس مخلوق سے جو بدی کا ارادہ کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ. (۲)

۱۰..... صبح و شام کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم شام کو یہ کلمات پڑھ لیتے:

(۱) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب استحباب وضع یدہ علی موضع الألم۔ الخ، ج ۴ ص ۱۷۲۸، رقم الحدیث: ۲۲۰۲

(۲) صحیح البخاری: کتاب الأنبياء، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: واتخذ الله إبراهيم خليلاً، ج ۴ ص ۱۳۷، رقم الحدیث: ۳۳۷۱

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ-^(۱)

میں اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ تمام چیزوں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہیں، تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

۱۱..... صبح و شام اور بستر پر لیٹتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھا دیجئے جو میں صبح و شام پڑھا کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کلمات پڑھا کرو:

اللَّهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ
وَمَلِيكَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ
الشَّيْطَانِ وَشَرِّكَه-

اے اللہ! ظاہر و پوشیدہ کو جاننے والے! آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! ہر چیز کو پالنے والے اور اس کے مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں اپنے نفس کے شر سے اور مردود شیطان کے شر اور شرک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا: اس دعا کو صبح و شام اور رات کو بستر پر جاتے وقت پڑھا کرو:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَرْنِي بِشَيْءٍ أَقُولُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أُمْسَيْتُ قَالَ: قُلِ اللَّهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّكَه
قَالَ قَلْبُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أُمْسَيْتُ وَإِذَا أَخَذْتُ مَضْجَعَكَ-^(۲)

(۱) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب فی التعوذ من سوء القضاء ودرک الشقاء وغیرہ، ج ۲ ص ۲۰۸، رقم الحدیث: ۲۷۰۹
(۲) سنن الترمذی: ابواب الدعوات، باب منه، ج ۵ ص ۳۳، رقم الحدیث: ۳۳۹۲

۱۲..... برا خواب دیکھنے پر اللہ کی پناہ طلب کرنا

بعض اوقات حالت نیند میں انسان کو بڑے عجیب و غریب قسم کے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ کئی دفعہ آدمی ان خوابوں کی وجہ سے خوف زدہ اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بد خوابی کا علاج بھی تعوذ میں بتلایا ہے:

إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللَّهِ، فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ عَلَيْهَا
وَلْيُحَدِّثْ بِهَا، وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ،
فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا، وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ (۱)

جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو الحمد للہ کہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور اگر چاہے تو لوگوں کے سامنے اس خواب کا ذکر بھی کر دے، اور جب ناپسندیدہ، شیطانی اور ڈراؤنا خواب دیکھے تو ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اور کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے تو ان شاء اللہ اسے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، پس اگر تم میں سے کوئی شخص برا خواب دیکھ کر اس سے ڈر جائے تو وہ اپنی بائیں جانب تھکا کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگے تو وہ اسے نقصان نہ پہنچائے گا:

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللَّهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلْمًا
يَخَافُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا، فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ. (۲)

(۱) صحیح البخاری: کتاب التعبير، باب الرؤیا من اللہ، ج ۹ ص ۳۰، رقم الحدیث: ۶۹۸۵

(۲) صحیح البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ج ۴ ص ۱۲۳، رقم

تعلیمات نبویہ کی روشنی میں جس شخص کو برے اور فاسد خواب آتے ہوں اسے چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

۱... شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، یعنی ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“

پڑھے۔

۲..... برے خواب سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگے۔

۳..... جو نبی آنکھ کھلے تو فوراً بائیں طرف تین دفعہ تھوک دے۔

۴..... برے خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان، انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے۔ وہ انسان کو غمگین، پریشان اور رنجیدہ کرنے کے لئے خواب کی حالت میں پراگندہ خیالات اور وساوس پیدا کرتا ہے، اس لئے محسن کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدخوابی کا علاج یہ بتایا کہ جو نبی خواب میں برے خیالات کی آمد ہو فوراً تعوذ پڑھ لے۔

۱۳..... بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

رفع حاجت کے لئے انسان جب بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہے یا باہر کھلی فضا میں جاتا ہے تو اسے جسم کے ان حصوں سے بھی کپڑا اٹھانا پڑتا ہے کہ عام حالات میں ان حصوں کو برہنہ کرنا انسانی عادات کے منافی اور شرم و حیاء کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس برہنگی کی حالت میں شیطانی حملوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، اور شیطان کے لئے انسان کو ورغلا نا اور وساوس میں مبتلا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع حاجت کے لئے جسم کے مخصوص حصوں سے کپڑا اٹھانے یا بیت الخلاء میں داخل ہونے سے قبل ایسے الفاظ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن میں انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے ان حالات میں شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبَيْثِ وَالْخَبَائِثِ-

اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبَيْثِ وَالْخَبَائِثِ- (۱)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت الخلاء (جنوں اور شیطانوں کے) حاضر ہونے کی جگہ ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو تو کہے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبَيْثِ وَالْخَبَائِثِ-

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں کے شر سے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضِرَةٌ فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبَيْثِ وَالْخَبَائِثِ- (۲)

۱۴.....مباشرت کے وقت شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کے وقت یہ دعا پڑھ لے:

(۱) صحیح البخاری: کتاب الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، ج ۱ ص ۴۰، رقم الحدیث:

۱۴۲ / صحیح مسلم: کتاب الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، ج ۱ ص ۲۸۳، رقم

الحدیث: ۳۷۵

(۲) سنن أبی داؤد، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، ج ۱ ص ۲، رقم الحدیث: ۴

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔
 اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان کے شر سے محفوظ رکھ اور ہمیں تو
 جو اولاد عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچانا۔

تو اگر اس ملاپ سے بچہ پیدا ہو تو شیطان اسے کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔
 عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ
 أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ
 الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقَضَىٰ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَّمْ يَضُرَّهُ۔^(۱)

۱۵..... سفر کے وقت تعویذ پڑھنا

ہر انسان کو کسی نہ کسی کام کے لئے سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی سنت آپ کا طریقہ اور اسوہ حسنہ یہ ہے کہ جب سفر پر جانا ہو تو تعویذ والی دعا پڑھ کر سفر
 شروع کیا جائے۔ یقیناً ایسا سفر جس کی ابتدا ذکر الہی سے ہوگا جس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی سنت مطہرہ سے ہوگا، اور جسے مسنون دعا سے شروع کیا جائے گا وہ سفر باعث برکت
 با مقصد اور کامیاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب
 سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی زبان مبارک سے یہ دعا پڑھ کر سفر کا آغاز فرماتے:

اللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللّٰهُمَّ أَصْحَبْنَا
 فِي سَفَرِنَا، وَأَخْلَفْنَا فِي أَهْلِنَا، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعَثَاءِ السَّفَرِ،
 وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكُورِ، وَمِنَ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ، وَمِنَ

(۱) صحیح البخاری: کتاب الوضوء، باب التسمیة علی کل حال وعند الوقاع، ج ۱ ص ۴۰،

رقم الحدیث: ۱۴۱ / صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب ما یستحب ان یقولہ عند الجماع،

ج ۲ ص ۱۰۵۸، رقم الحدیث: ۱۴۳۳

سُوِّ الْمُنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ - (۱)

اے میرے اللہ! آپ ہی سفر میں (میرے) ساتھی ہیں اور (میرے) گھر میں خلیفہ (کا رساز) ہیں۔ اے اللہ! آپ سفر میں ہمارے ساتھی بنیں اور ہمارے گھر والوں کے لئے ہمارے نائب، اے اللہ! میں آپ کی ذات کے ساتھ سفر کی مشقت سے اور واپسی پر غمگین منظر سے اور ترقی کے بعد تنزل سے پناہ مانگتا ہوں۔

یہاں سفر کی اس دعا میں تعوذ یعنی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا ذکر موجود ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ سفر پر روانہ ہوتے وقت اگر اس مسنون دعا کو پڑھ لیا جائے تو انسان سفر کی مشکلات اور گھر سے دوری کی غمگینی، اور تنزل و پستی اور نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۱۶..... دشمن سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا

ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے دشمن کی چالوں، اس کے حملوں اور ریشہ دوانیوں سے ہر طرح محفوظ و مامون رہوں اور میرا دشمن کسی طرح بھی میرا نقصان نہ کر سکے۔ اسی طرح ہر شخص اس امر کا بھی آرزو مند ہوتا ہے کہ مجھے کوئی پریشانی، اذیت اور تکلیف نہ پہنچے، اور میں ہر قسم کی مشقتوں، تکلیفوں، اذیتوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے سلامت رہوں۔ اس مقصد کیلئے محسن کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مختصر اور جامع دعا سکھلائی ہے۔ اسے روزانہ پڑھ کر ہر قسم کے مصائب و آلام اور دشمن کے حملوں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دعا میں بھی تعوذ یعنی اللہ کی پناہ کے الفاظ موجود ہیں۔

مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشقت، بدبختی، برے فیصلے اور دشمنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا

(۱) سنن الترمذی: أبواب الدعوات، باب ما یقول إذا خرج مسافراً، ج ۵ ص ۴۹۷، رقم الحدیث: ۳۴۳۹

کرتے تھے۔ دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ
الْأَعْدَاءِ۔ (۱)

اے میرے اللہ! میں بلاء کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے، اور برے
فیصلے اور دشمنوں کی خوشی سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

۱۔۔۔۔۔ زوالِ نعمت سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت و تندرستی، مال و دولت، عزت، کاروبار و تجارت، علم
و ملازمت اور اس طرح کی بے حساب نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، ہم میں سے کوئی شخص
یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان نعمتوں سے محروم کر دیا جائے۔ انعاماتِ خداوندی سے اس کا دامن
خالی ہو جائے اور اسے تہی دست اور بے آسرا بنا دیا جائے۔

امت کی ان خواہشات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک
خوبصورت بہترین مختصر مگر جامع دعا بتلائی ہے کہ جو شخص اس دعا اور تعوذ کو پڑھتا رہے گا تو
اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ اس پر کی گئی نعمتوں کو برقرار رکھے گا بلکہ اس پر انعامات کی مزید بارش
برسائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعمتوں
کے زوال سے بچنے اور عافیت کے لئے اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفَجَاءَةِ
نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ۔ (۲)

(۱) صحیح البخاری: کتاب القدر، باب من تعوذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء، ج ۸

ص ۱۲۶، رقم الحدیث: ۶۶۱۶

(۲) صحیح مسلم: کتاب الرقاق، باب اکثر اهل الجنة الفقراء، ج ۴ ص ۲۰۹۷، رقم

الحدیث: ۲۷۳۹

اے اللہ! میں آپ کی عطا کردہ ہر نعمت کے زائل ہونے سے اور آپ کی دی ہوئی عافیت کے بدل جانے سے اور آپ کے ناگہانی عتاب سے اور آپ کے ہر طرح کے غصہ سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

۱۸..... برے اخلاق سے تعوذ

انسانی عادات میں حسنِ اخلاق ایک پسندیدہ عادت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ اخلاق اور حسنِ کرداری کی تعلیم دی ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔

مجھے تو اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کی قرآنِ مجید نے یوں گواہی دی ہے:

وَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾ (القلم)

اور یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں جس طرح اخلاقِ عالیہ کی تعرف و توصیف کی گئی ہے اسی طرح برے اخلاق کی مذمت بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ بلکہ ارشاداتِ نبویہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اخلاق کے بارے میں اتنے فکر مند تھے کہ آپ نے اپنی امت کو ایسی دعا سکھلائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی گئی ہے کہ اے اللہ العالمین! ہمیں برے اخلاق سے محفوظ فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّقَاقِ وَالنَّفَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ۔ (۱)

اے اللہ! میں اختلاف سے، نفاق سے اور برے اخلاق سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

(۱) سنن النسائی: کتاب الاستعاذۃ، الاستعاذۃ من الشقاق والنفاق، ج ۸ ص ۲۶۲، رقم

۱۹..... بے نفع علم سے تعویذ

علم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور لازوال دولت ہے، قرآن و حدیث میں اہل علم کے فضائل و محاسن اور ان کی فضیلت و عظمت کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح دھوپ اور چھاؤں، دن اور رات، صبح اور شام، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح اہل علم اور بے علم بھی برابر نہیں ہو سکتے، قرآن حکیم اس امر کی بھی وضاحت فرماتا ہے کہ اہل علم اور بے علم بھی برابر نہیں ہو سکتے، قرآن حکیم اس امر کی بھی وضاحت فرماتا ہے کہ اہل علم ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ان اشعار نے اہل علم کی فضیلت کو چار چاند لگا دیئے ہیں:

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

فَبِإِنَّ الْمَالَ يُفْنَى عَنْ قَرِيبٍ وَإِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَّا زَوَالَ

ہم اللہ جبار کی اس تقسیم پر راضی اور خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم سے نوازا اور جاہلوں کو مال عطا کیا۔ بلاشبہ دولت تو عنقریب فنا اور ختم ہو جائیگی، اور علم ہمیشہ باقی رہیگا اور اسے کبھی زوال نہیں آئے گا۔

مگر ایسا علم جو نفع مند، فائدہ مند اور سود مند نہ ہو، وہ علم جو عظمت کی بجائے نفرت، عزت کی بجائے ذلت اور بلندیوں کی بجائے پستیوں کا سبب ہے، ایسے بے مقصد اور نقصان دہ علم سے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ

نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ۔ (۱)

(۱) سنن النسائي: كتاب الاستعاذة، الاستعاذة من الشقاق والنفاق، ج ۸ ص ۲۶۳، رقم

اے اللہ! میں بے نفع علم سے، نہ ڈرنے والے دل سے، نہ بھرنے والے نفس سے، اور قبول نہ ہونے والی دعا سے آپ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔

۲۰..... موت کے وقت شیطانی حملہ سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت ابو ایسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرْدَى وَالْهَدْمِ وَالْغَرَقِ وَالْحَرِيقِ وَأَعُوذُ
بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي
سَبِيلِكَ مُدْبِرًا وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا۔

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کسی چیز کے نیچے آنے سے، اونچی جگہ سے
گرنے سے، ڈوبنے اور جلنے سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں کہ موت کے وقت
شیطان مجھے خبطی بنائے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیری راہ
میں جہاد سے بھاگتا ہوں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی
زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آئے:

عَنْ أَبِي الْيَسْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرْدَى وَالْهَدْمِ وَالْغَرَقِ وَالْحَرِيقِ وَأَعُوذُ
بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي
سَبِيلِكَ مُدْبِرًا وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا۔^(۱)

تعوذ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے تعوذ کی فضیلت کے بارے میں چار (۴) روایات نقل کیں پھر آخر میں فرماتے ہیں:

(۱) سنن النسائی: کتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من التردى والهدم، ج ۸ ص ۲۸۲، رقم
الحديث: ۵۵۳۱

وما يتعوذ منه كثير ثابت في الأخبار، والله المستعان۔^(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) نے تعوذ کی فضیلت کے بارے میں سات (۷) روایات نقل کیں، آخر میں فرماتے ہیں استعاذہ کے بارے میں احادیث کثرت کے ساتھ آئی ہیں، اگر انہیں ذکر کیا جائے تو بات طویل ہو جائے گی، ان روایات کا تذکرہ ”کتاب الأذکار“ اور ”فضائل الأعمال“ میں ہوتا ہے:

وقد جاء في الاستعاذة أحاديث كثيرة يطول ذكرها ها هنا، وموطنها

كتاب الأذكار وفضائل الأعمال۔^(۲)

تیسری بحث: تعوذ سے متعلق فقہی مسائل

مسئلہ: قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا مستحب ہے۔

مسئلہ: نماز کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ: عید کی نماز کی پہلی رکعت میں تین زائد تکبیروں کے بعد امام قراءت شروع کرنے سے پہلے آہستہ سے تعوذ پڑھے۔

مسئلہ: مقتدی چونکہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتا اس لئے وہ تعوذ بھی نہ پڑھے۔

مسئلہ: استاذ کو قرآن مجید سنانے والے کے لئے تعوذ پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ اس موقع پر وہ تلاوت نہیں کر رہا ہوتا بلکہ قرآن مجید سیکھ رہا ہوتا ہے۔^(۳)

(۱) تفسیر القرطبی: القول في الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۹

(۲) تفسیر ابن کثیر: الکلام في تفسیر الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۸

(۳) الفتاویٰ الہندیۃ: کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع، ج ۵ ص ۳۱۶ / رد المحتار: کتاب الصلاة، مطلب فی بیان المتواتر بالشاذ، ج ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۴ / الفقہ الإسلامی وأدلته:

المبحث الرابع: الصلاة العیدین، ج ۲ ص ۱۳۹۶

چوتھی بحث: تعوذ کو تسمیہ پر کیوں مقدم کیا؟

تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کرنے کی چھ (۶) وجوہات ہیں:

۱..... جمہور علماء کے ہاں بوقت تلاوت تعوذ تسمیہ پر مقدم ہوتا ہے۔

۲..... جمہور علماء کے ہاں نماز میں تعوذ تسمیہ پر مقدم ہوتا ہے۔

۳..... دفع مضرت مقدم ہوتی ہے جبکہ منفعت پر۔

منفعت کی حقیقت: تحصیل ماہو فی المستقبل

مضرت کی حقیقت: تفویت ماہو فی الحال

منفعت غیر موجود چیز کو حاصل کرنا جبکہ مضرت موجود چیز کو تلف کرنا۔

۴..... ازالہ مضرت کثیرہ منفعتِ قلیلہ کے مقابلے میں مقدم ہوتی ہے، جیسے دوکاندار

ایک چیز فروخت کر رہا ہے گا ہک کہتا ہے کہ فوراً یہ چیز مجھے دو، اب اس بیچ میں بائع کو سو

روپے کا نفع ہو رہا ہے لیکن اچانک یہ خبر آگئی کہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی ہے تو

دوکاندار پہلے آگ بجھانے کے لئے بھاگے گا کیوں کہ اس میں مضرت کثیرہ ہے جبکہ اس بیچ

میں منفعت قلیلہ ہے، اور اصول ہے کہ ازالہ مضرت کثیرہ منفعتِ قلیلہ کے مقابلے میں

مقدم ہوتی ہے اس لئے تعوذ تسمیہ پر مقدم ہے۔

۵..... استعاذہ کی حقیقت: التحفظ عن مضرة الشيطان

تسمیہ کی حقیقت: حدیث کی روشنی میں اس کی حقیقت حصول البرکت ہے، تو تعوذ میں

دفع مضرت ہے، اس لئے یہ مقدم ہے جبکہ تسمیہ کا مقصد دنیاوی برکات حاصل کرنا ہے یہ

فائدہ قلیلہ ہے، جب کہ تعوذ میں ایسے دشمن سے پناہ میں آنا جو ایمان کا دشمن ہے اور یہ

مضرت کثیرہ ہے، اور دفع مضرت کثیرہ اولیٰ ہے منفعت قلیلہ کے حصول سے اس لئے تعوذ کو

تسمیہ پر مقدم کیا ہے۔

۶..... کثیر الاسباب چیز کی بہ نسبت قلیل الاسباب چیز کی اہمیت اور فکر زیادہ ہوتی

ہے۔ جیسے اگر منزل تک پہنچنے کیلئے اسباب زیادہ ہوں تو فکر نہیں ہوتی لیکن اگر اسباب کم ہوں تو فکر زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے لاہور جانے کیلئے روزانہ دس گاڑیاں روانہ ہوتی ہوں تو اب مسافر فکر مند نہیں ہوگا کہ اگر ایک گاڑی نہ ملی تو دوسری گاڑی مل جائے گی، لیکن اگر لاہور جانے کیلئے صرف ایک ہی گاڑی روانہ ہوتی ہو تو اب فکر زیادہ ہوگی کہ کہیں گاڑی نہ نکل جائے۔ تو اسی طرح تمام شیطانی مضر توتوں سے بچنے کا سبب ایک اللہ ہی کی ذات ہے اور تعوذ میں اسی ذات باری تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا ذکر ہے اس لئے تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کیا ہے۔

پانچویں بحث: تعوذ کے الفاظ کے متعلق

جمہور اہل علم کے ہاں تعوذ میں ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ کے الفاظ پڑھنا اولیٰ ہے۔

علامہ محمد بن محمد المعروف ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) نے چھ (۶) وجوہات نقل کی ہیں اس بات پر کہ ان الفاظ کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

۱..... تمام قراء کے ہاں تعوذ میں مختار و پسندیدہ الفاظ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ ہیں۔ یہ الفاظ سورۃ النحل کی آیت قرآنیہ ”فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ میں وارد شدہ الفاظ کے موافق ہیں۔

۲..... استاذ ابوظاہر ابن سوار رحمہ اللہ اور ابوالعز قلنسی رحمہ اللہ نے انہی الفاظ پر اہل علم کا اتفاق نقل کیا ہے۔

۳..... ابوالحسن سخاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”جمال القراء“ میں لکھتے ہیں:

جن الفاظ پر امت کا اجماع ہے وہ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ ہے۔

۴..... حافظ ابو عمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حذاق و ماہرین اہل اداء کے ہاں یہی

الفاظ مروج و مستعمل ہیں۔

۵..... امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور دیگر فقہاء کے ہاں بھی انہی الفاظ کا

پڑھنا اولیٰ ہے۔

۶..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی الفاظ کے ساتھ تصریح وارد ہے۔ چنانچہ سلیمان بن سرد رضی اللہ عنہ سے بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص ایک دوسرے کو برا کہنے لگے اور لڑنے جھگڑنے لگے، اور ہم اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے ان میں سے ایک نہایت غصے کی حالت میں تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو جو کچھ شدت غضب میں وہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے وہ دور ہو جائے وہ الفاظ یہ ہیں:

سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدْ أَحْمَرَ وَجْهَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ- (۱)

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

المختار لجميع القراء من حيث الرواية أعوذ بالله من الشيطان الرجيم كما ورد في سورة النحل فقد حكى الأستاذ أبو طاهر ابن سوار وأبو العز القلانسي وغيرهما الاتفاق على هذا اللفظ بعينه، وقال الإمام أبو الحسن السخاوي في كتابه جمال القراء إن الذي عليه إجماع الأمة هو: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم- وقال الحافظ أبو عمرو الداني أنه هو المستعمل عند الحذاق دون غيره، وهو المأخوذ به عند عامة الفقهاء: كالشافعي وأبي حنيفة وأحمد وغيرهم، وقد ورد النص بذلك عن النبي صلى الله عليه

(۱) صحيح البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج ۸ ص ۲۸، رقم الحدیث: ۶۱۱۵

وسلم، ففي الصحيحين من حديث سليمان بن صرد رضي الله عنه قال: استب رجلان عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن عنده جلوس وأحدهما يسب صاحبه مغضباً قد احمر وجهه. فقال النبي صلى الله عليه وسلم أنى لأعلم كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجده لو قال أعوذ بالله من الشيطان الرجيم^(۱)۔

۱..... علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور کے ہاں استعاذہ میں وہ الفاظ پڑھنا اولیٰ ہیں جن کا ثبوت قرآن کریم سے ہے:

أما لفظ الاستعاذة فالذى عليه جمهور الناس هو لفظ كتاب الله تعالى أعوذ بالله من الشيطان الرجيم^(۲)۔

۲..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں تعوذ میں ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھنا اولیٰ ہے اس لئے کہ یہ کتاب اللہ کے الفاظ ہیں:

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، وهذا اللفظ هو الذى عليه الجمهور من العلماء فى التعوذ لأنه لفظ كتاب الله تعالى^(۳)۔

۳..... علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ وہ الفاظ پڑھنے چاہئیں جو مشہور اور قرآن کریم کی آیت کے موافق ہوں:

اللفظ المشهور لموافقة قوله تعالى فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ^(۴)۔

(۱) النشر فى القراءات العشر، باب اختلافهم فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۴۳

(۲) المحرر الوجيز فى تفسير الكتاب العزيز: باب القول فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۵۸

(۳) تفسير القرطبي: القول فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۶

(۴) الدر المصون فى علوم الكتاب المكنون: ج ۱ ص ۷

۴..... علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور قراء اور اہل علم کے ہاں ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ کے الفاظ پڑھنا بہتر ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعاذہ کے متعلق مروی تمام روایات میں تطبیق ہو جائے:

وكيفية الاستعاذة عند الجمهور من القراء وغيرهم أعوذ بالله من
الشیطان الرجیم لتظافر الروایات علی أنه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كان يستعید كذلك- (۱)

۵..... علامہ سراج الدین حسینی فرماتے ہیں کہ جمہور قراء اور محدثین کے ہاں قراءت سے پہلے تعوذ میں یہ الفاظ پڑھنا بہتر ہے:

ذهب الجمهور من القراء والمحدثين وغيرهم إلى كيفية التعوذ
قبل القراءة هي أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ- (۲)

۶..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہری شافعی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ اور جمہور اہل علم کے ہاں تعوذ میں ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ کے الفاظ پڑھنا اولیٰ اور پسندیدہ ہے، تاکہ قرآن کریم کی آیت کی موافقت ہو جائے:

فالمختار في لفظها عند الجمهور أعوذ بالله من الشيطان الرجيم
لموافقة قوله تعالى فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ وبه قال أبو حنيفة والشافعي- (۳)

(۱) روح المعانی: سورة النحل، آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۷ ص ۶۶۳

(۲) حول تفسیر سورة الفاتحة أم القرآن الکریم: ص ۱۲

(۳) حدائق الروح والریحان: ج ۱ ص ۱۳، الناشر: دار المنہاج

چھٹی بحث: تعوذ کے معنی کے بارے میں

أَعُوذُ: یہ عاذ یعوذ سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، اس کا مصدر العوذ ہے جس کا معنی ”الالتجاء لدفع المضرّة“ تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، اس کا مقابل لوز ہے اس کا معنی ”الالتجاء لجلب المنفعة“ ہے، فائدہ حاصل کرنے کی درخواست کرنا، چنانچہ متنبی نے یہ دونوں الفاظ اپنے ایک شعر میں جمع کئے ہیں:

يا من الوذ به فيما أومله ومن أعوذ به ممن أحاذره

میں اپنی امیدوں میں مدوح سے درخواست کرتا ہوں اور ان تمام چیزوں سے
پناہ چاہتا ہوں جو میرے لئے خطرات کا باعث ہوں۔

امید کے موقع پر اللوذ اور خوف کے موقع پر العوذ استعمال ہوتا ہے۔

۱..... امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) تعوذ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ ”استعاذہ“ کا معنی لغت عرب میں پناہ مانگنا اور کسی چیز کے سہارے سمٹ کر تکلیف سے محفوظ ہونا ہے:

معنى الاستعاذة فى كلام العرب: الاستجارة والتحيز إلى الشئىء،

على معنى الامتناع به من المكروه۔^(۱)

۲... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) تعوذ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں

کہ تعوذ کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعے پناہ لیتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم کیا گیا ہے ایسا نہ ہو کہ مجھے

ان سے روک دے، اور جن افعال سے مجھے روکا گیا ہے ان پر وہ مجھے ابھاردے:

ومعنى أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، أى: أستجير بجناب الله

(۱) تفسیر القرطبی: القول فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۷

من الشيطان الرجيم ان يضرنى فى دينى او دنياى، او يصدنى

عن فعل ما امرت به، او يحثنى على فعل ما نهيت عنه۔ (۱)

تعوذ دُعا کے معنی میں ہے

علامہ ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) فرماتے ہیں تعوذ دعاء کے معنی میں

ہے اگرچہ خبر کے لفظ کے ساتھ ہے:

انها فى معنى الدعاء، وإن كانت بلفظ الخبر۔ (۲)

فعل مضارع کا اصل معنی

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”أَعُوذُ“، فعل

مضارع ہے یہ حال اور استقبال دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے، کیا اس کا استعمال دونوں میں

حقیقت ہے؟ حق بات یہ ہے کہ فعل مضارع کا حال کے معنی میں استعمال ہونا حقیقت ہے

جب کہ مستقبل کے معنی میں استعمال ہونا مجاز ہے:

أعوذ فعل مضارع، وهو يصلح للحال والاستقبال، فهل هو حقيقة

فيهما؟ والحق أنه حقيقة فى الحال مجاز فى الاستقبال۔ (۳)

نوٹ: لفظ ”اللہ“ کے متعلق بحث تسمیہ کے ذیل میں آئے گی ان شاء اللہ

ساتویں بحث: تعوذ کے وقت کے بارے میں

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائے گا۔

..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ پڑھنے کا حکم

(۱) تفسیر ابن کثیر: الکلام على تفسیر الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۹

(۲) النکت والعیون: مقدمة، ج ۱ ص ۴۳ (۳) التفسیر الكبير: الباب السابع، ج ۱ ص ۹۵

دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں تو تعویذ پڑھ لیا کریں:

أمر الله تعالى بالاستعاذة عند أول كل قراءة فقال تعالى: فَإِذَا
قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ أَي إِذَا أَرَدْتَ أَنْ
تَقْرَأَ- (۱)

۲..... علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

جمہور امت کے نزدیک سلفاً و خلفاً، سنت اور آثار صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ
تعویذ قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا:

أن السنة وآثار الصحابة إنما جاءت بالاستعاذة قبل الشروع في
القراءة وهو قول جمهور الأمة من السلف والخلف- (۲)

۳..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

جمہور علماء کے ہاں تعویذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائے گا و سواں کو دفع کرنے کے
لئے، تو ان علماء کے ہاں آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم قراءت کا ارادہ کرو تو تعویذ پڑھ لو:

والمشهور الذي عليه الجمهور أن الاستعاذة لدفع الوسواس فيها،
إنما تكون قبل التلاوة، ومعنى الآية عندهم: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ
أَي: إِذَا أَرَدْتَ الْقِرَاءَةَ- (۳)

۴..... علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے ہیں

کہ اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تعویذ کو قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا:

(۱) تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۶

(۲) إغاثة اللفهان من مصائد الشيطان: الباب الثاني عشر، ص ۹۲

(۳) تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۶

ان الأكثر من علماء الصحابة والتابعين قد اتفقوا على أن

الاستعاذة متقدمة على القراءة۔ (۱)

۵..... علامہ محمد طاہر ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ تعوذ پڑھنا

شریعت میں قراءت کے شروع میں مشروع ہے:

فلا استعاذة مشروعة للشروع في القراءة۔ (۲)

۶... علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک تعوذ قراءت

سے پہلے پڑھا جائے گا چاہے نماز میں ہو یا اس کے علاوہ ہو:

اما وقتها فهو قبل القراءة عند الجمهور سواء كان في الصلاة او

خارجها۔ (۳)

۷..... شیخ وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں کہ استعاذہ کا سبب شیطان کے وساوس کو دفع کرنا

ہے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو قراءت سے پہلے پڑھا جائے:

إن سبب الاستعاذة وهو دفع وسوسة الشيطان يقتضى تقديم

الاستعاذة قبل القراءة۔ (۴)

آٹھویں بحث: تعوذ کا حکم

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے۔

۱..... علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع

ہے اس بات پر کہ تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے:

(۱) حاشیة محی الدین شیخ زادة علی تفسیر البیضاوی: ج ۵ ص ۲۲۳

(۲) التحریر والتنویر: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۱۳ ص ۲۷۸

(۳) حدائق الروح والریحان: ج ۱ ص ۱۴

(۴) التفسیر المنیر: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت ج ۱۳ ص ۲۳۳

والاستعاذة ندب عند الجميع۔^(۱)

۲..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں آیت میں صیغہ امر جمہور علماء کے ہاں استحباب کے لئے ہے:

هذا الأمر على الندب في قول الجمهور۔^(۲)

۳..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے:

وجمهور العلماء على أن الاستعاذة مستحبة۔^(۳)

۴..... علامہ ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں قراءت میں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے، ہر حال میں چاہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ ہو:

ذهب الجمهور إلى أن الاستعاذة مستحبة في القراءة في كل حال،

في الصلاة وخارج الصلاة۔^(۴)

۵..... قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

والأمر للندب وهذا من مذهب الجمهور۔^(۵)

۶..... علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے ہاں آیت میں صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

(۱) المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز: سورة النحل آيت نمبر ۹۸ کے تحت ج ۳ ص ۲۲۰

(۲) تفسير القرطبي: القول في الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۶

(۳) تفسير ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۸

(۴) النشر في القراءات العشر: باب اختلافهم في الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۵۷

(۵) تفسير أبي السعود: سورة النحل آيت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۵ ص ۱۴۰

وقال كثير من اهل العلم أن الأمر في الآية للندب والاستحباب۔^(۱)
 ۷..... علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ آیت میں صیغہ امر جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہے:

ومحمل الأمر في هذه الآية عند الجمهور على الندب۔^(۲)
 ۸..... علامہ وھبۃ الزھیلی فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

والأمر بها أمر ندب بإجماع العلماء۔^(۳)

افتتاح کلام میں تعوذ پڑھنے کا حکم

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:
 اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت کرے تو اس سے قبل تعوذ پڑھے اس لئے کہ قرآن کریم میں بوقت قراءت تعوذ پڑھنے کا حکم ہے، لیکن اگر کوئی کلام کا افتتاح کرے جیسے شاگرد استاذ کے سامنے پڑھے تو اس سے پہلے تعوذ کو نہ پڑھے اس لئے کہ وہ قراءت کا ارادہ نہیں کر رہا ہے:

فَإِنْ أَرَادَ بِهِ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ يَتَعَوَّذُ قَبْلَهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ، وَإِنْ أَرَادَ افْتِتَاحَ الْكَلَامِ كَمَا يَقْرَأُ التَّلْمِيزُ عَلَى الْأُسْتَاذِ لَا يَتَعَوَّذُ قَبْلَهُ لِأَنَّهُ لَا يُرِيدُ بِهِ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ۔^(۴)

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ شریعت نے استعاذہ کو مشروع قرار دیا ہے قراءت یا اس کے ارادے کے وقت۔ ہر مرتبہ قرآن کے الفاظ کے

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۲ ص ۲۴۳

(۲) التحرير والتنوير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۱۲ ص ۲۷۷

(۳) التفسير المنير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۱۲ ص ۲۴۳

(۴) منحة الخالق على البحر الرائق: كتاب الصلاة، آداب الصلاة، ج ۱ ص ۳۲۹

تلفظ کرتے وقت چاہے ایک آیت کی صورت میں یا چند آیات کی صورت میں، تعلیم یا وعظ یا ان کے مشابہ کسی اور غرض کے لئے ہو تو تعویذ کا پڑھنا مشروع نہیں ہے، تعویذ بوقت تلاوت مشروع ہے:

فلاستعاذة مشروع للشرع في القراءة أو لإرادته وليست مشروع عند كل تلفظ بألفاظ القرآن كالنطق بآية أو آيات من القرآن في التعليم أو الموعظة أو شبههما- (۱)

نویں بحث: لفظ ”شیطان“ کی تحقیق

”شطن يشطن شیطانا“ میں لفظ نون اصل کلمے میں سے ہوگا یا زائد ہوگا، اگر اصل ہو تو اس صورت میں شطن بمعنی بعد کے ہوگا، لأن الشيطان بعيد من الملاء الأعلى، بعيد من رحمة الله، بعيد من محبة الإنسان۔ لفظ ”شیطان“ کے مادے کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ لفظ ”شیطان“ شطن سے مشتق ہے اور دوسرا یہ ”شاط“ سے مشتق ہے۔ دونوں قول درج ذیل ہیں:

..... امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

الشیطان النون فيه أصلية وهو من شطن: ای تباعد۔ (۲)

لفظ شیطان میں نون اصلیہ ہے اور وہ ”شطن“ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ دور ہوا۔ لغت عرب میں کہا جاتا ہے ”غُرْبَةٌ شَطُونٌ“ (دور کی مسافری) امیہ بن ابی صلت، نابغہ ذبیانی اور سیبویہ نے یہ مادہ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں ”تَشَطَّنَ فُلَانٌ“ (کہ فلان نے شیطان فی فعل کیا) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحیح

(۱) التحریر والتنویر: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۱۳ ص ۲۷۸

(۲) المفردات فی غریب القرآن: کتاب الشین، شطن، ص ۲۵۳

یہی ہے کہ شیطان ”بعد“ کا معنی رکھتا ہے اور اسی پر کلام عرب کی بھی دلالت ہے۔

۲..... امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے دوسرا قول بھی بیان کیا ہے:

قیل: بل النون فیہ زائدة من شاط یشیط: احترق غضبا،

فالشیطان مخلوق من النار کما دل علیہ قوله تعالیٰ: وَخَلَقَ الْجَانَّ

مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۔^(۱)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ شیطان میں نون زائدہ ہے اور یہ شاط یشیط سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے ”غصے میں جلنا“ ہے کیونکہ شیطان آگ کی مخلوق ہے۔ جیسا کہ اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے (اور جنات کو پیدا فرمایا آگ کے شعلے سے)۔

اس معنی کے لحاظ سے شیطان حسد، بغض اور عناد سے عبارت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلے مادہ اشتقاق کی بناء پر شیطان رحمت حق اور نیکی سے دوری پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے مادہ اشتقاق کی بناء پر شیطان غصہ و حسد، بغض و عناد اور تکبر و نخوت کی آگ پر دلالت کرتا ہے۔

اگر لفظ نون زائدہ ہو تو اس کی اصل ”شاط“ ہوگی اس صورت میں بمعنی ”احترق“ یعنی جلنا، لأن الشیطن یحترق من الإنسان حسدا۔

۱... امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ”شیطان“ مفرد ہے جس کی جمع تفسیر ”شیاطین“ ہے۔ اس میں نون اصلی ہے کیوں کہ یہ ”شطن“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی خیر سے دور ہونا ہے، کہا جاتا ہے: شَطَنَتْ دَارُهُ: اَیْ بَعْدَتْ (اس کا گھر دور ہے):

الشیطان واتحد الشیاطین، علی التکسیر والنون أصلیة، لأنه من

شطن إذا بعد عن الخیر وشطنت دارة ای بعدت۔^(۲)

(۱) المفردات فی غریب القرآن: کتاب الشین، شطن، ص ۳۵۳

(۲) تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذة، ج ۱ ص ۹۵

۲..... علامہ سمین حلبي رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک لفظ شیطان ”شطن یشطن“ بمعنی ”بعد“ سے مشتق ہے اس لئے کہ شیطان اللہ کی رحمت سے دور ہے:

فقال جمہورہم: ہو مشتق من شطن یشطن لأنه بعید من رحمة اللہ۔ (۱)

۳..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”شیطان“ لغت عرب میں ”شطن“ سے مشتق ہے اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں، چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے، اور اپنے فسق کے سبب ہر بھلائی کے کام سے دور ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ”شاط“ سے مشتق ہے، اس لئے کہ یہ آگ سے پیدا شدہ ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے دونوں معنی صحیح ہیں لیکن اول معنی اصح ہے:

والشیطان فی لغة العرب مشتق من شَطَنَ إذا بعد، فهو بعید بطبعه عن طباع البشر، وبعید بفسقه عن کل خیر، وقیل: مشتق من شاط لأنه مخلوق من نار، ومنهم من یقول: کلاهما صحیح فی المعنی، ولكن الأول اصح۔ (۲)

۴..... علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ لفظ شیطان اسم جامد ہے:

وعندی أنه اسم جامد۔ (۳)

(۱) الدر المصون فی علوم الكتاب المکنون: ج ۱ ص ۱۰

(۲) تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذة: ج ۱ ص ۳۰

(۳) التحریر والتنویر: سورة البقرة آیت نمبر ۱۴ کے تحت، ج ۱ ص ۲۹۱

ابلیس شیطان کیسے بنا

قرآن مجید کے بیانات سے ابلیس کے شیطان بننے کے تین اسباب معلوم ہوتے ہیں:
۱..... حکم الہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے اس نے اپنے عمل کی بنیاد ذاتی مشاہدے اور دلیل پر رکھی۔

۲..... اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت کو تنقیصِ نبوت کی بنیاد بنایا اور اپنا موازنہ پیکرِ نبوت سے کرنے لگا۔

۳... اس نے عظمت و فضیلتِ نبوت سے حسد کیا اور حسد و تکبر کی بنا پر اس کا منکر ہوا۔

شیطانی شرکی تین صورتیں

شیطانی شرکی عموماً تین صورتیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱..... وسوسہ اندازی ۲..... جادو ۳..... حسد

پہلی صورت دل میں کوئی خیال یا وسوسہ ڈال کر کسی غلط کام کے لئے اکسانا ہے، جھوٹی افواہیں بھی اس قبیل سے ہیں اسی سے افراد کے درمیان غلط فہمیاں، عداوتیں اور نفرتیں جنم لیتی ہیں۔ اس کا ذکر قرآن میں یوں آتا ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (الاعراف: ۲۰)

پھر شیطان نے دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

اسی طرح سورہ ناس میں فرمایا گیا ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ (الناس)

وسوسہ انداز (شیطان) کے شر سے جو (اللہ کے ذکر کے اثر سے) پیچھے ہٹ کر

چھپ جانے والا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ (وسوسہ

انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

ہماری سوسائٹی میں اس کی عملی مثال کسی کے خلاف شراٹنگیز اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنا ہے، جو کئی لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے اکثر کرتے رہتے ہیں۔

دوسری صورت جادو کے شرکی ہے، یہ بھی شیاطین کا کام ہے، اسے اسلام نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَتَى سَاحِرًا أَوْ كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا
أُنزِلَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔^(۱)

جو شخص کسی جادوگر یا قسمت کا حال بتانے والے کے پاس گیا اور اس نے اس بات کو سچ جانا جو کچھ اس نے کہا، پس اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ہدایت سے کفر کیا۔

اس لئے قرآن نے جادو کے شر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم صادر فرمایا ہے:

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۗ (الفلق)

اور ان کے جانوں کے شر سے جو (گنڈے کی) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر تکلیف اور مصیبت کو جادو یا جنات کے اثرات کی طرف منسوب کر دیا جائے، ایسا خیال جہالت کے باعث ذہنوں میں آتا ہے۔

تیسری صورت حسد کے شرکی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۗ (الفلق)

اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

(۱) السنن الکبری للبیہقی: کتاب القسامۃ، باب تکفیر الساحر وقتلہ، ج ۸ ص ۲۳۳، رقم

حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے کے لئے ایک جملے میں چھ تاکیدات
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان نے حضرت آدم
وحواء علیہما السلام کو بہکانے کے لئے ایک جملے میں چھ (۶) تاکیدات استعمال کیں:

وَقَالَسَهُمَا إِيَّيْ لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ﴿۱﴾ (الاعراف)

۱..... پہلی تاکید یہ ہے کہ قسم کھا کر کہنے لگا میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

۲..... ”إِنَّ“ حرف مشبہ بالفعل لایا۔

۳..... ”لَكُمَا“ میں معمول کو عامل پر مقدم کیا اختصاص کے لئے۔ یعنی میری نصیحت تم

دونوں کے ساتھ خاص ہے اور تمہارا اس میں فائدہ ہے میرا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۴..... ”الْنَّاصِحِينَ“ صیغہ اسم فاعل کے ذریعے ثبوت اور دوام کی طرف اشارہ کیا،

فعل ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ تجدد پر دلالت کرتا ہے، اس میں استمرار اور دوام کا معنی نہیں ہوتا۔

۵..... ”لَكُمَا“ جو جواب قسم ہے اس پر لام تاکید داخل کیا۔

۶..... ”الْنَّاصِحِينَ“ لا کر اپنے آپ کو ناصح شمار کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ

ہوں۔ یعنی تمہارے بہت سے خیر خواہ ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں:

فتضمن هذا الخبر أنواعا من التأكيد: أحدها: تأكيداً بالقسم،

الثاني: تأكيداً بإن، الثالث: تقديم المفعول على العامل إيذاناً

بالاختصاص أي نصيحتي مختصة بكما وفائدتها إليكما لا إلي،

الرابع: إتيانه باسم الفاعل على الثبوت واللزوم دون الفعل الدال

على التجدد، الخامس: إتيانه بلام التأكيد في جواب القسم،

السادس: أنه صور نفسه لهما ناصحاً من جملة الناصحين فكأنه قال

لهما: الناصحون لكما في ذلك كثير وأنا واحد منهم- (۱)

ابلیس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کیجئے
علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

ابلیس نے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کے لئے
منتخب کیا اور آپ سے ہم کلام ہوئے، میں بھی خدا کی مخلوق میں شامل ہوں اور مجھ سے ایک
گناہ سرزد ہو گیا اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں، آپ پروردگار عزوجل کے ہاں میری سفارش
کیجئے کہ میری توبہ قبول کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی، پس کہا
گیا اے موسیٰ! ہم نے تمہاری دعا قبول کی لیکن اس سے کہو کہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام شیطان سے ملے اور کہا مجھے یہ ارشاد ہوا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام
کی قبر کو سجدہ کرو تو تمہاری توبہ قبول ہو جائے گی، تو شیطان نے انکار کیا اور غصے میں آ کر کہنے
لگا جب میں نے آدم کو ان کی زندگی میں سجدہ نہیں کیا تو اب مرنے کے بعد کیسے سجدہ کروں؟

ولقی ابلیس موسیٰ علیہ السلام فقال یا موسیٰ انت الذی اصطفاک
اللہ برسالتہ وکلمک تکلیما وانا من خلق اللہ تعالیٰ اذنبت وارید
ان اتوب فاشفع لی الی ربی عز وجل ان یتوب علی فدعا موسی
ربہ فقیل یا موسیٰ قد قضیت حاجتک فلقی موسیٰ ابلیس فقال له
قد امرت ان تسجد لقبر آدم ویتاب علیک فاستکبر وغضب وقال

لم اسجد له حیا اسجد له میتا؟^(۱)

دسویں بحث: لفظ رجیم کی تحقیق

لفظ ”رجیم“ رجام سے مشتق ہے، رجیم بروزن فعلیل بمعنی مفعول کے ہے وہ جس
کو پتھروں سے مارا جائے، یہ اظہار نفرت کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ مردود سے
کرتے ہیں۔

لفظ ”الرجیم“ جس کا مادہ رجم ہے، الرجام پتھر کو کہا جاتا ہے۔ بناء بریں ”الرمی بالرجام“ (پتھروں سے مارنا) کے معنی میں مستعمل ہے۔ جس پر پتھراؤ کیا گیا ہو اسے ”مرجوم“ کہتے ہیں۔ قرآن میں مذکور ہے کہ قوم نوح نے تبلیغ حق کا انکار کرتے ہوئے کہا:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهَیْنَا عَنْ سُلُوْکِ الَّذِیْنَ نَحْسِبُ اَنْ یَّجْرِمُوْا عَلَیْہِمْ سُلُوْکَہُمْ لَکُنَّا مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ (الشعراء)

وہ بولے اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ زَیَّتْنَا السَّمٰوٰتِ الدُّنْیَا بِصٰیِحِّحٍ وَ جَعَلْنٰہَا رُجُوْمًا لِّلشَّیْطٰنِیْنَ (الملک: ۵)

اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چرانگوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

”الرجیم“ دراصل فعیل کے وزن پر اسم مفعول ہے جو ”مرجوم“ یعنی ”مطروود عن الخیر“ (خیر اور نیکی سے بھگایا ہوا یا محروم کیا ہوا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ”الرجیم“ کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اسم فاعل کے طور پر راجم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:

لأنه یرجم الناس بالوساوس۔

کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے:

الَّذِیْ یُوسُوْسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۱۰۱﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۱۰۲﴾ (الناس)

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات

میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

لہذا ”الرجیم“ کے دونوں معنی ”خیر اور نیکی سے دور بھگایا ہوا“ اور ”وسوسہ اندازی کرنے والا“ قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

”رجیم“ سے مراد وہ شخص ہے جسے ذلیل کر کے بھلائی سے دور ہٹا دیا جائے۔
 ”رجیم“ کا اصل معنی پتھر مارنا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”رَجَمْتُهُ أَرْجَمُهُ“ میں نے اسے
 پتھر مارا، اور میں اسے پتھر مارتا ہوں ”فَهُوَ رَجِيمٌ مَرَّجُومٌ“

الرجيم أي المبعد من الخير المهان، وأصل الرجم الرمي

بالحجارة، وقد رجمته أرحمه، فهو رجيم ومرجوم- (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے دو قول نقل کئے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ
 رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے، دوسرا قول رجیم بمعنی راجم کے ہے، لیکن حافظ ابن
 کثیر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”رجیم“، فعیل کے وزن
 پر بمعنی مفعول کے ہے، یعنی وہ جس کو پتھروں سے مارا جائے اور جو تمام خیر کے کاموں سے
 دھتکارا ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت
 دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ اس آیت میں ”رجیم“ مفعول کے معنی میں ہی
 استعمال ہوا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ”رجیم“ بمعنی ”راجم“ کے ہے اس لئے کہ شیطان لوگوں کو
 وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے۔ پہلا قول زیادہ مشہور اور اصح ہے:

الرجيم: فعيل بمعنی مفعول، ای: إنه مرجوم مطرود عن الخير

كله، كما قال تعالى: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا

رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وقيل: رجيم بمعنی راجم لأنه يرمي الناس

بالوسوس والربائث، والأول أشهر واصح- (۲)

(۱) تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذة، ج ۱ ص ۹۰

(۲) تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذة، ج ۱ ص ۳۱

”الشیطان الرجیم“ کے معنوی اطلاقات

یہ امر متفق علیہ ہے کہ استعاذہ یا تعوذ شیطان رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اس کے بل جانے کی امید کا نام ہے، اب یہ پہلو غور طلب ہے کہ ”الشیطان الرجیم“ کا معنوی اطلاق کس پر ہوتا ہے۔

پہلا اطلاق: ابلیس (فردِ خاص)

”الشیطان الرجیم“ کا پہلا اور معروف اطلاق ایک مخصوص فرد پر ہوتا ہے۔ جس کا تعلق گروہ جنات سے ہے اور اس کا نام ابلیس ہے، اسی کو عرف عام میں شیطان کہتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے، غالباً سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف میں ہے۔ ابلیس کے شیطان قرار پانے کی وجہ قرآن خود بیان کرتا ہے:

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۗ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ۗ لَمْ یَّكُنْ مِنَ السَّٰجِدِیْنَ ۝۱۰۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۗ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۗ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ۝۱۰۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّٰغِرِیْنَ ۝۱۰۳ (الاعراف)

ترجمہ: پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ ارشاد ہوا (اے ابلیس!) تجھے کس بات نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا، جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے، ارشاد ہوا پس تو یہاں سے اتر جا تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے، پس میری بارگاہ سے نکل جا، بے شک تو ذلیل و خوار لوگوں میں سے ہے۔

اس سے آگے پھر ارشاد ہوتا ہے :

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ (الأعراف: ۱۸)

ترجمہ: (اے ابلیس!) تو ذلیل و مردود ہو کر نکل جا۔

سورہ حجر میں اسی واقعے پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلیق آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ شَأْوِحِي فَفَعَعُوا لَهُ سُجُودًا ۝ فَسَجَدَ الْمَلَكَةُ
كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّا إِبْلِيسَ ۝ أَبَىٰ أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ
يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ
خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَاجِعٌ
وَإِنْ عَلَيْكَ اللَّعْنَةُ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ
يُبْعَثُونَ ۝ (الحجر)

ترجمہ: لہذا جب میں اس کو پوری طرح بنا لوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ پس سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ نے) ارشاد فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہو۔ (ابلیس نے) کہا میں ہرگز ایسا نہیں (کر سکتا) کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (اللہ نے) فرمایا: تو یہاں سے نکل جا پس بے شک تو مردود (رانندہ درگاہ) ہے۔ اور بے شک تجھ پر روز جزا تک لعنت (پڑتی) رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلعتِ خلافت و نبوت سے سرفراز کر کے ان کی فضیلت و عظمت کا سر عام اعتراف کرنے کے لئے سجدہ تعظیسی کا حکم صادر فرمایا، جسے تمام ملائکہ نے بلا تامل تسلیم کر لیا۔ لیکن ابلیس عظمتِ آدم کے سامنے سر بسجود ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بلکہ اس نے اپنے انکار کا یہ جواز پیش کیا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ سورہ اعراف

اور سورہ حجر کے دونوں مقامات پر یہ صراحت سے مذکور ہے، کہا ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے ان کی فضیلت سے انکار کر دیا جس پر وہ غضب الہی کا مستحق قرار پایا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ ایک بشر جس کی تشکیل مٹی کے گارے سے ہوئی ہے مجھ سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ بارگاہ الوہیت میں یہی دلیل اس کے ملعون ہونے کا باعث بنی۔ حالانکہ بشریتِ آدم اور اس کی تشکیل کا ذکر کم و بیش اسی انداز میں اللہ تعالیٰ نے پہلے خود ہی فرما دیا تھا:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلٰوٰتٍ مِّنْ حَمَآءٍ

مَسْنُوٰنٍ ﴿۱۱﴾ (الحجر)

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گارے کی کھنکاتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کی تخلیق کا ذکر اس انداز میں کرنا محض اظہار مقصود کے لئے تھا۔ اس میں تنقیص نہ تھی جب کہ ابلیس بشریتِ آدم کا ذکر صرف انکارِ فضیلتِ آدم کی دلیل کے طور پر کر رہا تھا، اس کا مقصد بجائے اعترافِ عظمت کے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اپنا موازنہ تھا۔ یہ پہلو تنقیصِ نبوت کی طرف راجع تھا، اور اس کی یہی سوچ حکم الہی سے انحراف کی بنیاد بنی۔ جس پر اسے ابد الابد تک کے لئے رحمت الہیہ سے دور، قرب ایزدی سے محروم اور بارگاہ ربوبیت سے ملعون کر دیا گیا، اور قرآنی ارشاد کے مطابق وہ شیطانِ رجیم کا مصداقِ اتم قرار پا کر ہمیشہ کے لئے لعنت کا مستحق قرار پایا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے ”الشیطان“ اور ”الرجیم“ کے القاب سے یاد کیا۔ کیونکہ لفظ شیطان اپنے ایک معنی کے اعتبار سے دوری پر دلالت کرتا ہے، اس لئے ابلیس کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ تنقیصِ نبوت اور حکم الہی سے تمرد و انحراف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہِ عافیت سے دور کر دیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ اپنے دوسرے معنی کے اعتبار سے حسد و عداوت کی آگ میں جلنے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس لئے شیطان کہا گیا ہے کیونکہ وہ عظمت و فضیلت

آدم اور منصب نبوت کی رفعت و سطوت دیکھ کر حسد و عداوت کی آگ میں جل اٹھا۔ یہاں تک کہ باری تعالیٰ کے حکم سے بھی کھلی بغاوت پر تل گیا، چنانچہ یہ دونوں الفاظ ابلیس کے لئے قرآن حکیم میں متفرق طور پر بھی اور اکٹھے بھی استعمال ہوئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ شَارِحِيمٍ ﴿۱۰۳﴾ (التکویر)

ترجمہ: اور نہ یہ (قرآن) کسی مرد و شیطان کی (بنائی ہوئی) کوئی بات ہے۔

دوسرا اطلاق

دوسرا اطلاق نوع انسانی اور جنات کے ان تمام افراد پر ہوتا ہے جو اپنے فکر و عمل کے اعتبار سے شیطنیت کے مظاہر ہیں۔ شیطنیت اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے حسد و عداوت، بغض و عناد، فتنہ و شر اور وسوسہ اندازی کی تمام صورتوں کو محیط ہے۔ اس لئے وہ تمام افراد جو ایسے خصائل ذمیسہ سے متصف ہو کر مخلوق خدا کو مصائب و آلام، فتنہ و شر اور وسوسہ و تفرقہ کی آگ میں جھونکتے پھرتے ہوں، ان کے شر سے پناہ مانگی جائے۔ قرآن حکیم جنات اور انسانوں دونوں طبقات میں سے ایسے افراد کو شیطان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحى بَعْضُهُمْ

إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ﴿۱۱۲﴾ (الأنعام)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنا دیا جو ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی (چکنی چیز) باتیں (وسوسہ کے طور پر) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے رہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کفر و طاغوت کے ان علمبرداروں کو بھی شیطان کہتا ہے جو ہمہ وقت

اہل ایمان کے اغواء و اضلال میں مصروف رہتے ہیں:

وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَاطِئِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ ۖ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۱۳﴾ (البقرة)

ترجمہ: اور جب (وہ منافق) اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں سے تہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ہم (مسلمانوں کا تو) محض مذاق اڑاتے ہیں۔ دوسرے اطلاق کے اعتبار سے شیطان متعدد افراد کا لقب ہے۔ جو ہر وقت انسانوں کو حق و صواب اور امن و آشتی سے محروم کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ قرآن حکیم ان کے اس منصوبے کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُؤْحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۗ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۱۱﴾ (الأنعام)

ترجمہ: اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

ارکان استعاذہ

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ تعوذ کے پانچ ارکان ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱..... الاستعاذہ: اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے بارگاہ ربوبیت میں تعوذ کیا جاتا ہے۔

۲..... المستعید: اس سے مراد وہ شخص ہے جو استعاذہ کرتا ہے یعنی بارگاہ ربوبیت میں پناہ کا طلب گار ہوتا ہے وہ اعوذ کا فاعل ہے۔

۳..... المستعاذ بہ: اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، جس کی پناہ طلب کی جاتی ہے، ان کلمات میں لفظ اللہ اعوذ کا مفعول بہ ہے۔

۴..... المستعاذ منہ: اس سے مراد شیطان رجیم ہے جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔

۵..... اجل الاستعاذہ: اس سے مراد استعاذہ کی حکمت اور غرض و غایت ہے، جس کی

خاطر خدا کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ یعنی شیطان کا وہ خاص شر جس سے محفوظ و مامون ہونے کے لئے تعویذ پڑھا جاتا ہے۔^(۱)

گیارہویں بحث: تعویذ میں کل چار چیزیں ہیں

۱..... مستعید ۲..... مستعاذہ ۳..... مستعاز منہ ۴..... مستعازلہ

”اعوذ“ میں مستعید کا بیان ہے، ”باللہ“ میں مستعاذہ کا بیان ہے۔

”الشیطان“ میں مستعاز منہ کا بیان ہے۔

مستعازلہ کے ذکر نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

مستعازلہ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ شیطان کی عداوت میں مبالغہ کا اظہار مقصود ہے، نیز شیطان کی دشمنی اولادِ آدم کے ساتھ عداوتِ کاملہ ہے جبکہ باقی اعداء کی عداوتِ عداوتِ ناقصہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ استعاذہ کے فوائد میں سے ہے کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے جو منہ میں ناپاکی پیدا ہو جاتی ہے استعاذہ کے ذریعے وہ دور ہو جاتی ہے، اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرت کا اعتراف کرنا ہے:

ومن لطائف الاستعاذة أنها طهارة للفم مما كان يتعاطاه من اللغو

والرفث، وتطيب له وتهيو لتلاوة كلام الله وهي استعاذة بالله

واعتراف له بالقدرة۔^(۲)

شیطان کے علاوہ باقی دشمنوں میں مضرت کے ساتھ منفعت کا بھی پہلو ہے جبکہ شیطان مجسمہ مضرت ہے، اس لئے قرآن میں ”عدو“ کے ساتھ لفظ ”مبین“ بھی آیا ہے، شیطان کے علاوہ انسان کا کوئی ایسا دشمن نہیں جس میں کوئی منفعت کا پہلو نہ ہو، تو

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الثانی فی المباحث العقلیة، ج ۱ ص ۷۰

(۲) تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۹

مستعاذ منہ اور مستعاذ لہ ایک ہی ذات کو قرار دیتا کہ معلوم ہو کہ شیطان سراپا دشمن ہے۔ نیز شیطان سے پناہ کا مطلب ذات سے پناہ نہیں ہے بلکہ اس کی ایذاء سے بچنا ہے، لہذا شیطان ہی مستعاذ اور مستعاذ منہ دونوں ہے۔

بارہویں بحث: وہ نو آیات جن میں انبیاء و اولیاء نے

شیطان کے شر سے پناہ مانگی ہے

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے وہ آیات کریمہ نقل کیں ہیں جن میں حضرات انبیاء و اولیاء نے شیطان مردود سے پناہ مانگی ہے۔ پھر اس کے بعد دس (۱۰) احادیث مبارکہ نقل کیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو وہ دعائیں سکھلائی ہیں جن کے پڑھنے سے انسان شیطان کے مکر و فریب سے بچ سکتا ہے۔

۱..... حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ (ہود: ۴۷)

ترجمہ: نوح نے کہا: میرے پروردگار میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔

۲..... حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا و رغلا نے لگی تو آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ (یوسف: ۲۳)

ترجمہ: یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔

۳..... نیز آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا

لَظَالِمُونَ (یوسف)

ترجمہ: یوسف نے کہا: اس (نا انصافی) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص

کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔

۴..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو قوم نے کہا:

قَالُوا اَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۗ قَالَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۝ (البقرة)

ترجمہ: وہ کہنے لگے کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: میں اس

بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں (ایسے) نادانوں میں شامل ہوں۔

۵..... نیز آپ نے فرمایا:

وَ اِنِّيْ عُدْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝ (الدخان)

ترجمہ: اور میں اس بات سے اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا

ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

۶..... حضرت مریم کی والدہ نے فرمایا:

وَ اِنِّيْ اُعِيذُ هَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (آل عمران)

ترجمہ: اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لئے آپ

کی پناہ میں دیتی ہوں۔

۷..... حضرت مریم نے جبریل علیہ السلام کو جب انسانی صورت میں تنہائی میں دیکھا

تو فرمایا:

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ تَقِيًّا ۝ (مریم)

ترجمہ: مریم نے کہا: میں تم سے خدائے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا

کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ)۔

۸..... جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ قُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ وَ اَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

يَّخْضَعُوْنِ ۝ (المؤمنون)

ترجمہ: اور دعا کرو کہ میرے پروردگار! میں شیطان کے لگائے ہوئے چرکوں

سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے پروردگار! میں ان کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۹..... اسی طرح سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۹۱﴾ وَإِنَّمَا يَنْتَرِظُكَ مِنَ

الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ إِنَّهُ سَيَعِيءُ عَلَيْكُمْ ﴿۹۲﴾ (الاعراف)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو۔ اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچھ لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔ یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔^(۱)

تیرہویں بحث: بوقتِ قراءتِ تعوذ پڑھنے کی حکمت

۱..... علامہ ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ بے ہودہ اور فحش گفتگو کے صدور سے منہ میں جو ناپاکی پیدا ہو جاتی ہے وہ تعوذ پڑھنے کی وجہ سے دور ہو جاتی ہے اور منہ پاک صاف ہو جاتا ہے، اور اب وہ کلام اللہ کی تلاوت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، وہ وساوس جو شیطان کی وجہ سے انسان پر طاری ہوتے ہیں اس سے حفاظت ہو جاتی ہے، تعوذ پڑھنے سے اللہ کی عظیم الشان قدرت کا اعتراف ہوتا ہے اور اس کھلے دشمن کے مقابلے میں اپنی کمزوری و عاجزی کا اعتراف کرنا ہے، شیطان کی مدافعت و رکاوٹ پر سوائے خالق باری تعالیٰ کے اور کوئی طاقت نہیں رکھتا، پس شیطان طبعاً شریک ہے، نہ رشوت کو قبول کرتا ہے نہ حسن و سلوک و بھلائی سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے، نہ خوش خلقی و خندہ پیشانی اس پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ اس کے شرور اور برائی سے بچانے والی ذات صرف اللہ کی ذات ہے اس لئے تعوذ کو پڑھا جاتا ہے تاکہ اس کے وساوس و خطرات سے حفاظت ہو جائے:

(۱) التفسیر الکبیر: الباب الثانی، ج ۱ ص ۷۰

ثم أن المعنى الذى شرعت الاستعاذة له يقتضى أن تكون قبل القراءة لأنها طهارة الفم مما كان يتعاطاه من اللغو والرفث وتطيب له، وتهيو لتلاوة كلام الله تعالى فهى التجاء إلى الله تعالى واعتصام بجنابه من خلل يطرأ عليه أو خطأ يحصل منه فى القراءة وغيرها وإقرار له بالقدرة، واعتراف للعبد بالضعف والعجز عن هذا العدو الباطن الذى لا يقدر على دفعه ومنعه إلا الله الذى خلقه، فهو لا يقبل مصانعة ولا يدارى بإحسان ولا يقبل رشوة ولا يؤثر فيه جميل بخلاف العدو الظاهر من جنس الإنسان- (۱)

۲..... امام رازى رحمہ اللہ (متوفى ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بے شک بندے کی زبان جھوٹ، غیبت، چغتل خوری کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تعوذ کا حکم دیا تاکہ بندے کی زبان پاک ہو جائے، تاکہ وہ لسانِ طاہر کے ذریعے اس کلام باری تعالیٰ کو پڑھے جو پاکیزہ ذات نے اتارا ہے:

الحكمة فيه ان العبد قد ينجس لسانه بالكذب والغيبة والنميمة
فأمر الله تعالى العبد بالتعوذ ليصير لسانه طاهرا فيقرأ بلسان
طاهر كلما انزل من رب طيب طاهر- (۲)

۳..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ جو شخص تلاوت کا ارادہ کرتا ہے وہ درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے، پس اب ضروری ہے کہ زبان کو پاک کیا جائے اس لئے کہ فضول کلام، بہتان، گالم گلوچ کی وجہ سے وہ نجس ہو گئی ہے تو اب

(۱) النشر فى القراءات العشر: باب اختلافهم فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۵۶

(۲) التفسير الكبير: الباب السابع، ج ۱ ص ۹۵

اس کی پاکی کے لئے تعوذ پڑھنے کا حکم دیا ہے:

من اراد قراءة القرآن إنما يريد الدخول في المناجاة مع الحبيب
فيحتاج إلى طهارة اللسان لأنه قد تنجس بفضول الكلام والبهتان
فيطهره بالتعوذ۔^(۱)

چودھویں بحث: تعوذ کے متعلق چند اہم سوالات

وجوابات

سوال: ”أَعُوذُ“ میں صیغہ واحد متکلم کیوں استعمال کیا جبکہ عموماً دعا کے موقع پر جمع کے صیغہ استعمال ہوتے ہیں؟

جواب: شیطان کے مقابلے میں جماعت فرد کی طرح ہے، کیونکہ شیطان غیر مرئی ہے اس کے مقابلے میں جماعت فرد کی حیثیت رکھتی ہے، شیطان کے مقابلے میں ہر فرد کو اپنے اپنے بچاؤ کا حکم دیا گیا ہے، جب شیطان دکھائی نہیں دیتا ہے تو اس کے ساتھ مقابلہ جماعت کی صورت میں کیا جائے:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ^ط (الأعراف: ۲۷)

لہذا ہر شخص کو شیطان سے بچاؤ کے لئے انفرادی طور پر تعوذ کا حکم دیا گیا اور اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں، چاہے انبیاء ہوں یا اولیاء یا صالحین، سب اس میں شامل ہیں کہ شیطان سے اپنا بچاؤ کریں۔

سوال: جب شیطان عدو مبین ہے تو دفاعی تدبیر کے لئے کیا صرف تعوذ کافی ہے؟

جواب: تعوذ شیطانی اضرار سے بچاؤ کے لئے مؤثر بالخاصہ ہے۔ اس جملے میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ شیطانی حملوں سے نجات مل جاتی ہے، اس کی معقول توجیہ یہ ہے کہ

مستعید بندہ ہے، مستعاذ بہ اللہ ہے، مستعاذ منہ شیطان ہے، شیطان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قوی ہے، وہ عالم الغیب ہے، وہ علیم ہے، شیطان کے تمام مکرو فریب کو جانتا ہے، وہ بصیر ہے بندہ کی حالت سے واقف ہے، وہ سمیع ہے بندہ کی پکار بھی اس نے سنی، اور وہ قادر مطلق ہے بندہ کی مدد کرنے پر قادر ہے، اور خود ذات باری تعالیٰ نے تعوذ پڑھنے کی تدبیر بھی سکھلائی ہے، لہذا وہ اپنے بندے کی مدد بھی کرے گا۔

مثال: جیسے ایک آٹھ سالہ بچہ چار سالہ بچے کو مارتا ہے تو چار سالہ بچہ جب اپنے والدین کو پکارتا ہے تو وہ مارنے والا بھاگ جاتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے میں اگرچہ چار سالہ بچے سے قوی تھا لیکن اس کے والدین مجھ سے کہیں زیادہ مجھ پر قوی ہیں، اور وہ اپنے بچے کی مدد بھی کریں گے اور ان کے دل میں اپنے بچے کی محبت بھی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے زیادہ قوی ہے اور ذات باری تعالیٰ والدین سے کہیں زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرنے والے ہیں۔

سوال: تعوذ میں دنیا کی تمام مضر توں اور نقصان دہ اشیاء میں صرف شیطان کا انتخاب کیوں؟
جواب: مضر ت کے چار درجات ہیں:

مضر ت ثوبی: کپڑے کو نقصان پہنچ جائے۔ جیسے پھٹ جائے، جل جائے۔

مضر ت جسمی: بدن انسانی زخمی ہو جائے یا اس کو چوٹ لگ جائے۔

مضر ت روحی: یعنی روح کو نقصان پہنچے اور وہ جسم سے الگ ہو جائے۔

مضر ت روح الروحی: یعنی وہ جس سے ایمان متاثر ہو۔

تمام مضر توں میں بڑھ کر مضر ت ایمانی ہے اور اس کا دشمن شیطان ہے، دنیا میں رہنے والے اعداء مال کے دشمن ہیں جبکہ شیطان ایمان کا دشمن ہے۔ نیز شیطان کی عداوت اس کا وصف ذاتی ہے اور وصف ذاتی ناقابل تغیر ہوتا ہے، شیطان سے انسانی عداوت کا انفکاک اس طرح مشکل ہے جیسے حرارت کا انفکاک آگ سے مشکل ہے، اس لئے قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (فاطر: ۶)

سوال: شیطان اور دیگر اعداء میں کیا فرق ہے؟

جواب: شیطان ایسا دشمن ہے جو رشوت کو قبول نہیں کرتا اور اس سے بچاؤ کے لئے صرف انسانی مدد کافی نہیں۔ شیطان غیر مرئی دشمن ہے جس سے مقابلہ کرنا مشکل ہے، نہ وہ چاپلوسی کو قبول کرتا ہے، اور نہ اس کی مدح کرنا اس کی ایذا رسانی سے بچا سکتی ہے، نہ خوش خلقی کو وہ قبول کرتا ہے، نہ بد اخلاقی اس پر اثر انداز ہوتی ہے، اور شیطان انسان کی سب سے قیمتی متاع ایمان کا دشمن ہے جس کا فائدہ اخروی اور دائمی ہے جبکہ دیگر اعداء صرف مال و متاع کے دشمن ہیں جن کا نقصان صرف دنیا تک محدود ہے، بقیہ اعداء سے بچاؤ کے لئے عقلی تدابیر کافی ہیں جبکہ شیطان سے بچاؤ کے لئے وحی الہی اور علوم نبوت کی روشنی ضروری ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان جن سے استعاذہ کا حکم ہے اس لئے کہ یہ نہ رشوت کو قبول کرتا ہے اور نہ اچھی تعریف اس پر اثر انداز ہوتی ہے کیونکہ یہ اصل طبع کے اعتبار سے شریر ہے، شیطان کے شر سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر اس ذات باری تعالیٰ کی قدرت سے جس نے اس کو پیدا کیا ہے:

وأمر بالاستعاذۃ بہ من شیطان الجن لأنه لا یقبل رشوة ولا یؤثر

فیہ جمیل لأنه شریر بالطبع ولا یکفہ عنک إلا الذی خلقہ۔^(۱)

امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان ایسا دشمن ہے جو نہ خوشامد کو قبول کرتا ہے اور نہ رشوت کو:

هو عدو لا یقبل التملق ولا الرشوة۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ انسانی اضلال کے لئے

شیطان کے پاس دو تدابیر ہیں۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذۃ، ج ۱ ص ۲۹

۱.....شہدات ۲.....شہوات

ایمان میں شہدات کو ڈالتا ہے جبکہ اعمال میں شہوات کو داخل کرتا ہے۔

چار قسم کی مخلوقات اعمال کے مکلف ہیں

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ چار قسم کی مخلوقات

مکلف ہیں۔ ۱.....انسان ۲.....جنات ۳.....ملائکہ ۴.....شیاطین۔

اعلم أن طوائف المكلفين أربعة: الملائكة والإنس والجن

والشياطين۔^(۱)

پندرہویں بحث: تعوذ سے مستنبت دس اہم لطائف

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”أَعُوذُ“ میں

اشارہ ہے انسان کے محتاج ہونے کی طرف، اگر انسان محتاج نہ ہوتا تو تعوذ پڑھنے کا کیا

فائدہ؟ نیز اس میں اپنے نفس کے بارے میں فقر اور احتیاج کی طرف اشارہ ہے۔ ”باللہ“

میں اشارہ ہے کہ اللہ کی ذات مستغنی ہے، انسان اللہ کا محتاج ہے۔ تعوذ میں اپنے نفس کے

عجز کا اور قدرت باری تعالیٰ کا اعتراف ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے

قرب کا کوئی اور وسیلہ نہیں سوائے اس کے اپنے نفس کے بارے میں عجز و انکساری اور ذات

باری تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کیا جائے۔ اقدام علی الطاعات کے لئے ضروری ہے کہ

شیطان سے فرار حاصل کیا جائے اور یہ تعوذ سے حاصل ہوگا۔ زبان پر جب غیر اللہ کے

تذکرے ہوں تو اس میں ایک قسم کی گندگی آجاتی ہے اب اس کی پاکی کے لئے ضروری ہے

کہ تعوذ پڑھا جائے تاکہ طہارت حاصل ہو۔ انسان کے دو دشمن ہیں ایک ظاہری اور

دوسرا باطنی، اور دونوں دشمنوں کے ساتھ مقابلے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ“

میں لفظ ”اللہ“ کو ذکر کیا اس لئے کہ گناہوں سے روکنے میں لفظ ”اللہ“ سب سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا تصور کرتے ہی انسان گناہوں سے رک جاتا ہے۔ شیطان نام ہے رجیم اس کی صفت ہے، صرف نام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کی صفت کو بھی ذکر کیا۔ لفظ شیطان پر جو الف لام ہے وہ الف لام جنس کا ہے، تعوذ میں گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ شیطان مردود سے دور رہتا کہ تجھے رحمن و رحیم کا قرب حاصل ہو:

(أعوذ) إشارة إلى الحاجة التامة، فإنه لولا الاحتياج لما كان في الاستعاذة فائدة، (بالله) إشارة إلى الغنى التام للحق - (أعوذ بالله) اعتراف بعجز النفس وبقدرة الرب، وهذا يدل على أنه لا وسيلة إلى القرب من حضرة الله إلا بالعجز والانكسار، أن الإقدام على الطاعات لا يتيسر إلا بعد الفرار من الشيطان، وذلك هو الاستعاذة بالله، اللسان لما جرى بذكر غير الله حصل فيه نوع من اللوث، فلا بد من استعمال الطهور، فلما قال: أَعُوذُ بِاللَّهِ حَصَلَ الطَّهْوَرُ، لك عدوان أحدهما ظاهر والآخر باطن، وأنت مأمور بمحاربتهما - (أعوذ بالله) ولم يذكر اسماً آخر، بل ذكر قوله (الله) لأن هذا الاسم أبلغ في كونه زاجراً عن المعاصي من سائر الأسماء والصفات -

الشیطان اسم، والرجیم صفة، ثم إنه تعالیٰ لم یقتصر علی الاسم بل ذکر الصفة، أدخل الألف واللام فی الشیطان لیکون تعریفاً للجنس كأنه تعالیٰ یقول: إنه شیطان رجیم، وأنا رحمن رحیم، فابعد عن الشیطان الرجیم لتصل إلى الرحمن الرحیم - (۱)

سولہویں بحث: تعویذ پڑھنے کی سات اہم حکمتیں اور فوائد

استعاذہ کا معنی و مفہوم اور اس کے مختلف اطلاقات سمجھ لینے کے بعد اب ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کی حکمت و مصلحت کیا ہے؟ آخر مسلمانوں کو ”شیطان رجیم“ سے خواہ وہ ابلیس ہو، شیاطین انس و جن ہوں یا خصائل ذمیرہ کی صورت میں جنس شیطنت ہو، پناہ مانگنا کیوں ضروری ہے، اس کے مقاصد و نتائج کیا ہیں؟ اس حکم کی متعدد حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔

حکم استعاذہ کی پہلی حکمت یہ ہے کہ جب ابلیس نے بارگاہ ربوبیت میں تمرد و انحراف کی راہ اختیار کی اور اس کے نتیجے میں اسے مردود و ملعون بنا کر بھگا دیا گیا تو اس نے بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانوں کو راہ حق سے گمراہ کرنے کا حلف اٹھایا اور اس عزم کا اظہار اسی موقع پر بر ملا کر دیا جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۷﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۸﴾ (ص)
 (شیطان) بولا: تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا،
 سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے)
 خلاصی پانچکے ہیں۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ﴿۱۹﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ
 أَجْمَعِينَ ﴿۲۰﴾ (ص)

فرمایا: تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں، بے شک میں (بھی) یقیناً جہنم
 بھر دوں گا تجھ سے اور ان سب سے جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔

حکم استعاذہ کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اس دعا کے ذریعے انسان اپنے گرد و نواح
 میں بسنے والے بے شمار شیطانی خصلت کے حامل افراد کے شر و فساد اور حسد و عداوت سے
 محفوظ رہے۔ کیونکہ ابلیس کے علاوہ بھی کئی افراد از قبیل جن و انس ایسے ہیں جو منفی اور تخریبی

مقاصد کے لئے دوسرے لوگوں کے جائز حقوق و مفادات کو نقصان پہنچانے پر تلے رہتے ہیں۔

حکم استعاذہ کی تیسری حکمت یہ ہے کہ انسان خود کو بری خصلتوں اور خسیس خواہشات سے پاک رکھے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفاتی مظہریت کا اہل بنانے کے لئے اس کے باطن کو تمام ناپسندیدہ اوصاف سے منزہ کرنا چاہا ہے۔ رذائل اخلاق کی آلودگیوں سے نجات حاصل کئے بغیر انسان ”تخلقوا باخلاق اللہ“ (خدا کے اوصاف کے رنگ میں رنگے جاؤ) کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ ”عاذ یعود“ میں التجاء کرنے اور وابستہ ہونے دونوں کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے حکمت استعاذہ بھی یہی ہے کہ انسان بارگاہ ایزدی میں رذائل سے پاک ہونے کی التجاء کرے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے اس کے دامن رحمت سے متصل ہو جائے۔

حکم استعاذہ کی چوتھی حکمت انسان کے باطنی کمالات کے حصول سے متعلق ہے۔ ”شیطان“ دوری پر اور ”رجیم“ ملامت و شقاوت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا استعاذہ کے ذریعے انسان کو ”خدا سے دوری“ اور ”شقاوت“ سے توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ دونوں چیزیں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ خدا سے دوری شقاوت کا سبب ہے اور شقاوت خدا سے دوری کا۔ خدا سے دوری قرب الہی کے منافی ہے اور شقاوت سعادت کے۔ کیونکہ تمام تر روحانی کمال قرب الہی اور سعادت پر منحصر ہے۔ اس لئے انسان کو یہ تعلیم کی گئی ہے کہ وہ خدا سے بُعد اور شقاوت دونوں سے پناہ مانگے کہ جب اسے دوری سے نجات ملے گی تو قرب از خود میسر آ جائے گا اور شقاوت سے نجات ملے گی تو سعادت از خود نصیب ہو جائے گی۔

استعاذہ کی پانچویں حکمت یہ ہے کہ انسان کو اپنے عجز و بے بسی کا علم ہو جائے اور وہ یہ سمجھ لے کہ میں دینی و دنیوی منافع کے حصول اور بچاؤ پر خود قادر نہیں ہوں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان شامل حال نہ ہو اس وقت تک میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ احساس اور علم و شعور ہے جو انسان کو صحیح عظمت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اگر اس کا فقدان ہو

اور انسان خود کو قادر مطلق اور غنی و بے نیاز سمجھ لے تو اس سے غرور و تکبر اور نخوت و فرعونیت جنم لیتی ہے، جو انسان کی تمام اعلیٰ صلاحیتوں کو غارت کر کے اسے دنیا میں ذلیل و رسوا کر دیتی ہے۔ آداب و شرائط عظمت کا یہی سنگ بنیاد ہے کہ انسان اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کے باوجود خود کو عاجز سمجھے اور انہیں بروئے کار لاتے ہوئے بھی صحیح نتائج کے لحاظ سے رب العالمین کی رحمت اور عطاء و شفقت کا طلب گار رہے۔

چھٹی حکمت: جب انسان میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو ذہن میں اس احساس کے جاگزیں ہو جانے کے بعد دل میں تواضع، انکساری اور تذلل و تضرع کی نعمت سے بہرہ ور کر دیتی ہے۔ یہی حالت فی الحقیقت جو ہر عبادت ہے۔

ساتویں حکمت: استعاذہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے عجز و انکساری کے اعتراف اور خشوع و خضوع کے حصول کے بعد بارگاہ ایزدی کی طرف کمال یقین کے ساتھ متوجہ ہو اور اس سے استمداد کرے اور پھر اس کے لطف و احسان اور جود و سخاء پر پورا توکل رکھے۔ اسے ہر فتنہ و شر اور خوف و غم سے پناہ بھی ملے گی اور دیگر انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) نے تعوذ کے پانچ فوائد نقل کئے ہیں۔

۱..... تعوذ پڑھنے سے دین پر ثبات قدمی نصیب ہوتی ہے۔

۲..... شیطان کے فتنے و فساد سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

۳..... ایک محفوظ قلعے میں انسان کو پناہ ملتی ہے۔

۴..... تعوذ کے پڑھنے سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیکوکاروں کی مصاحبت حاصل ہوتی ہے۔

۵..... ارض و سماء کے مالک کی مدد حاصل ہوتی ہے:

وليستفيد العبد بالاستعاذة خمسة أشياء: أحدها: الثبات على الدين

والبقاء، الثاني: السلامة من شر اللعين والعناء، الثالث: الدخول في

الحصن الحصين، الرابع: الوصول إلى اللقاء الأمين مع النبيين

والصديقين والشهداء والصالحين، الخامس: نيل معونة رب
الأرض والسماء۔^(۱)

ستر ہویں بحث: جنات اور شیاطین کے وجود سے متعلق

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے جنات اور شیاطین کے وجود کے بارے میں پانچ آیات اور سات احادیث نقل کی ہیں:

اعلم ان القرآن والأخبار يدلان على وجود الجن والشیاطین: أما
القرآن فأیات۔

جان لیں کہ بے شک قرآن اور احادیث دونوں جنات اور شیاطین کے وجود پر
دلالت کرتے ہیں۔

پس قرآن کریم کی چند آیات یہ ہیں:

۱..... وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ

قَالُوا أَصْنُوتًا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ۗ (الأحقاف)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو
تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں
نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ خاموش ہو جاؤ، پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ
اپنی قوم کے پاس انہیں خبردار کرتے ہوئے واپس پہنچے۔

۲..... وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۗ (البقرة: ۱۰۲)

ترجمہ: اور یہ (بنی اسرائیل) ان (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کی
سلطنت کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔

(۱) الغنية لطالبی طريق الحق عز وجل: ج ۱ ص ۱۹۸، الناشر: دار الكتب العلمية

۳..... وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ - (سبا: ۱۳)
ترجمہ: اور جنات میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے پروردگار کے حکم سے ان کے
آگے کام کرتے تھے۔

۴..... وَالشَّيْطَانِ كُلِّ بَنَاءٍ وَغَوَاصٍ ۝ وَالْآخِرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ (ص)
ترجمہ: اور شریر جنات بھی ان کے قابو میں دے دیئے تھے، جن میں ہر طرح
کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے، اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں میں جکڑے
ہوئے تھے۔

۵..... لِيُعْشَرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۗ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ ۝ (الرحمن)
ترجمہ: اے انسانوں اور جنات کے گروہ! اگر تم میں یہ بل بوتا ہے کہ آسمانوں
اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو تو پار نکل جاؤ، تم زبردست طاقت کے بغیر پار
نہیں ہو سکو گے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تو اتر سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
جنات کی طرف گئے اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی:

وبلغ مبلغ التواتر من خروج النبي صلى الله عليه وسلم ليلة الجن

وقراءته عليهم ودعوته إياهم إلى الإسلام -

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے بعد سات احادیث نقل کی ہیں۔ دیکھئے تفصیلاً:

التفسير الكبير: الباب الثاني، ج ۱ ص ۸۴

اٹھارہویں بحث: جنات، شیاطین اور ملائکہ کی حقیقت

شیاطین مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی، ان کی نسل بھی جاری ہوتی ہے البتہ نفع اولیٰ تک ان پر موت نہیں آئے گی۔ جنات مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی ان میں تو والد اور تناسل کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے اور ان پر موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ملائکہ نہ مذکر ہوتے ہیں اور نہ ہی مونث، نہ ان کی نسل جاری ہوتی ہے نہ ان پر موت واقع ہوتی ہے۔ ملائکہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شیاطین اور جنات کے لئے ایک حقیقت اور وجود ہے، جنات کے وجود کا انکار نہیں کیا مگر فلاسفہ اور اطباء کی ایک چھوٹی سی جاہل جماعت نے:

الشیاطین ذکور و إناث يتوالدون ولا يموتون إلى النفخة الأولى
والجن ذکور و إناث يتوالدون ويموتون والملائكة ليسوا بذكور
ولا إناث لا يموتون ولا يتوالدون ولا ياكلون ولا يشربون فثبت
بهذا أن للشيطان والجن حقيقة ووجودا ولم ينكر وجود الجن إلا
شردمة قليلة من جهال الفلاسفة والأطباء ونحوهم۔^(۱)

انیسویں بحث: تعوز میں بلاغت کے عمدہ نکات

علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے بلاغت کے تین عمدہ نکات نقل کئے ہیں:
”أعوذ بالله“ میں صیغہ انشاء یعنی امر کے صیغے سے فعل مضارع کی طرف عدول کیا ہے۔ اصل عبارت یہ تھی ”أعذنی یا رب“ اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ صیغہ انشاء یعنی امر و نہی میں استقبال کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ یہاں مقصود حال کا مفہوم ہے، اور فعل مضارع معنی حال میں حقیقت ہوتا ہے اور استقبال میں مجاز۔

۲..... یہاں متکلم سے غائب کی طرف التفات ہے، ”اعوذ“ واحد متکلم ہے اور لفظ اللہ اسم ظاہر ہے جو غائب کے حکم میں ہوتا ہے، نیز لفظ اللہ کا ذکر برکت اور تلذذ کی غرض سے ہے۔

۳..... ”الشیطن“ موصوف کے لئے ”الرجیم“ صفت کا شفعہ لائی، موصوف کو مؤکد کرنے کے لئے، اور مخاطبین کو اس سے نفرت دلانے کے لئے۔ شیطان تو اس قابل ہے کہ اسے پتھروں سے سنگسار کیا جائے نہ کہ محبت کا۔^(۱)

بیسویں بحث: تعوذ کی ترکیب

اعوذ فعل مضارع انا ضمیر مستتر اس کا فاعل، ”باللہ“ اور ”من الشیطان“ جار مجرور متعلق ہیں اعوذ فعل کے ساتھ، ”اعوذ“ فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقات سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔^(۲)

تسمیہ کا تاریخی پس منظر

شریعت اسلامیہ میں ہمیشہ سے یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ ہر جائز اور مشروع کام کا آغاز اللہ کے نام سے کیا جائے:

۱..... جب نوح علیہ السلام نے طوفان سے بچاؤ کے لئے اذن الہی کے مطابق کشتی تیار کر لی اور اپنے ساتھیوں کو اس میں سوار کر لیا تو کشتی چلانے سے قبل فرمایا:

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَ مَرْسَهَا إِنَّ رَبِّي لَعَفُورٌ

رَجِيمٌ ① (ہود)

اور نوح نے کہا تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور

(۱) حدائق الروح والريحان: فصل فی مباحث الاستعاذۃ، ج ۱ ص ۱۸

(۲) حدائق الروح والريحان: فصل فی مباحث الاستعاذۃ، ج ۱ ص ۱۵

اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

۲..... اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ صبا کو جو تبلیغی خط لکھا اس کا آغاز بھی انہی مبارک کلمات سے کیا گیا تھا:

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿النمل﴾

بے شک وہ (خط) سلیمان علیہ السلام کی جانب سے (آیا) ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو بے حد مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۳..... عہد عیسوی میں بھی ان مبارک کلمات کی برکات و تاثیرات کا پتہ چلتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ”تفسیر کبیر“ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبر پر گزر ہوا، آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ صاحبِ قبر عذاب میں مبتلا ہے، جب دوسری مرتبہ گزر ہوا تو دیکھا کہ رحمت کے فرشتے نور سے بھرے ہوئے طاقتے اس پر پیش کر رہے ہیں، اور وہ بڑی راحت میں ہے، آپ کو بہت تعجب ہوا نماز پڑھی اور کشفِ حال کے لئے دعا کی:

فأوحى الله تعالى إليه يا عيسى كان هذا العبد عاصياً ومذمات
كان محبوساً في عذابي وكان قد ترك امرأة حبلى فولدت ولداً
وربته حتى كبر فسلمته إلى الكتاب فلقنه المعلم بسم الله الرحمن
الرحيم فاستحيت من عبدى أن أعذبه بناري في بطن الأرض
وولده يذكر اسمي على وجه الأرض۔^(۱)

پس اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے عیسیٰ! یہ بندہ اپنی موت کے دن سے میرے عذاب میں گرفتار تھا۔ وقتِ مرگ اس کی بیوی حاملہ تھی، جس سے بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے اسے پالا اور معلم دین کے سپرد کر دیا، اس معلم نے جب اس بچے کو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھائی تو ہم کو شرم آگئی کہ اس کا

(۱) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

باپ قبر میں عذاب میں مبتلا رہے اور اس کا بیٹا زمین پر ہمارے نام کا ذکر کرے، پس ہم نے اس کو بخش دیا۔

۴..... اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ یہ حکم بعض معاملات میں ”واجب“ کا درجہ رکھتا ہے، بعض میں ”سنت“ کا اور بعض میں ”مستحب“ کا۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (الأنعام: ۱۱۸)

سو تم اس (ذبیحہ) سے کھایا کرو جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (الأنعام: ۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے جس پر (ذبح کے وقت)

اللہ کا نام لیا گیا ہے (تم ان حلال جانوروں کو بلاوجہ حرام ٹھہراتے ہو)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ فَهُوَ أَجْزَمٌ (۱)

جو کلام اللہ تعالیٰ کی تعریف سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ یعنی اپنے

کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه (۲)

اس شخص کا وضو نہیں جس نے اس پر بسم اللہ نہ پڑھی۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے وضو کی فرضیت ہی ناقص رہ

(۱) سنن أبی داود: کتاب الأدب، باب الهدی فی الکلام، ج ۲ ص ۲۶۱، رقم

الحدیث: ۴۸۴۰

(۲) سنن أبی داود: کتاب الطہارة، باب فی تسمیة علی الوضوء، ج ۱ ص ۲۵، رقم

الحدیث: ۱۰۱

جاتی ہے بلکہ فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن سنن و مستحبات کی شمولیت سے جو کمال نصیب ہوتا ہے انسان اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ فعل جو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے، ممکن ہے دنیوی لحاظ سے مطلوبہ نتائج کے حصول میں تو ناکام نہ ہو لیکن اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے عند اللہ کامل نہ ہوگا۔ اسی روحانی کمال اور نقص کی طرف مذکورہ بالا حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ کلام الہی جو سراسر خیر و برکت ہے، جب اس کے پڑھنے سے بھی پہلے بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے تو دیگر امور حیات سے قبل تسمیہ کا پڑھا جانا کس قدر ضروری ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی عملی مداومت بھی اسی اصول پر تھی۔

۵..... یہاں تک کہ باری تعالیٰ نے خود اپنے کلام مبارک کے نزول کے آغاز و افتتاح کے لئے جو کلمات منتخب فرمائے وہ بھی ”تسمیہ“ کی نوعیت کے تھے۔ غار حرا میں گونجنے والی سب سے پہلی قرآنی صدا یہ تھی:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ① (العلق)

(اے پیغمبر!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔

پہلی بحث: استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت

۱..... استعاذہ میں عقائد باطلہ اور اعمال سیئہ سے پرہیز تھی، بسم اللہ میں عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی طرف رجوع ہے۔

۲..... استعاذہ میں ماسویٰ اللہ سے لاتعلقی اور علیحدگی کا اعلان تھا، بسم اللہ میں توجہ الی اللہ کا باقاعدہ اقدام ہے۔

۳..... استعاذہ میں ہر قسم کے شر سے حفاظت طلب کی گئی تھی، بسم اللہ میں انعامات و عنایات کا سوال کیا جا رہا ہے۔

- ۴..... استعاذہ گمراہی سے بچاتا ہے، بسم اللہ ہدایت کا حصول ہے۔
- ۵..... استعاذہ عزم سفر تھا، بسم اللہ حصول منزل ہے۔
- ۶..... استعاذہ مریض کے لئے مجوزہ پرہیز ہے، بسم اللہ اس کا مجوزہ علاج ہے۔
- ۷..... استعاذہ رذائل اور خصائص ذمیہ سے نجات حاصل کرنا ہے، بسم اللہ میں خود کو اوصاف و اخلاق البہیہ سے متصف کرنا ہے۔
- ۸..... استعاذہ بغض و عناد سے براءت کا نام ہے، بسم اللہ پیکر رحمت و راحت قرار پانے کا نام ہے۔
- ۹..... استعاذہ خدا کی دوری سے پناہ مانگنے کا نام تھا، بسم اللہ اس کے قرب و وصال کی طلب کا نام ہے۔
- ۱۰..... استعاذہ میں اپنی عاجزی کا اعتراف تھا، بسم اللہ میں خدا کی قدرت کا اعتراف ہے۔
- ۱۱..... استعاذہ کا آغاز نفس امارہ کے شعور اور اس کی مذمت سے ہوا تھا، بسم اللہ کا آغاز نفس لوامہ کے شعور اور ان کی تحسین سے ہوتا ہے۔
- ۱۲..... استعاذہ کا ثمرہ و نتیجہ نفس مطمئنہ تھا، بسم اللہ کا ثمرہ نفس راضیہ و مرضیہ ہے جو فی الحقیقت نفس کاملہ قرار پایا ہے۔
- ۱۳..... استعاذہ میں شخصیت کی اصلاح تھی، بسم اللہ میں اس کا منتہائے کمال ہے۔

تسمیہ کو تعوز سے متاخر کرنے کی حکمت

علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ تسمیہ کو تعوز سے متاخر اس لئے کیا تاکہ اس میں اشارہ ہو اس بات کہ طرف کی تخلیہ مؤخر ہوتا ہے تخلیہ سے۔ پہلے کسی چیز کی صفائی ستھرائی ہوتی ہے پھر بعد میں اس کی تزئین اور اس پر نقش و نگار ہوتا ہے:

الإشعار بأن باب التحلیة مؤخر عن باب التخلية۔^(۱)

دوسری بحث: تسمیہ کے ذریعے جملہ امور کے افتتاح

کی حکمت

۱..... علامہ جار اللہ زنجشیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے نام سے کرتے تھے، پس وہ کہتے: لات کے نام سے، عزی کے نام سے اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ لہذا موحدین پر واجب ہے جب وہ اپنے کسی کام کا قصد کریں تو اللہ کے نام سے شروع کریں، اور یہ حاصل ہوگا لفظ اللہ کو مقدم کرنے اور فعل کو موخر کرنے سے، پس اس صورت میں تخصیص کا معنی حاصل ہوگا، جیسے ”ایاک نعبد“ میں عامل کو موخر کرنے اور معمول کو مقدم کرنے سے حصر کا معنی پیدا ہوتا ہے:

لأنهم كانوا يبدءون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات باسم العزی فوجب أن يقصد الموحّد معنی اختصاص اسم اللہ عز وجل بالابتداء وذلك بتقدیمه وتأخیر الفعل كما فی قوله: إياک

نعبد حیث صرح بتقدیم الاسم إرادة للاختصاص. (۱)

۲..... علامہ ابو بکر بھاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ پڑھنے میں مشرکین کی مخالفت کا اظہار کرنا ہے، مشرکین اپنے کاموں کی افتتاح بتوں اور مخلوقات کے ناموں سے کرتے جن کی یہ عبادت کرتے تھے:

وفیه إظهار مخالفة المشرکین الذین یفتتحون أمورهم بذكر

الأصنام أو غیرها من المخلوقین الذین كانوا یعبدونهم. (۲)

۳..... علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳

(۲) احکام القرآن للجصاص: باب القول فی بسم اللہ، ج ۱ ص ۱۹

مشرکین اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے ناموں سے کرتے تھے، پس وہ کہتے
لات کے نام سے، عزی کے نام سے، تو موحد پر واجب ہے کہ وہ اپنے جملہ امور کی ابتداء
صرف اللہ کے نام سے کرے، اسی وجہ سے تسمیہ کو فاتحہ پر مقدم کیا:

وكانوا يبدؤون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات وباسم العزی،

فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل

بالابتداء وذا بتقدیمہ۔ (۱)

۴..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنے کاموں کی ابتداء

اپنے معبودوں کے ناموں سے کرتے تھے پس وہ کہتے لات کے نام سے، عزی کے نام
سے، تو موحد پر واجب ہے کہ وہ اپنے جملہ امور کی ابتداء صرف اللہ کے نام سے کرے، اسی
وجہ سے تسمیہ کو فاتحہ پر مقدم کیا:

كانت الكفار يبدؤون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات والعزی،

فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل

بالابتداء۔ (۲)

بسم اللہ لکھنے کا طریقہ

بسم اللہ کو بغیر الف کے لکھا جاتا ہے کیوں کہ بولتے اور لکھتے وقت باء الصاق اس کی
جگہ کافی ہو جاتی ہے، اور کثرت استعمال کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے
برعکس ارشاد باری تعالیٰ: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ میں قلت استعمال کی وجہ سے
لکھنے میں الف حذف نہیں کیا جاتا۔

(۱) تفسیر مدارک: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۷

(۲) حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، ج ۱ ص ۲۲

ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے:

ندب الشرع إلى ذكر البسمة في أول كل فعل۔^(۱)

اللہ تعالیٰ کا عہد نامہ

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا حلف نامہ ہے جو انہوں نے ہر سورت سے پہلے نازل فرما کر اپنے بندوں کے ساتھ حلفاً عہد کیا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اس سورت میں تم لوگوں کے لئے جو کچھ بھیجا ہے وہ سچ ہے، اور یقین رکھو کہ میں نے اس سورت میں جو وعدہ کیا یا جس مہربانی اور عنایت کا ذکر کیا ہے اسے ضرور پورا کروں گا۔

امت کے لئے خاص تحفہ

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ اس کلام باری تعالیٰ کا حصہ ہے جو اس نے ہماری کتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اس امت کو ملنے والا خصوصی تحفہ ہے۔

شریعت کا خلاصہ

بعض علماء کرم فرماتے ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں پوری شریعت سمائی ہوئی ہے کیوں کہ اس میں باری تعالیٰ کی ذات کا ذکر بھی ہے اور صفات کا بھی، اور یہ بات صحیح ہے۔^(۲)

(۱) التفسیر القرطبی: الکلام فی البسمة، ج ۱ ص ۹۷

(۲) تفسیر القرطبی: الکلام فی البسمة، ج ۱ ص ۹۱

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ لکھنے کی ابتداء

امام شعی اور امام اعش رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ”باسمک الٹھم“ لکھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسم اللہ لکھنے کا حکم دیا گیا، تو آپ نے یہ لکھنا شروع کر دیا، پھر جب ارشاد باری تعالیٰ:

قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ ۗ (الاسراء: ۱۱۰)

ترجمہ: آپ کہئے: اللہ (کہہ کر) پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو۔

نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ لکھنا شروع کر دیا۔ پھر جب ”اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ“ نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ لکھنے کا معمول بنا لیا۔

امام ابو داؤد نے امام شعی، امام ابو مالک، امام قتادہ، اور امام ثابت بن عمارہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ نہیں لکھی یہاں تک کہ سورہ نمل نازل ہوئی۔ (۱)

تیسری بحث: تسمیہ پڑھنے کے مسنون مواقع

قرآن کریم کی کئی آیات اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں بسم اللہ کی بڑی اہمیت ہے، اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا خیر و برکت کا باعث ہے، اللہ کی نصرت و حمایت کا ذریعہ اور تائید و حفاظت کا سبب ہے۔ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان ذلیل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں گدھے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، گدھا ذرا پھسلا تو میں نے کہا شیطان کا برا ہو، تو نبی کریم

(۱) سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب من جهر بها، ج ۱ ص ۲۰۹، رقم الحدیث: ۷۸۷

تفسیر القرطبی: الکلام فی البسملة، ج ۱ ص ۹۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو، کیونکہ اس سے شیطان پھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت کے ساتھ اسے گرایا ہے، سوا اگر تم بسم اللہ کہو تو اس سے شیطان اپنے آپ کو نہایت چھوٹا اور حقیر سمجھتا ہے یہاں تک کہ مکھی سے بھی زیادہ چھوٹا اور زیادہ حقیر:

عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ رَدِيفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَنْ رَجُلٍ
عَنْ رَدِيفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ عَلَى حِمَارٍ فَعَثَرَ فَقَالَ
الَّذِي خَلْفَهُ تَعَسَ الشَّيْطَانُ، فَقَالَ لَا تَقُلْ تَعَسَ الشَّيْطَانُ فَإِنَّكَ إِذَا
قُلْتَ تَعَسَ الشَّيْطَانُ تَعَظَمَ وَقَالَ بِعِزَّتِي صَرَعْتُكَ وَإِذَا قُلْتَ بِسْمِ
اللَّهِ تَصَاغَرَ حَتَّى يَصِيرَ مِثْلَ ذُبَابٍ. (۱)

.....خط و کتابت کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہئے

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہرقل (شاہ روم) نے ان کے پاس قریش کے قافلے میں ایک آدمی بلانے کو بھیجا اور اس وقت یہ لوگ تجارت کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو آپ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاکم بصری کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا، پھر اس کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ
أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رُكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تُجَارًا بِالشَّامِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بَعَثَ بِهِ دِحْيَةَ إِلَى عَظِيمِ بَصْرَى ،
فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. (۲)

(۱) مسند احمد: مسند البصريين، ج ۳۴ ص ۲۹۱، رقم الحديث: ۲۰۶۰۹

(۲) صحيح البخاري: كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج ۱ ص ۸، رقم الحديث: ۷

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو خط ملکہ سبا کو لکھا تھا اس کا آغاز یوں کیا:

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ (النمل)

یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے، اور شروع اللہ کے نام سے ہے جو بے حد رحم

والانہایت مہربان ہے۔

سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ لکھوانے کا ارادہ کیا تو آپ نے کاتب کو بلوایا اور اس سے فرمایا ”اكتب بسم الله الرحمن الرحيم“ بسم الله الرحمن الرحيم لکھو:

عَنِ الْمُسَوْرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرَّوَانَ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدِيثَ

صَاحِبِهِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَّةِ

..... فَدَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَاتِبَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْخ- (۱)

۲..... وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے وضو کا پانی طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں میں سے کیا کسی شخص کے پاس پانی موجود ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پانی میں رکھا اور فرمایا ”تم اللہ کے نام کے ساتھ وضو کرو“ تو میں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے وضو کیا اور کوئی شخص وضو سے باقی نہ بچا:

(۱) صحیح البخاری: کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد۔۔۔۔ الخ، ج ۳ ص ۱۹۳، رقم

الحديث: ۲۷۳۱ / صحیح مسلم: کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیة فی الحدیبیة، ج ۳

ص ۱۴۱۰، رقم الحديث: ۱۷۸۳

عَنْ أَنَسٍ قَالَ طَلَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَضُوءًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ
مَاءٌ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الْمَاءِ وَيَقُولُ تَوَضَّؤُوا بِسْمِ اللَّهِ، فَرَأَيْتُ الْمَاءَ
يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَضَّؤُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ۔^(۱)

۳..... دعاؤں کی ابتداء بسم اللہ سے کریں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور پوچھا اے محمد! کیا آپ بیمار ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! تو جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی:

بِسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ
حَاسِدٍ اللَّهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ۔

اللہ کے نام کے ساتھ میں تمہارے لئے ہر اس چیز سے جو تمہیں تکلیف پہنچاتی
ہے اور ہر نفس کی برائی سے یا حاسد کی نظر بد کی برائی سے شفاء طلب کرتا ہوں،
اللہ تمہیں شفاء عطا فرمائے، میں اللہ کے نام کے ساتھ تمہارے لئے شفاء
طلب کرتا ہوں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا
مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ، قَالَ بِاسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللَّهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللَّهِ
أَرْقِيكَ۔^(۲)

(۱) سنن النسائی: کتاب الطہارۃ، باب التسمیۃ عند الوضوء، ج ۱ ص ۶۱، رقم الحدیث: ۷۸

(۲) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی: ج ۲ ص ۱۷۱۸، رقم

۴..... جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھنا
حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے
جسم میں کسی جگہ درد ہونے کی شکایت کی جو قبول اسلام کے بعد پہلی دفعہ ہوئی تھی، تو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا ہاتھ درد کے مقام پر رکھو پھر تین مرتبہ بسم اللہ اور سات
مرتبہ یہ دعا پڑھو:

أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

میں اللہ کی اور اس کی قدرت کی پناہ طلب کرتا ہوں اس بیماری کی برائی سے جو

اس وقت مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کے آئندہ ہونے کا اندیشہ ہے:

عَنْ عُمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ شَكَأَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعُ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ
بِاسْمِ اللَّهِ ثَلَاثًا، وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا
أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔^(۱)

۵..... بیماری سے شفا یابی کے لئے انگشتِ شہادت زمین پر رکھیں

پھر اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھیں

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(مریض کی شفا کے لئے) یہ دعا پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللَّهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةٍ بَعْضُنَا يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔

(۱) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب استحباب وضع یدہ علی موضع الألم..... الخ، ج ۲

اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے بعض کے لعاب دہن سے ہمارے رب کے حکم سے ہمارا مریض شفا یاب ہو جائے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ
لِلْمَرِيضِ بِسْمِ اللَّهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةٍ بَعْضِنَا، يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا. (۱)
صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انکشت شہادت زمین پر رکھتے
پھراٹھاتے اور مذکورہ بالا دعا پڑھتے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى
الْإِنْسَانَ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جَرَحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ هَكَذَا وَوَضَعَ سُفْيَانُ سَبَابَتَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ رَفَعَهَا
بِاسْمِ اللَّهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةٍ بَعْضِنَا لِيُشْفَى بِهِ سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا. (۲)

۶..... کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بچہ تھا اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور (کھانا کھاتے وقت) میرا ہاتھ برتن میں چاروں
طرف گھوم رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا غُلَامُ سَمَّ اللَّهُ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.

اے لڑکے! بسم اللہ پڑھ کر اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے
کھاؤ۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب الطب، باب رقية النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج ۷ ص ۱۳۳، رقم
الحديث: ۵۷۴۵

(۲) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة، ج ۴ ص ۱۷۲۳،
رقم الحديث: ۲۱۹۴

عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ يَقُولُ كُنْتُ غُلَامًا فِي حَجْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا غُلَامُ سَمِّ اللَّهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ۔^(۱)

۷..... اگر کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یہ پڑھیں
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ کہے اور اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو یہ
دعا پڑھے:

بِسْمِ اللَّهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ۔

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ (کھاتا ہوں) اس کے شروع اور اس کے آخر میں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَّ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ۔^(۲)

۸..... جانور ذبح کرتے وقت کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو
چتکبرے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور آپ نے
یہ دعا پڑھی:

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، ج ۷

ص ۲۸، رقم الحدیث: ۵۳۷۶

(۲) سنن الترمذی: کتاب الأطعمة، باب ما جاء في التسمية على الطعام، ج ۳ ص ۳۵۲، رقم

الحدیث: ۱۸۵۸

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اَكْبَرُ۔

اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ
أَقْرَنَيْنِ، ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ، وَسَمَّى وَكَبَّرَ۔ (۱)

۹..... شکار کرتے وقت یا تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم اس قوم میں سکونت رکھتے ہیں جو ان کتوں سے شکار کرتی ہے، آپ نے فرمایا جب تم نے اپنا سکھایا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر اللہ کا نام لے لو تو اگر وہ کتا تمہارے لئے شکار لایا تو تم اسے کھا سکتے ہو:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّا قَوْمٌ نَتَصَيَّدُ بِهَذِهِ الْكِلَابِ، فَقَالَ إِذَا أُرْسَلَتْ
كِلَابُكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ، فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ۔ (۲)

۱۰..... جس ذبیحہ کے متعلق تسمیہ پڑھنے کا علم نہ ہو تو خود پڑھ لیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بعض لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہمیں نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں، (تو کیا ہم یہ گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟)

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأضاحی، باب التکبیر عند الذبح، ج ۷ ص ۱۰۲، رقم

الحديث: ۵۵۶۵ / صحیح مسلم: کتاب الأضاحی، باب استحباب الضحیة الخ، ج ۳

ص ۱۵۵۶، رقم الحديث: ۱۹۶۶

(۲) صحیح البخاری: کتاب الذبائح، باب ما جاء فی التصید، ج ۷ ص ۸۸، رقم الحديث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر بسم اللہ پڑھ لو اور کھا لو، (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ لوگ ابھی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے):

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هُنَا أَقْوَامًا حَدِيثًا عَهْدُهُمْ
بِشْرِكٍ، يَأْتُونَنَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا
قَالَ اذْكُرُوا أَنْتُمْ اسْمَ اللَّهِ وَكُلُوا- (۱)

۱۱..... گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: اب تمہارے لئے نہ ٹھکانہ ہے نہ کھانا، اور اگر وہ شخص داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: اب تمہارے لئے ٹھکانہ مل گیا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا
دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللَّهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ
الشَّيْطَانُ لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ
دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ طَعَامِهِ
قَالَ أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ- (۲)

(۱) صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب السؤال بأسماء اللہ تعالیٰ، ج ۹ ص ۱۱۹، رقم

الحديث: ۷۳۹۸

(۲) صحیح مسلم: کتاب الأثرية، باب آداب الطعام والشراب وأحكامها: ج ۳ ص ۱۵۹۸،

رقم الحديث: ۲۰۱۸

۱۲..... سونے سے قبل بسم اللہ پڑھنا

سونے سے قبل بسم اللہ پڑھ کر انجام دیئے جانے والے چند اعمال بیان کرتے ہوئے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سونے لگو تو دروازوں کو اللہ کا نام لے کر بند کر دو کیونکہ شیطان بند دروازوں کو نہیں کھولتا، اللہ کا نام لے کر مشکیزوں کے منہ باندھ دو، اللہ کا نام لے کر اپنے برتنوں کو ڈھانک دو، خواہ کسی چیز کو چوڑائی میں رکھ کر ہی ڈھک سکواور (اللہ کا نام لے کر) اپنے چراغ بجھا دو:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا، وَأَوْكُوا قَرَبِكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ، وَخَمِّرُوا أَنْيَّتَكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوا عَلَيْهَا شَيْئًا وَأَطْفِنُوا مَصَابِيحَكُمْ. (۱)

۱۳..... لشکر کو روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

حضرت بڑیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو نصیحت کرتے تو فرماتے:

أَغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔
اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ (۲)

۱۴..... سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے سواری لائی گئی، جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو تین مرتبہ بسم اللہ کہا، پھر جب اس

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأشربة، باب تغطية الإناء، ج ۷ ص ۱۱۱، رقم الحدیث: ۵۶۲۳

(۲) صحیح مسلم: کتاب الجهاد، باب تامين الإمام، ج ۳ ص ۱۳۵۷، رقم الحدیث: ۱۷۳۱

کی بیٹھ پر سیدھے بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ، پھر کہا:

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا
لَمُنْقَلِبُونَ۔

اللہ تمام برائیوں سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا
حالانکہ ہم اس کو قابو میں نہ لاسکتے تھے، اور بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف
لوٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ بھی ایسا
ہی کرتے تھے جیسا میں نے کیا ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيًّا أُتِيَ بِدَابَّةٍ لَبِيرٍ كَبِيهَا فَلَمَّا وَضَعَ
رَجُلُهُ فِي الرَّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ ثَلَاثًا فَلَمَّا اسْتَوَىٰ عَلَى ظَهْرِهَا قَالَ
الْحَمْدُ لِلَّهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ
وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ۔۔۔۔ الخ۔ (۱)

۱۵..... مباشرت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو یہ کہے:

بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

شروع اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو
(اولاد) تو ہمیں دے اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔

تو اب اگر اس کے مقدر میں اولاد ہو تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا:

(۱) سنن الترمذی: کتاب الدعوات، باب ما جاء ما يقول إذا ركب دابة، ج ۵ ص ۵۰۱، رقم

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنَّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنَّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقَضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ. (۱)

چوتھی بحث: ”كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ“ والی روایت پر

محدثانہ بحث

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جائز و مشروع کام کا آغاز اللہ کے نام کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے، احادیث میں تین قسم کے الفاظ مروی ہیں، بعض روایات میں ’بُحْمَدُ اللّٰهُ‘ کے الفاظ ہیں، اور بعض میں ’بِسْمِ اللّٰهِ‘ اور بعض میں ’بِذِکْرِ اللّٰهِ‘ کے الفاظ مروی ہیں۔ یہ حدیث ایک ہی ہے البتہ مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف و تناقض نہیں ہے جس کی تطبیق کی ضرورت پڑے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے ہر کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے بابرکت اور عظیم الشان نام کے ساتھ کیا جائے، چاہے وہ تسمیہ کی صورت میں ہو یا تحمید یا ذکر اللہ کی صورت میں۔ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ بہت سے مصنفین کو الفاظ کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس بات کا وہم ہوا کہ یہ حدیث متعدد ہے، پس انہوں نے تطبیق دینے کے لئے ابتداء کی تین قسمیں گھڑ دیں، حقیقی، اضافی اور عرفی، بعض الفاظ کو ابتداء حقیقی پر اور بعض کو ابتداء اضافی پر محمول کیا جیسا کہ مشہور ہے، یہ سب تکلف پر مبنی ہے اور اس فن حدیث اور ان کے قواعد و تحقیقات سے غفلت اور لاپرواہی کے نتیجے میں انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ احادیث

(۱) صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب ما یقول الرجل إذا أتى أهله، ج ۷ ص ۲۳، رقم الحدیث: ۵۱۶۵ / صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب ما یستحب أن یقولہ عند الجماع، ج ۲ ص ۱۰۵۸، رقم الحدیث: ۱۴۳۴

مختلف ہیں (اور ان میں تعارض ہے تو تطبیق کے لئے ان اقسام کا سہارا لیا) حالانکہ انہیں معلوم نہیں ہے یہ ایک ہی حدیث ہے البتہ اختلاف الفاظ میں ہے۔ دیکھئے تفصیلاً:

معارف السنن شرح سنن الترمذی: مقدمة، ج ۱ ص ۶۳، ۶۴

اب اس حدیث کی کچھ تحقیق عرض کی جاتی ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ کن

کتب حدیث میں مروی ہے اور فنی اعتبار سے اس کا حکم کیا ہے۔

”كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ فَهُوَ أَجْزَمٌ“

مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ روایت ”سنن ابی داود“ میں موجود ہے۔^(۱)

سنن ابن ماجہ میں روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

”كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ أَقْطَعُ“^(۲)

”صحیح ابن حبان“ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

”كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِحَمْدِ اللَّهِ فَهُوَ أَقْطَعُ“^(۳)

یعنی انہی الفاظ کے ساتھ ”عمل الیوم واللیلۃ“ میں ہے۔ دیکھئے:

باب ما يستحب من الكلام عند الحاجة، ج ۱ ص ۳۴۵، رقم

الحدیث: ۴۹۴

انہی الفاظ کے ساتھ ”السنن الکبریٰ للنسائی“ میں موجود ہے۔ دیکھئے:

کتاب عمل الیوم واللیلۃ: باب ما يستحب من الكلام عند الحاجة،

ج ۹ ص ۱۸۲، رقم الحدیث: ۱۰۲۵۵

(۱) سنن ابی داود: کتاب الأدب، باب الہدی فی الکلام، ج ۳ ص ۲۶۱، رقم

الحدیث: ۴۸۴۰

(۲) کتاب النکاح: باب خطبۃ النکاح، ج ۱ ص ۶۱۰، رقم الحدیث: ۱۸۹۴

(۳) مقدمة: باب ما جاء فی الابتداء، ج ۱ ص ۱۷۳، رقم الحدیث: ۱

انہی الفاظ کے ساتھ ”سنن الدار قطنی“ میں بھی ہے۔ دیکھئے:

کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۴۲۷، رقم الحدیث: ۸۸۳

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے ”قرۃ بن عبد الرحمن بن حیوئیل“ کے ان سے امام اوزاعی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے وہ ان کی توثیق کرتے ہیں لیکن امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم، امام نسائی رحمہم اللہ نے ان پر جرح کی ہے۔ دیکھئے تفصیلاً:

تہذیب التہذیب: حرف القاف، من اسمہ قرۃ، ج ۸ ص ۳۷۲، ۳۷۳

امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے شواہد میں روایت نقل کی ہے۔ دیکھئے:

صحیح مسلم: کتاب المساقاة، باب بیع القلادة فیہا خرز وذهب،

ج ۳ ص ۱۲۱۴، رقم الحدیث: ۱۵۹۱

خلاصہ کلام ہے کہ روایت ان الفاظ کے ساتھ حسن درجے کی ہے۔

نیز اس روایت کا متابع بھی موجود ہے، متابع سعید بن عبد العزیز ہیں۔ دیکھئے تفصیلاً:

السنن الکبریٰ للنسائی: کتاب عمل الیوم واللیلۃ، ما یتحب من

الکلام عند الحاجة، ج ۹ ص ۱۸۴، رقم الحدیث: ۱۰۲۵۶

نیز کبار محدثین کے ہاں یہ روایت حسن درجے کی ہے، اختصار کے ساتھ چند ایک ہی

تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ (متوفی ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن درجے

کی ہے جو صحیح سے کم تر اور ضعیف سے بڑھ کر ہے، اس روایت کے رجال صحیحین کے راوی

ہیں سوائے قرہ بن عبد الرحمن کے، امام مسلم رحمہ اللہ ان سے روایت تخریج کرنے میں

منفرد ہیں:

ان الحدیث حسن دون الصحیح وفوق الضعیف محتجا بأن رجال

الصحیحین سوی قرۃ قال فإنه ممن انفرد مسلم عن البخاری

بالتخریج له۔ (۱)

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے:

والمشهور رواية أبي هريرة وهذا الحديث حسن۔ (۲)

امام ذہبی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ان سے روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے دیگر روایات کے ساتھ بطور شواہد کے نقل کی ہے، اور اس کے لئے اصل کا حکم نہیں ہے، ان سے سنن اربعہ والوں نے روایت تخریج کی ہے یعنی ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے، بے شک یہ حدیث صحیح ہے، جیسے کہ دو کبار اہل علم امام ابن حبان اور امام ابن البیہق رحمہما اللہ نے دعویٰ کیا:

وانا أقول لم يخرج له مسلم إلا في الشواهد مقرونا بغيره وليس لها حكم

الأصول وإنما خرج له الأربعة أبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجه، ان

الحديث صحيح كما ادعاه هذان الحبران ابن حبان وابن البيع۔ (۳)

نیز آگے امام سبکی رحمہ اللہ نے قرہ بن عبد الرحمن کی توثیق نقل کی ہے اور ان پر کی گئی جرحوں کے تفصیلاً جواب دیئے ہیں۔ دیکھئے:

طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۱۰

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ

روایت حسن درجے کی ہے:

وقد علمت أن الصواب حسنه۔ (۴)

(۱) طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۹

(۲) شرح النووي على مسلم: مقدمة، فصل، ج ۱ ص ۴۳

(۳) طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۱۰

(۴) البدر المنير: كتاب النكاح، باب استجاب الخطبة، الحديث الأول، ج ۷ ص ۵۳۰

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ وہ حدیث جسے ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، اور ابن حبان نے بھی اس روایت کی تصحیح نقل کی ہے، اس روایت کی سند میں کلام ہے، اور اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو جو روایت ”بحمد اللہ“ کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے وہ روایت مشہور ہے، اس کے علاوہ جن الفاظ کے ساتھ روایت مروی ہے جنہیں امام نووی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے ان کے بعض طرق کی اسانید واہی (نہایت کمزور) ہیں:

والحدیث الذی أشار إلیہ أخرجه أبو عوانة فی صحیحہ وصحہ ابن حبان ایضاً وفی إسنادہ مقال وعلی تقدیر صحته فالروایة المشهورة فیہ بلفظ حمد اللہ وما عدا ذلك من الألفاظ التي ذکرها النووی وردت فی بعض طرق الحدیث بأسانیدها واهیة۔^(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید علامہ سخاوی رحمہ اللہ (متوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، اور میں نے تسمیہ سے متعلق روایت پر ایک جز لکھا ہے:

حدیث کل أمر ذی بال لا یبدأ فیہ بحمد اللہ فهو أقطع۔ ابو داؤد

وابن ماجہ عن ابی ہریرة به مرفوعاً وأفردت فیہ جزاً۔^(۲)

محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے۔

اگر بالفرض والمحال یہ روایت ضعیف ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ فضائل

میں ضعیف روایت پر عمل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) فتح الباری: کتاب التفسیر، باب قوله تعالى قل یا اهل الكتاب تعالوا..... الخ، ج ۸

ص ۲۲۰

(۲) المقاصد الحسنة: حرف الکاف، ص ۵۱۳، رقم الحدیث: ۸۱۷

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے باب باندھا ہے ”باب التشدد فی احادیث الأحكام والتجوز فی فضائل الأعمال“ اس کے تحت امام احمد رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) کا قول نقل کیا ہے کہ جب ہم حلال و حرام، سنن و احکام کی روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں تو اسانید میں سختی کرتے ہیں، اور جب ہم فضائل سے متعلق روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل برتتے ہیں:

إذا روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا في الأسانيد وإذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في فضائل الأعمال.... تساهلنا في الأسانيد- (۱)

امام نووی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ محدثین، فقہاء اور دیگر اہل علم نے فرمایا کہ فضائل، ترغیب و ترہیب میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے جب تک کہ موضوع نہ ہو، البتہ احکام جیسے حلال و حرام، بیع و نکاح اور طلاق سے متعلقہ احکام میں عمل جائز نہیں ہے مگر حدیث صحیح یا حسن پر:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا واما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن- (۲)

نیز امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے فضائل میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے نہ کہ حلال و حرام میں:

(۱) الكفاية في علم الرواية: باب التشدد في احاديث الأحكام، ج ۱ ص ۱۳۳

(۲) الأذكار: مقدمة: فصل في حكم العمل بالحديث الضعيف، ص ۳۶

اتفاق العلماء على العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال

دون الحلال والحرام۔ (۱)

سلطان محمد ثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۳ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے فضائل میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے:

لكن يعمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال باتفاق العلماء۔ (۲)

محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت درست ہو تو فیہا ورنہ موضوع روایت کے علاوہ فضائل میں ضعیف روایت پر عمل جائز ہے:

فإن صح وإلا فالضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل

الأعمال۔ (۳)

علامہ مرتضیٰ حسن زبیدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ علماء حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع روایت کا نقل کرنا جائز نہیں ہے کسی بھی صورت میں مگر یہ کہ اس کے موضوع ہونے کو بیان کیا جائے، بخلاف ضعیف حدیث ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ میں ان کا روایت کرنا جائز ہے:

قد اطبق على ذلك علماء الحديث فجزموا بأنه لا يحل رواية

الحديث الموضوع في أي معنى كان إلا مقرونا ببيان وضعه

بخلاف الضعيف فإنه يجوز روايته في غير الأحكام والعقائد۔ (۴)

بہر حال یہ میرا موضوع نہیں ہے ورنہ میں بفضل اللہ تعالیٰ کم از کم تیس حوالے اس پر

ذکر کر سکتا ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس روایت کے تمام روای ثقہ ہیں سوائے قرہ بن

(۱) المجموع شرح المہذب: کتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، ج ۳ ص ۲۴۸

(۲) مرقاة المفاتیح: کتاب الصلاة، باب قیام شهر رمضان، ج ۳ ص ۹۶۹

(۳) فتح القدیر: کتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۴۹

(۴) إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين: ج ۱ ص ۴۱۷

عبدالرحمن کے، اور ان سے بھی امام مسلم رحمہ نے شواہد میں روایت نقل کی ہے، اور امام اوزاعی اور سبکی رحمہما اللہ نے ان کی توثیق نقل کی ہے۔ نیز امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کا متابعت بھی نقل کیا ہے، اور اس روایت کو کبار محدثین نے اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے، جن میں صحاح ستہ کے محدثین بھی شامل ہیں، نیز بلند پایہ محدثین نے اس روایات کی تحسین کی ہے جن میں علامہ ابن صلاح، امام نووی، علامہ تاج الدین سبکی، علامہ ابن الملقن، حافظ ابن حجر، امام سخاوی، امام عجلونی رحمہم اللہ اور دیگر کئی محدثین شامل ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ روایت ضعیف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، محدثین کے ہاں فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ نیز یہ روایت مرسل بھی مروی ہے اور اس کی سند درست ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) والمرسل هو الصواب۔

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) بھی مرسل روایت کو درست قرار دیتے ہیں:

(۲) والصحيح عنه مرسلا۔

اگر روایت مرسل ہو تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں جمہور علماء کے ہاں مرسل روایت حجت ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

(۳) والمرسل عندنا وعند جمهور العلماء حجة۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ مرسل حدیث ہمارے اور جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے:

(۱) سنن الدار قطنی: کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۴۲۷، رقم الحدیث: ۸۸۳

(۲) إرواء الخلیل فی تخریج احادیث منار السبیل: مقدمة، ج ۱ ص ۳۲، رقم الحدیث: ۲

(۳) فتح القدیر: کتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۴۰

لكن المرسل حجة عندنا وعند الجمهور۔^(۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ”بحمد اللہ“ کے الفاظ کے ساتھ روایت حسن درجے کی ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی ترغیب دینا جائز ہے۔

یہ روایت ”بذکر اللہ“ کے الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

کل کلام أو امر ذی بال لا یفتح بذکر اللہ فهو أبترا أو قال أقطع۔^(۲)

کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ بذکر اللہ أقطع۔^(۳)

ان الفاظ کے ساتھ بھی اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے قرہ بن عبد الرحمن کے اور اس پر تفصیلاً بحث ما قبل میں ہو چکی ہے۔

یہ روایت ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کے الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم فهو أبترا۔

اس روایت کا اصل ماخذ حافظ عبد القادر الراہوی رحمہ اللہ کی ”اربعین“ ہے لیکن باوجود

تلاش کے یہ اصل کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے اس حدیث کے تحت نقل کیا

ہے کہ یہ روایت خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تاریخ میں نقل کی ہے:

و کذا الخطیب فی تاریخہ عن ابی ہریرۃ۔^(۴)

یہ امام مناوی رحمہ اللہ کا تسامح ہے یہ روایت خطیب نے تاریخ میں نہیں بلکہ اپنی

کتاب ”الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع“ میں نقل کی ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(۱) مرقاة المفاتیح: کتاب الطہارۃ، باب ما یوجب الوضوء، ج ۱ ص ۳۶۸

(۲) مسند أحمد: مسند ابی ہریرۃ، ج ۱۳ ص ۳۲۹، رقم الحدیث: ۸۷۱۲

(۳) سنن الدارقطنی: کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۴۲۸، رقم الحدیث: ۸۸۴

(۴) فیض القدیر: حرف الکاف، ج ۵ ص ۱۳، رقم الحدیث: ۲۲۸۴

(ما یبتدئ به المستملی من القول ینبغی ان یقرأ إلخ، ج ۲

ص ۶۹، رقم الحدیث: ۱۲۱۰)

نیز اس روایت کو سند کے ساتھ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ) نے بھی نقل کیا ہے، دیکھئے:

(طبقات الشافعیة الكبرى: مقدمة، ج ۱ ص ۱۲)

لیکن ان دونوں سندوں میں راوی ”احمد بن محمد بن عمران ابوالحسن بن الجندی“ موجود ہے، اور یہ راوی ضعیف ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت میں ضعیف ہیں، اور مذہب کے اعتبار سے بھی ان پر طعن موجود ہے، نیز امام ازہری رحمہ اللہ نے فرمایا: لیس بشیء۔^(۱)

یہی جرح امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے بھی نقل کی ہے، لیکن آخر میں یہ بھی نقل کیا کہ میں کہتا ہوں ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے:

قلت: روی عنه خلق۔^(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) نے بھی خطیب کی مذکورہ جرح نقل کرنے کے ساتھ یہ بھی نقل کیا ہے:

وقال العتیقی کان یرمی بالتشیع وأورد بان الجوزی فی

الموضوعات۔^(۳)

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) نے ان سے مروی روایت کو موضوعات میں نقل کیا ہے، اور ان کے متعلق خطیب بغدادی، امام ازہری اور امام عتقی رحمہم اللہ کی جرح نقل کی ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(۱) تاریخ بغداد: ترجمة: احمد بن محمد بن عمران، ج ۵ ص ۲۸۲، رقم الترجمة: ۲۷۸۰

(۲) میزان الاعتدال: ترجمة: احمد بن محمد بن عمران، ج ۱ ص ۱۳۷، رقم الترجمة: ۵۷۵

(۳) لسان المیزان: ترجمة: احمد بن محمد بن عمران، ج ۱ ص ۲۸۸، رقم الترجمة: ۸۵۲

(الموضوعات: کتاب الفضائل والمثالب، ج ۱ ص ۳۶۸، ۳۶۹)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۰ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ یہ روایت ”ضعیف جدا“ ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(إرواء الغلیل: مقدمة: ج ۱ ص ۲۹، ۳۰، رقم الحدیث: ۱)

علامہ احمد بن محمد بن صدیق غماری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۰ھ) کی تحقیق کے مطابق ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت موضوع ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(المداوی لعل الجامع الصغیر وشرحی المناوی: حرف الکاف،

ج ۵ ص ۲۹، رقم الحدیث: ۶۲۸۳)

ان الفاظ کے ساتھ ”کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ بحمد اللہ والصلاة علی
فهو اقطع ابتر، ممحوق من کل برکة“

یہ روایت موضوع ہے۔ اس کی مکمل سند امام سبکی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے، اس میں
ایک راوی اسماعیل بن ابی زیاد شامل ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”متروک
یضع الحدیث“ دیکھئے تفصیلاً:

(میزان الاعتدال: ترجمة: إسماعیل بن ابی زیاد، ج ۱ ص ۲۳۱،

رقم الحدیث: ۸۸۴)

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے، دیکھئے:

(طبقات الشافعیة الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۱۹)

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اسماعیل بن ابی زیاد بہت ضعیف راوی ہے ان
کی روایت اور زیادت کا اعتبار نہیں ہے:

وهو ضعيف جدا لا يعتبر بروايته ولا بزيادته۔

امام خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شیخ ضعیف۔

اس میں ایک راوی حسن بن ابی القاسم اصہبانی ہے، امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مجہول ہے، نیز ان سے مروی روایت ان اسانید کے ساتھ ہے جو ضعفاء اور مجاہیل راویوں سے بھری ہوئی ہے:

بأسانید کلھا مشحونة بالضعفاء والمجاہیل۔^(۱)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو موضوع کہا ہے، دیکھئے:

(سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة: ج ۲ ص ۳۰۳، رقم: ۹۰۲)

پانچویں بحث: تسمیہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

اہل علم حضرات تسمیہ کے فضائل سے متعلق تفصیلاً روایات کے لئے ان تفاسیر کی طرف مراجعت فرمائیں۔

۱..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں گیارہ (۱۱) روایات نقل کی ہیں، نیز روایات میں اگر سناً کچھ کلام ہے تو اس کی بھی نشاندہی بھی کی ہے، دیکھئے:

(تفسیر ابن کثیر: فصل فی فضلہا، ج ۱ ص ۳۳ تا ۳۶)

۲..... علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے ”فصل فی فضل البسملة“ کا عنوان ڈال کر تسمیہ کی فضیلت سے متعلق مختصر مگر عمدہ بحث کی ہے، دیکھئے:

(اللباب فی علوم الكتاب: ج ۱ ص ۱۵۵، ۱۵۶)

۳..... علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے تسمیہ کی فضیلت سے متعلق سترہ (۱۷) روایات کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے، کتب حدیث سے بسم اللہ کے متعلق احادیث و آثار کا ایک عمدہ ذخیرہ جمع کیا ہے، لیکن صحت کا التزام نہیں کیا ہے:

(۱) فیض القدير: حرف الكاف، ج ۵ ص ۱۲، رقم الحدیث: ۲۲۸۵

(الدر المنتور فی تفسیر الماثور: قوله تعالى: بسم الله الرحمن

الرحيم، ج ۱ ص ۲۱ تا ۳۰)

۴..... علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے ”وقد ورد فی فضلها احادیث“ کا عنوان ڈال کر آٹھ (۸) روایات کو نقل کیا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ شریعت میں بہت سارے مواقع پر تسمیہ پڑھنا مشروع ہے، شارع نے ان مقامات کو بیان کیا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں: وضو کی ابتداء میں، ذبح کے وقت، کھانے کے شروع میں، جماع کرتے وقت اور اس کے علاوہ دیگر مواقع میں:

وقد شرعت التسمية في مواطن كثيرة، قد بينها الشارع منها عند

الوضوء، وعند الذبيحة، وعند الأكل، وعند الجماع وغير ذلك۔ (۱)

۵..... علامہ محمد بن عبد اللہ ہرری نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں آٹھ (۸)

احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(حدائق الروح والريحان: البحث الثاني في فضلها، ج ۱ ص ۲۶، ۲۷)

چھٹی بحث: کیا تسمیہ اس امت کے خواص میں سے ہے؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ تسمیہ پڑھنا اس امت کے خواص میں سے ہے یا پہلی امتوں میں بھی اس کے پڑھنے کا رواج تھا؟ علامہ ابو بکر تونسسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امت کے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر کتاب کا افتتاح تسمیہ سے کیا ہے:

اختلف العلماء فيها هل هي من خواص الأمة أم لا فقال

العلامة أبو بكر التونسي إجماع علماء كل ملة على أن الله تعالى

افتتح كل كتاب بها۔ (۲)

(۱) فتح القدير: ج ۱ ص ۱۸، ۱۹

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، آیت نبر کے تحت، ج ۱ ص ۴۱

تسمیہ کی ایک امتیازی حیثیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن حکیم کی ایک سوچودہ سورتوں میں سے سورہ توبہ کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی ابتدائی آیت مبارکہ ہے، ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يعرف فصل السورة حتى تنزل

عليه بسم الله الرحمن الرحيم- (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی سورتوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل ہونے سے پہچانتے تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی آیات طیبات کا نزول ہوتا رہتا تھا، جب بسم اللہ نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جاتا کہ پہلی سورت مکمل ہو چکی ہے اور اب نئی سورت کا نزول شروع ہو گیا ہے۔

اس سے آپ بسم اللہ کی عظمت اور شان کا اندازہ فرمائیں کہ قرآن حکیم کی کوئی آیت ایک مرتبہ نازل ہوئی، کوئی آیت دو دفعہ نازل ہوئی، کوئی تین دفعہ نازل ہوئی، مگر بسم اللہ کی عظمت و بزرگی کا یہ عالم ہے کہ یہ آیت مقدسہ اللہ رب العالمین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ایک سوچودہ مرتبہ نازل فرمائی گئی۔

واضح رہے کہ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے مگر سورہ نمل میں دو دفعہ ہے، ایک مرتبہ شروع سورت میں اور دوسری بار اسی سورت کی آیت نمبر ۳۰ میں۔ لہذا اس کی تعداد قرآن کریم کی سورتوں کی تعداد کے برابر ہے۔

ساتویں بحث: تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی ایک آیت تامہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے اتارا ہے، لیکن یہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

(۱) سنن ابی داود: کتاب الصلاة، باب من جهر بها، ج ۱ ص ۲۰۹، رقم الحدیث: ۷۸۸

مفسرین احناف کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں

۱..... علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء و فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ سورتوں میں سے کسی کا جز ہے، تسمیہ کو سورتوں کی ابتداء میں فاصلے اور برکت کے لئے لکھا جاتا ہے، یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تبعین کا مذہب ہے:

قراء المدينة والبصرة والشام وفقهاؤها على ان التسمية ليست بأية

من الفاتحة ولا من غيرها من السور، وإنما كتبت للفصل والتبرک

للابتداء بها، وهو مذهب ابي حنيفة ومن تابعه رحمهم الله۔^(۱)

۲..... علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے

ہیں کہ فقہاء کے درمیان اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں جو سورتوں کے شروع میں ہے، متقدمین احناف اس بات کے قائل ہیں کہ یہ قرآن کریم کا جز نہیں ہے، اور انہوں نے قرآن کریم کی تعریف میں تواتر کے ساتھ ”بلا شبہة“ کی قید لگا کر اس تسمیہ سے احتراز کیا ہے، اور جب متاخرین علماء احناف نے دلائل میں غور و فکر کیا تو ان کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ تسمیہ قرآن کریم کا جز ہے تو انہوں نے کہا کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے اور یہ سورتوں کے درمیان فصل اور برکت کے لئے اتاری گئی ہے:

إنما الخلاف في البسمة التي في أوائل السور فعند قدماء الحنفية

أنها ليست من القرآن وأن تقييد التواتر في تعريف القرآن

بقولهم بلاشبہة احتراز عنها ولما لاح للمتأخرين منهم بالنظر إلى

الأدلة أنها من القرآن قالوا الصحيح من المذهب أنها آية

واحدة من القرآن أنزلت للفصل والتبرک۔^(۲)

(۱) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۵

(۲) حاشیة محی الدین شیخ زادہ علی تفسیر القاضی البیضاوی: ج ۱ ص ۲۸

۳..... علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ متقدمین علمائے احناف، مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء اور فقہاء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی مستقل ایک آیت ہے اور یہ سورتوں کے درمیان فصل اور برکت کے لئے اتاری گئی ہے اور یہی بات درست ہے:

المشهور من مذهب قدماء الحنفية، وعليه قرأء المدينة والبصرة والشام وفقهاؤها، إنها آية مفردة من القرآن أنزلت للفصل والتبرك بها وهو الصحيح^(۱)

۴..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ مدینہ اور بصرہ کے قراء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء کوفہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ اس کے علاوہ دیگر سورتوں کا جز ہے، سورتوں کے آغاز میں جو تسمیہ ہے یہ برکت کے حصول کے لئے ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کا جز نہیں ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ تسمیہ سورتوں کے درمیان فصل کے لئے اتاری گیا ہے:

ذهب قراء المدينة والبصرة وأبو حنيفة وغيره من فقهاء الكوفة إلى أنها ليست من الفاتحة ولا من غيرها من السور والافتتاح بها للتيمن فليل وليست من القرآن والحق أنها من القرآن أنزلت للفصل^(۲)

۵..... علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارا درست مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی مستقل ایک آیت ہے اور قرآن کا جز ہے اگرچہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے:

(۱) تفسیر ابي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸

(۲) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲

لأن الصحيح من مذهبنا أنها آية مستقلة وهي من القرآن وإن لم

تكن من الفاتحة۔ (۱)

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور ہر سورت کا بھی جز ہے۔

مفسرین شوافع کی تصریحات ملاحظہ کریں

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ مکہ اور کوفہ کے قراء

اور اکثر حجاز کے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور یہی حضرت عبداللہ بن

مبارک اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ کا قول ہے:

وقال قراء مكة والكوفة واكثر فقهاء الحجاز إنها آية من الفاتحة،

وهو قول ابن المبارك والثوري۔

پھر اس کے بعد امام علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفصیلاً اپنے مذہب کی ترجیح

کے لئے سولہ (۱۶) دلائل نقل کئے ہیں، اہل علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت

کریں۔ (۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے تفصیلاً پہلے امام رازی رحمہ اللہ کے تمام

ادلہ کے ایک ایک کر کے جوابات دیئے، پھر مذہب احناف کی ترجیح کے لئے قوی ادلہ نقل

کئے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس مقام پر طویل گفتگو کی ہے

اور سولہ (۱۶) دلائل اس بات کے اثبات پر نقل کئے ہیں کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے، جیسا کہ

ان کے کلام میں اس بات کی صراحت موجود ہے، پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کا رد

کرتا ہوں، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے (محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے) اور میں اپنے

مذہب کی نصرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید اور نصرت سے یہ بات کہتا ہوں:

(۱) احکام القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵

(۲) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۷۳

وقد أطلال الفخر في هذا المقام المقال وأوردت عشرة حجة
لإثبات أنها آية من الفاتحة كما هو نص كلامه فيها أنا بتوفيق الله
تعالى رادة ولا فخر وناصر مذهبي بتأييد الله تعالى ومنه التأييد
والنصر فأقول- (۱)

اس کے بعد دس صفحات میں اسی موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور امام رازی رحمہ اللہ
کے تمام ادلہ کے جوابات دیئے پھر احناف کے دلائل نقل کئے، باذوق حضرات اصل تفسیر کی
طرف مراجعت فرمائیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ ہی قرآن کریم
کی کسی اور سورت کا جز ہے۔

مالکی مفسرین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ
اس کے علاوہ کسی اور سورت کا، اور یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے:

ليست بآية من الفاتحة ولا غيرها، وهو قول مالك-

تمام اقوال میں صحیح قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کیوں کہ کسی چیز کا قرآن ہونا خبر
واحد سے ثابت نہیں ہو سکتا، اس کے لئے ایسے قطعی توائر کا ہونا ضروری ہے جس میں
اختلاف کی گنجائش نہ ہو:

الصحيح من هذه الأقوال قول مالك، لأن القرآن لا يثبت بأخبار

الآحاد وإنما طريقة التواتر القطعي الذي لا يختلف فيه- (۲)

علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) امام مالک کا مذہب نقل کرتے

(۱) روح المعانی: الاختلاف في البسمة، ج ۱ ص ۵۴ تا ۶۵

(۲) تفسیر القرطبی: البسمة، الخامسة، ج ۱ ص ۱۲۹

ہوئے فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ سورہ نمل کی آیت میں جو بسم اللہ ہے یہ قرآن کریم کا جز ہے، اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں ہے جو ہر صورت کے شروع میں ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو تسمیہ ہے یہ قرآن کی آیت نہیں ہے، یہ آغاز کلام کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سورت کی ابتداء یہاں سے ہو رہی ہے:

اتفق الناس على أنها آية من كتاب الله تعالى في سورة النمل،

واختلفوا في كونها في أول كل سورة، فقال مالك وأبو حنيفة:

ليست في أوائل السور بآية، وإنما هي استفتاح ليعلم بها مبتدؤها.

آگے فرماتے ہیں کہ تسمیہ قرآن میں سے نہ ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اس

میں ائمہ کا اختلاف ہے، اگر یہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتا تو ائمہ فقہاء کا اس میں اختلاف نہ ہوتا،

کیوں کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہو سکتا، یقینی بات ہے کہ قرآن کریم کا انکار کرنا کفر ہے:

ويكفيك أنها ليست بقرآن للاختلاف فيها، والقرآن لا يختلف

فيه، فإن إنكار القرآن كفر۔^(۱)

علامہ محمد علی صابونی نے تمام فقہاء کے مذاہب پھر ان کے دلائل تفصیلاً نقل کرنے کے

بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ احناف کا مسلک راجح ہے کیونکہ اس میں اعتدال ہے، افراط

وتفریط نہیں ہے، جبکہ شوافع کا مذہب ہے تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور ہر سورت کا بھی جز

ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے نہ قرآن کی کسی اور سورت کا جز

ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی آیت ہے، جب کہ احناف کا مذہب ہے تسمیہ قرآن کریم کی

ایک مستقل آیت تامہ ہے:

وبعد استعراض الأدلة وما استدلل به كل فريق من أئمة المذهب

نقول لعل ما ذهب إليه الحنفية هو الأرجح من الأقوال فهو المذهب
الوسط بين القولين المتعارضين فالشافعية يقولون أنها من آية من
الفاتحة ومن أوائل كل سورة في القرآن والمالكية يقولون ليست
بآية لا من الفاتحة ولا من القرآن۔^(۱)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت مسلمہ کا اتفاق
ہے کہ ہر دستاویز کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز ہے، خواہ وہ کوئی دینی کتاب
ہو یا خطوط و رسائل ہوں:

اتفقت الأمة على جواز كتبها في أول كل كتاب من كتب العلم
والرسائل۔^(۲)

آٹھویں بحث: تسمیہ کو نماز میں جہراً پڑھا جائے گا یا سراً؟
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ، تابعین، ائمہ
مسلمین اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے کہ تسمیہ کو سورہ فاتحہ کے ساتھ جہراً پڑھا
جائے، جبکہ خلفاء راشدین، عبد اللہ بن مغفل، امام ابو حنیفہ، امام سفیان ثوری، امام احمد بن
حنبل اور سلف میں سے تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اس بات کے قائل ہیں کہ تسمیہ کو
نماز میں سراً پڑھا جائے:

فذهب الشافعي رحمه الله إلى أنه يجهر بها مع الفاتحة والسورة،
وهو مذهب طوائف من الصحابة والتابعين وأئمة المسلمين
وذهب آخرون إلى أنه لا يجهر بالبسملة في الصلاة، وهذا هو
الثابت عن الخلفاء الأربعة وعبد الله بن مغفل، وطوائف من سلف

(۱) روائع البيان في تفسير آيات الأحكام من القرآن: سورة الفاتحة، الترجيح، ج ۱ ص ۳۷

(۲) تفسير القرطبي: البسملة، السادسة، ج ۱ ص ۱۳۳

التابعین والخلف، وهو مذهب أبی حنیفة، والثوری، وأحمد بن حنبل.
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فقہاء کے دلائل کو تفصیلاً لکھا ہے۔ اہل علم حضرات اصل
تفسیر کی طرف مراجعت کریں، دیکھئے:

(تفسیر ابن کثیر: البسملۃ، ج ۱ ص ۱۱۱ تا ۱۱۳)

علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے فقہاء کے اختلافات کو پھر ان کے دلائل کو نہایت
بسط کے ساتھ لکھا ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(حدائق الروح والریحان: ج ۱ ص ۲۹، ۳۰)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۲ھ) نے احناف کے مذہب کو راجح قرار
دیتے ہوئے اختصاراً عمدہ بحث کی ہے، دیکھئے:

(احکام القرآن: احکام البسملۃ، ج ۱ ص ۶)

نویں بحث: تسمیہ کے فقہی مسائل

- ۱..... ہر اچھا کام شروع کرنے سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے۔
- ۲..... وضو سے پہلے تسمیہ پڑھنا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے۔
- ۳..... نماز میں ثناء کے بعد تعوذ کے ساتھ تسمیہ پڑھنا بھی سنت ہے۔
- ۴..... قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے دو سورتوں کے درمیان تسمیہ کا پڑھنا
مستحب ہے۔
- ۵..... حلال جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ پڑھنا فرض ہے۔
- ۶..... سورہ توبہ کے علاوہ قرآن مجید کی ہر سورت کی تلاوت تسمیہ سے شروع کی
جائے۔ اگر تلاوت کی ابتداء ہی سورہ توبہ سے کی جا رہی ہو تو اس کے شروع میں بھی تسمیہ
پڑھی جائے گی۔
- ۷..... اگر شکاری تسمیہ پڑھ کر تیر وغیرہ چلائے، یا شکاری کتے اور باز وغیرہ کو شکار پر

چھوڑتے ہوئے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھ لے تو یہ شکار حلال ہے، اگرچہ بعد میں اس کو اس جانور کے ذبح کرنے کا موقع نہ ملے۔

۸..... ناجائز اور حرام کاموں کو اللہ کے نام (تسمیہ وغیرہ) سے شروع نہیں کرنا چاہئے

ورنہ کفر کا اندیشہ ہے۔

۹..... خطبہ سے پہلے اور کھانا کھانے سے پہلے بھی تسمیہ پڑھنا مستحب ہے۔ (۱)

دسویں بحث: حرف باء چودہ معانی میں استعمال ہوتا ہے

علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ (متوفی ۶۱ھ) نے لفظ باء کے چودہ معانی نقل کئے ہیں:

الاول: اللصاق، الثانی: التعدیة، الثالث: الاستعان، الرابع:

السببیة، الخامس: المصاحبة، السادس: الظرفیة، السابع: البدل،

الثامن: المقابلة، التاسع: المجاوزة، العاشر: الاستعلاء، الحادی

عشر: التبعیض، الثانی عشر: القسم، الثالث عشر: الغایة، الرابع

عشر: التوكید۔

علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ نے ان تمام معانی کو مع امثلہ کے ذکر کیا ہے۔ اس کے

متعلق ماہا وما علیہا تمام مباحث کو تفصیلاً لکھا، اہل علم حضرات مراجعت فرمائیں۔ (۲)

حرف باء کی افادیت

کلمات تسمیہ کا پہلا حرف باء ہے، جس کا معنی ”سے“ کیا گیا ہے یہ فعل محذوف سے

(۱) احکام القرآن للجصاص: البسملة، ج ۱ ص ۱۲ / الفقه الإسلامی وادلتہ، قراءة القرآن

وحفظہ، آداب التلاوة، ج ۲ ص ۱۱۰۱، ۱۱۰۲ / الفتاویٰ الہندیة: کتاب الکراہیة، الباب

الرابع، ج ۵ ص ۳۱۵، ۳۱۶ / احکام القرآن للعثمانی: سورة الفاتحة، احکام البسملة، ج ۱

ص ۳ / حدائق الروح والریحان: مباحث البسملة، ج ۱ ص ۲۵ تا ۲۸

(۲) مغنی اللیب عن کتب الأعاریب: الباب الأول، حرف الباء، ج ۱ ص ۲۷۳ تا ۲۸۷

متعلق ہے، محذوف سے مراد وہ فعل اور فاعل ہے جس کا ذکر یہاں لفظاً نہیں بلکہ معنماً موجود ہے۔ یعنی ”میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے“ گویا حرفِ باءِ فعل محذوف کو اللہ کے نام سے ملانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حرفِ باء کی اپنے استعمال و افادیت کے لحاظ سے متعدد اقسام ہیں، جنہیں علماء نحو نے شرح و وسط کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن یہاں یہ حرف ان میں سے تین اقسام پر مشتمل ہو سکتا ہے:

۱..... بائے مصاحبت - ۲..... بائے استعانت - ۳..... بائے تیمن و تبرک

۱..... بائے مصاحبت

الصاق و مصاحبت کا معنی اکٹھا ہونا، متصل ہونا اور رفاقت و معیت اختیار کرنا ہے، اس صورت میں جب کہ باءِ مصاحبت کے لئے تصور کی جائے تو تسمیہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں اللہ کے نام کو اپنا ساتھی بناتے ہوئے اس کے دامنِ رحمت سے وابستہ اور منسلک ہوتے ہوئے اور محض اسی کی رفاقت و معیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کام کا آغاز کرتا ہوں۔ امام رازی رحمہ اللہ اس مقام پر فرماتے ہیں:

هذا الباء بقاء الإصاق فهو يلصق العبد بالرب فهو كما المقصود - (۱)

یہ ”باء“ بائے الصاق ہے چنانچہ یہ بندے کو رب سے ملائی ہے اور یہی انسانی مقصود کا

کمال ہے۔

بسم اللہ کے ذریعے دل و دماغ میں یہ احساس جاگزیں کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو گے تو اس کی معیت تمہیں حاصل ہوگی، جس کی معیت و حفاظت کے باعث تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچ سکے گا اور نہ ہی تمہاری کاوشیں بے نتیجہ ہوں گی۔ اسی تصور کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

وَ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۰۱﴾ (الحدید)

اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کام کو دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح شبِ ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غارتور میں تنہائی کے احساس سے کچھ خدشہ سا محسوس ہوا کہ شاید کفار مکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں تھے انہیں نقصان نہ پہنچادیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بزبان وحی ارشاد فرمایا:

لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ (التوبة)

غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین

نازل فرمادی۔

۲..... بائے استعانت

استعانت سے مراد مدد طلب کرنا ہے، اس معنی کے لحاظ سے مفہوم تسمیہ یہ ہوگا کہ اللہ کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں، حضرت نوح علیہ السلام نے قیامت خیز طوفان سے اپنے پیروکاروں کو بچانے کے لئے حکم الہی سے ایک کشتی بنائی اور انہیں اس میں سوار ہو جانے کو کہا۔ قرآن حکیم اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّي لَعَفُورٌ

رَّحِيمٌ ① (ہود)

اور نوح نے کہا: تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اُس کا چلنا اور

اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

گویا اس آیت مبارکہ کے ذریعے جملہ مبہمات میں خدائے رحمن رحیم کے نام سے استعانت کی تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ انسان پر یہ حقیقت آشکارا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت کے بغیر نہ تو کسی خیر کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی شر سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم میں حرف باء کا استعمال کئی مقامات پر اسی مقصد کے لئے ہوا ہے۔ ارشاد

خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ

الصَّابِرِينَ ② (البقرة)

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔

یہاں صبر اور نماز دونوں کو ذریعہ استعانت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ استعانت تو لامحالہ باری تعالیٰ سے ہوگی، لیکن اس کے کامل استحقاق کے لئے صبر و نماز کو اپنا لو تا کہ ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور عنایت و اعانت زیادہ سے زیادہ نصیب ہو سکے۔ اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں واضح کیا گیا ہے:

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا (الأعراف: ۱۲۸)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

۳..... بائے تبرک

تبرک کا معنی برکت حاصل کرنا ہے، لہذا بائے تبرک کے حوالے سے تسمیہ کا معنی یہ ہوگا کہ ”اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں“ خدا کے نام سے شروع کرنا اس اعتبار سے باعث برکت ہے کہ اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اسباب و وسائل کا مہیا کرنا بھی تو اسی کام ہے، اس لئے جب اس ذات کے مقدس نام سے برکت طلب کی جائے تو وہ ذات اس کام کا انجام تک پہنچانا آسان کر دیتی ہے اس لئے حدیث مبارکہ کی روشنی میں جو کام بسم اللہ پڑھے بغیر شروع کیا جائے وہ دُم بریدہ اور ناقص رہ جاتا ہے۔ جس امر کا افتتاح خدا کے ذکر کے بغیر ہوگا، انجام خیر تک نہیں پہنچے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ باء استعانت کے لئے ہے یا مصاحبت یا الصاق یا استعلاء یا زائدہ یا قسم کے لئے ہے، آخری چار معانی مراد لینا یہاں درست نہیں ہے، اب اختلاف اس میں کہ رائج معنی کون سا ہے، امام بیضاوی رحمہ

اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے والے یعنی استعانت کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ جب کہ امام زختری رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا معنی یعنی مصاحبت والے کو ترجیح حاصل ہے۔ جب کہ میرے نزدیک راجح استعانت والا معنی ہے، بلکہ قریب ہے کہ یہی معنی متعین ہو اس لئے کہ اس میں ادب، عاجزی اور عبودیت کا اظہار زیادہ ہے، جو مصاحبت والا معنی مراد لینے کی صورت میں نہیں ہے:

فالباء إما للاستعانة أو المصاحبة أو الإلصاق أو الاستعلاء أو زائدة
أو قسمية والأربعة الأخيرة ليست بشيء و اختلف في الأرجح من
الأولين فالذي يشعر به كلام البيضاوي أرجحية الأول... ما يدل
عليه كلام الزمخشري أرجحية الثاني... وعندى: أن الاستعانة
أولى بل يكاد أن تكون متعينة إذ فيها من الأدب والاستكانة
وإظهار العبودية ما ليس في دعوى المصاحبة۔^(۱)

گیارہویں بحث: حرف باء کے ذریعے قرآن کریم

شروع کرنے کی حکمت

- ۱..... الف میں ترفع اور تکبر ہے جبکہ لفظ باء میں عاجزی اور تواضع ہے۔
- ۲..... حرف باء ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اس میں صورتاً انکساری کا معنی ہے۔
- ۳..... حرف باء صرف ایک نقطے کو قبول کرتا ہے جیسے محبت ایک محبوب کو قبول کرتا ہے۔
- ۴..... الف حرف علت ہے بخلاف باء کے۔

(۱) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم: سورة الفاتحة، البحث الثالث فی معناها، ج ۱

۵..... باء حرف شفوی میں سے ہے، سب سے پہلا لفظ جو انسانی زبان سے جاری ہوا وہ باء ہے کیونکہ ”عَهْدِ اَلْسَتْ“ کے جواب میں لفظ ”بَلَى“ کہا، تو اس میں سب سے پہلا حرف باء ہے:

احدها: أن فی الألف ترفعا وتكبيرا وفي الباء انكسارا وتواضعا،
ثانيها: أن الباء مكسورة أبدا وانكسار في الصورة، ثالثها: أنه لما
عرضت عليها النقط ما قبلت إلا واحدة ليكون حالها كحال محب
لا يقبل إلا محبوبا واحدا، رابعها: أن الألف حرف علة بخلاف
الباء- خامسها: أن الباء حرف شفوي ولذلك كان اول انفتاح نسيم
الذرة الإنسانية في عهد الله بربكم بالباء في جواب بلى فلما كان
الباء اول حرف نطق به الانسان- (۱)

علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا آغاز لفظ باء سے کیا، اس میں کئی حکمتیں ہیں:

۱..... ازل میں عالم مثال میں سب سے پہلے انسانوں نے جس حرف پر تکلم کیا وہ لفظ باء ہے، جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں سے وعدہ لیا ”اَلْسَتْ بِرَبِّكُمْ“ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب میں لفظ ”بلی“ کہا اور اس میں سب سے پہلا حرف باء ہے۔
۲..... اکثر کبار محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے بچہ سب سے پہلے عموماً جس لفظ پر تکلم کرتا ہے وہ ”باء“ ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اس نے ازل میں ”عَهْدِ اَلْسَتْ“ کے جواب میں لفظ ”بَلَى“ کہا ہے (اور عالم ازل میں چونکہ سب سے پہلے تکلم ”باء“ پر کیا تھا اس لئے عالم دنیا میں بھی عموماً انسان سب سے پہلے اس پر تکلم کرتا ہے)۔

۳..... قرآن کریم کا آغاز تسمیہ سے ہوتا ہے اور اس میں پہلا حرف لفظ ”باء“ ہے۔

۴..... حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مہتمم بالشان کام کا آغاز بسم اللہ سے کرو، اور بسم اللہ کی ابتداء میں سب سے پہلا حرف ”باء“ ہے:

منها أنها أول حرف نطق به بنو آدم في عالم المثال في الأزل حيث قالوا بلى في جواب قوله تعالى الست بربكم وأول حرف بلى هو الباء، منها ما صرح به غير واحد من المفسرين الكبار أن أول حرف يتكلم به الطفل غالبا حرف الباء وذلك من نتائج ما قالوا في الأزل بلى في جواب سؤاله تعالى الست بربكم، منها أنها أول القرآن، منها أنها أول كل امر ذي بال، حديث يبدأ بالبسملة وأول البسملة الباء۔^(۱)

بسم اللہ کے باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ

سوال: رسم الخط کا قاعدہ یہ ہے کہ جس اسم کے شروع میں ہمزہ وصل ہو تو وہ اسم درمیان کلام میں ہوگا یا اول کلام میں، اگر اول کلام میں ہو تو ہمزہ وصل کتابت اور تلفظ دونوں میں باقی رہے گا، اور اگر درمیان میں ہو تو ہمزہ وصل کتابت میں باقی رہتا ہے لیکن تلفظ میں گرجاتا ہے۔ جیسے ”اقرا باسم ربك“ میں، لہذا ”بسم اللہ“ میں درمیان کلام میں ہونے کی وجہ سے گرجاتا، البتہ کتابت میں باقی رہتا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تلفظ اور کتابت دونوں میں گرا ہوا ہے؟

..... جواب: ”بسم اللہ“ کثرت استعمال کی وجہ سے خفت کا تقاضا کرتا ہے اور کبھی خفت حاصل ہوتی ہے حذف کرنے سے، لہذا یہاں بھی ہمزہ کو کتابت میں حذف کر دیا تاکہ آسانی ہو، اور بالکل نسیا نسیا نہیں کیا بلکہ حذف پر قرینہ موجود ہے۔ یعنی حرف باء کو ذرا طویل کر کے لکھنا تاکہ حذف ہمزہ پر دلالت کرے۔

(۱) فتح اللہ بخصائص اسم اللہ: الباب الثانی والسبعون، ج ۲ ص ۱۷۱

۲..... جواب: علامہ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرف باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا آغاز ایک طویل و عریض لفظ سے ہو، اسی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کاتبوں کو حکم دیا کہ حرف باء کو طویل کر کے لکھو اور سین کے دندانے خوب ظاہر کرو اور میم کو گولائی میں لکھو، کتاب اللہ کی تعظیم کی وجہ سے:

طولوا الباء من بسم الله وما طولوها في سائر المواضع، وذكروا في الفرق وجهين: الأول: أنه لما حذفت ألف الوصل بعد الباء طولوا هذه الباء ليبدل طولها على الألف المحذوفة التي بعدها، قال القتيبي، إنما طولوا الباء لأنهم أرادوا أن لا يستفتحوا كتاب الله إلا بحرف معظم، وكان عمر بن عبد العزيز يقول لكتابه طولوا الباء، وأظهروا السين، ودوروا الميم تعظيماً لكتاب الله۔^(۱)

حرف باء کو کسرہ دینے کی وجہ

باء جارہ کو کسرہ دینے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس کا لفظ بھی اس کے عمل کے مطابق ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ چونکہ باء صرف اسماء پر داخل ہوتی ہے اور کسرہ اسماء کی خصوصیات میں سے ہے اس لئے اسے بھی کسرہ دیا گیا۔ اس کی تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اور ایسے حروف میں فرق واضح ہو جائے جو کبھی کبھی بطور اسم استعمال ہوتے ہیں۔^(۲)

بسم اللہ کے حرف باء میں تمام مضامین کا خلاصہ ہے

علامہ خطیب شربنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ تمام کتابوں کے مضامین کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں ہے، اور سورہ فاتحہ کے معانی و مضامین کا خلاصہ تسمیہ میں

(۱) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الثانی، ج ۱ ص ۱۰۳

(۲) تفسیر القرطبی: الکلام فی البسملة، ج ۱ ص ۱۰۰

ہے، اور تسمیہ کے معانی و مطالب کا خلاصہ لفظ باء میں ہے:

وجميع كل الكتب مجموعة في الفاتحة ومعاني الفاتحة مجموعة في

البسمة ومعانيها مجموعة في بائها۔^(۱)

علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ تمام کتابوں کے معانی و مضامین کا خلاصہ قرآن کریم میں ہے، اور قرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں ہے، اور سورہ فاتحہ کے مضامین کا خلاصہ بسم اللہ میں ہے، اور بسم اللہ کے معانی کا خلاصہ لفظ ”باء“ میں ہے:

ومعاني كل الكتب مجموعة في القرآن ومعاني القرآن مجموعة

في الفاتحة ومعاني الفاتحة مجموعة في البسمة ومعاني البسمة

مجموعة في بائها۔^(۲)

بارہویں بحث: جار مجرور کے لئے متعلق مقدم نکالیں

کے یا مؤخر؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ جار مجرور کے لئے متعلق مقدم نکالیں گے۔ اور جن حضرات نے یہ فرمایا کہ مؤخر نکالیں گے ان کا قول تحقیق سے ہٹ کر ہے:

وعندي هنا يقدر مقدماً، وبه قال الأكثرون وإن تقديره مؤخرًا

مؤخر عن ساحة التحقيق۔^(۳)

(۱) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷

(۲) السراج المنير شرح الجامع الصغير في احاديث البشير النذير: ج ۱ ص ۳

(۳) روح المعاني: سورة الفاتحة، البحث الثالث، ج ۱ ص ۶۸

تسمیہ میں عامل کے حذف کرنے کی وجہ

شریعت نے تمام جائز کاموں میں بسم اللہ پڑھنے کی ترغیب دی ہے اب انسانی افعال غیر محصور ہیں، اگر ہر فعل کو ذکر کیا جاتا تو کلام میں بہت طوالت آجاتی، اس لئے قرینہ کے مطابق اس کا عامل محذوف نکالا جائے گا، مثلاً بوقت تلاوت ”اقرا“ پانی پیتے وقت ”اشرب“ کھانا کھاتے وقت ”اکل“ وغیرہ، تو حذفِ عامل کی وجہ کلام کو طوالت سے بچانا ہے، ورنہ بسم اللہ اتنا طویل ہو جاتا کہ اس کا پڑھنا ہی دشوار ہو جاتا اس لئے عامل کو حذف کیا گیا ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ ہر کام کرنے والے شخص کو چاہئے کہ جس کام کو تسمیہ سے شروع کرے اسی کام پر دلالت کرنے والے لفظ سے ایک فعل مشتق مان کر تسمیہ کو اس کے متعلق کر دے:

كذلك يضمير كل فاعل ما يجعل التسمية مبدا له۔^(۱)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

كل فاعل يبدا في فعله بسم الله كان مضمرا ما جعل التسمية

مبدا له۔^(۲)

تسمیہ سے پہلے حذفِ فعل کے فوائد

سوال: بسم اللہ سے پہلے کسی فعل کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا، یعنی ”ابدا“ بسم اللہ کیوں نہیں کہا جاتا؟

جواب: بسم اللہ کے عامل (فعل) کو چند فوائد کی بنا پر حذف کیا گیا ہے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں اللہ کے ذکر کے سوا اور کوئی چیز مقدم نہیں ہونی چاہئے۔ اگر پہلے فعل ذکر کیا

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۴

(۲) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

جاتا تو بہر حال وہ فاعل کے ساتھ پہلے آتا، تو ایسی صورت میں اصل مقصود کے خلاف ہوتا۔

فعل کے حذف ہونے کی صورت میں لفظاً و معنأً مشابہت ہوگئی، یعنی معنوی اور حقیقی طور پر اللہ کی ذات ہر چیز پر مقدم ہے، اسی طرح لفظاً ابتداء بھی اسی کے نام سے ہونی چاہئے۔ جیسا کہ ہم نماز میں کہتے ہیں ”اللہ اکبر“ یعنی من کل شیء (اللہ ہر چیز سے بڑا ہے) لیکن ہم اس مقدر لفظ ”من کل شیء“ کو زبان پر نہیں لاتے تاکہ لفظ قلبی مقصود کے مطابق ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ دل میں اللہ کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ جب نمازی کا دل خالص اللہ ہی کی یاد سے بھر پور ہے تو پھر اسی طرح زبان پر بھی اسی کا نام آنا چاہئے۔

۲..... فعل کے حذف ہونے کی صورت میں ہر قسم کی حرکات، اعمال و اقوال کو بسم اللہ کے ساتھ شروع کرنا درست ہوگا۔ کسی ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اس بنا پر حذف فعل، ذکر فعل سے زیادہ عمومیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آپ جو بھی فعل ذکر کریں گے محذوف بہر حال اس سے زیادہ وسعت رکھے گا۔

۳..... فعل کے حذف میں زیادہ بلاغت ہے۔ اس کلمہ بسم اللہ کا بولنے والا گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ مشاہدہ کی بنا پر فعل کے تلفظ سے بے نیاز ہے۔ اس لئے کہ مشاہدہ اور زبان حال بتلا رہی ہے کہ یہ کام اور باقی تمام افعال اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی وابستہ ہیں۔ اس لئے زبان حال کی طرف توجہ دلانا مقال کی طرف توجہ دلانے سے زیادہ بلوغ اور واضح ہے۔^(۱)

تیرہویں بحث: لفظ اسم کے متعلق تحقیق

لفظ اسم کا معنی اور ماخذ اشتقاق

لفظ ”اسم“ نام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس کی تعریف عام طور پر یوں کی گئی ہے:

(۱) بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

(۱) الاسم ما يعرف به ذات الشيء۔

اسم وہ لفظ یا علامت ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔

اس کے لغوی اشتقاق کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں، پہلے قول کے مطابق یہ ”سَمَاءٌ يَسْمُو“ سے مشتق ہے اور دوسرے کے مطابق ”وَسَمَّ يَسِمُ“ سے۔

..... ”سَمُو“ یہ لفظ اسم کا پہلا مادہ اشتقاق ہے جس کا معنی بلندی ہے، اسی سے ”السَّمُو“ ہے جو بلند ہونے اور ظاہر ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، آسمان کو بھی اس کی بلندی کے باعث ”سما“ کہتے ہیں۔ نام کو محض اس لئے ”اسم“ کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے کسی شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی ذات کو ظہور ملتا ہے۔ اگر کسی کا نام نہ لیا جائے تو وہ شخصیت مخفی رہتی ہے، اس کے ظاہر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ گمنامی اور اخفاء کی کیفیت سے نکل کر ذکر اور ظہور کی بلندی تک پہنچ جائے۔ کیونکہ نام معلوم کا معلوم ہو جانا یقیناً ظہور اور بلندی ہی کی ایک صورت ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

السَّمُوُّ وَهُوَ الَّذِي بِهِ رَفَعُ ذِكْرُ الْمَسْمُومِ فَيَعْرِفُ بِهِ۔ (۲)

”سمو“ اس سے مراد وہ نام ہے جس کے ذریعے مسمی کا ذکر بلند اور نمایاں ہوتا ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ لفظ اسم کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاسم الشيء ما علاه حتى ظهر ذلك الشيء به۔ (۳)

پس کسی چیز کا اسم وہ (نام) ہے جو اس چیز کو بلند کرے یہاں تک کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے۔

(۱) المفردات فی غریب القرآن: کتاب السین، سما، ۲۲۸

(۲) المفردات فی غریب القرآن: کتاب السین، سما، ۲۲۸

(۳) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الكتاب الثاني، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۰۵

اسم کے اشتقاق کے سلسلے میں یہ نقطہ نظر علماء بصرہ کا تھا۔
 ۲..... ”وَسْمٌ“ علماء کوفہ کے نزدیک اسم کا مادہ اشتقاق ”وَسَمَ“ ہے۔
 ”وَسَمٌ، يَسِمُ، سِمَةٌ“ کا معنی علامت اور پہچان ہے، جب کہ امام راغب اصفہانی
 رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) الوسم: التأثير، والسمة: الأثر۔

وسم تاثیر کو اور سمہ اثر کو کہتے ہیں۔

قرآن میں ”وسم“ بمعنی علامت کی تائیدیوں ملتی ہے:

سَيَبَاهُمُ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۗ (الفتح: ۲۹)

ان کی علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے۔

قرآن پاک میں مزید فرمایا گیا:

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۗ (البقرة: ۲۷۳)

تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے۔

علامت اور تاثیر کے دونوں معنوں میں تطبیق یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر ہی دراصل اس
 چیز کی صحیح پہچان اور علامت ہوا کرتی ہے، اس لئے یہ دونوں معنی ایک ہی مدعا کو پورا کر رہے
 ہیں۔ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ لفظ اسم کا پہلا معنی بھی کسی چیز
 کے ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا بھی۔

بصریوں اور کوفیوں کے درمیان اختلاف اور ان کے دلائل

بصریوں کا مذہب ہے کہ لفظ اسم اصل میں ”سمو“ تھا جبکہ کوفیوں کے ہاں اصل میں
 ”وسم“ تھا بصری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس کی جمع ”اسماء“ اور جمع الجمع ”آسامی“
 آتی ہے اور اس کی تصغیر ”سَمِي“ آتی ہے، اور فعل مجہول کا صیغہ ”سمیت“ آتا ہے اگر یہ

اصل میں ”وسم“ ہوتا تو اس کی جمع ”اوسام“ اور جمع الجمع ”اواسم“ اور تصغیر ”وسیم“ آتی جبکہ اس طرح نہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اسم بھریوں کے نزدیک ان اسماء میں سے ہے جن کے آخری حرف کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور ابتدائی حرف کو ساکن رکھا گیا، پھر ابتداء کرنے کے واسطے شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کیا گیا کیونکہ اہل عرب کا طریقہ یہی ہے کہ وہ حرف متحرک سے ابتداء کرتے ہیں اور حرف ساکن پر ٹھہرتے ہیں، اور بھریوں کے مسلک کے لئے شاہد اسم کی وہ گردان ہے جو ”اسماء، اسامی، سمی، سمیت“ کے وزن پر آتی ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک اسم ”سمة“ سے مشتق ہے، اور اصل میں ”وسم“ تھا، واؤ کو حذف کر کے ہمزہ وصل کو اس کے عوض میں لائے تاکہ اعلال کم ہو:

والاسم عند اصحابنا البصريين من الأسماء التي حذفت أعجازها لكثرة الاستعمال، وبنيت أوائلها على السكون، وأدخل عليها مبتدأ بها همزة الوصل، لأن من دأبهم أن يبتدءوا بالمتحرك ويقفوا على الساكن، ويشهد له تصريحه على أسماء وأسامي وسمي وسميت ومن السمة عند الكوفيين، وأصله وسم حذفت الواو وعوضت عنها همزة الوصل ليقل إعلالها۔^(۱)

امام بغوی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح مذہب

امام بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ بھریوں میں سے امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم مشتق ہے ”سمو“ سے اور اس کا معنی بلندی ہے، گویا کہ یہ اپنے معنی پر بلند اور غالب ہے اور معنی اس کے ماتحت ہے، کوفیوں میں سے امام ثعلب رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ اسم مشتق ہے ”وسم“ سے اور اس کا معنی علامت ہے گویا یہ اپنے معنی کے لئے علامت ہے، لیکن اول مذہب زیادہ صحیح ہو اور راجح ہو:

قال المبرد من البصريين: هو مشتق من السمو وهو العلو، فكأنه علا

على معناه وظهر عليه و صار معناه تحته، وقال ثعلب من الكوفيين: هو

من الوسم وهي العلامة وكأنه علامة لمعناه والأول أصح- (۱)

لفظ اسم کے زائد لانے میں حکمت

یہاں لفظ اسم زائد لانے کا مقصد متعین کرنے میں اختلاف ہے۔ امام قطرب رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ذکر کی جلالت شان اور تعظیم کے پیش نظر اسے لایا گیا۔ امام خفش رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر اصل لفظ باللہ لایا جاتا تو اس سے قسم کا معنی پایا جاتا، اس سے بچنے کے لئے لفظ اسم کا اضافہ کر دیا گیا تاکہ اس سے قسم کے بجائے برکت کا مفہوم پیدا ہو۔

چودہویں بحث: اسم اور مسمیٰ کا تعلق

اس موضوع پر زمانہ قدیم میں حشویہ، کرامیہ اور اشاعرہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اسم اور مسمیٰ ایک دوسرے کا عین ہیں ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں، لیکن یہ موقف اس لئے درست نہ تھا کیونکہ مسمیٰ کسی ذات یا صفت کو کہتے ہیں اور اسم اس کے مظہر یعنی ظاہر کرنے والے کو۔ اس لئے ان کو ایک ہی چیز تصور کرنا غلط ہے، مذہب مختار بھی یہی ہے کہ اسم مسمیٰ کا غیر ہے۔ اس فرق کو یوں آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ”آگ“ کا لفظ اسم ہے اور آگ بذات خود مسمیٰ، آگ کی اپنی ایک مستقل ماہیت اور تاثیر ہے جس کی بناء پر وہ جلاتی ہے، یہ جلانے کا کام آگ (یعنی مسمیٰ) کا ہے، آگ کے لفظ (یعنی اسم) کا نہیں لیکن آگ کی نشاندہی بھی صحیح طور پر اس لفظ (یعنی اسم) کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ گویا یہ لازم و ملزوم تو ہیں مگر ایک دوسرے سے

واضح طور پر ممتاز بھی ہیں۔ لہذا کسی بھی صورت میں آگ کے لفظ کو بذات خود آگ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہی تعلق اور فرق ہر اسم اور اس کے مسمی کے درمیان ہوتا ہے کہ اسم اپنے مسمی پر دلالت کرتا ہے اور یقیناً اس کے بغیر مسمی کی نشاندہی بھی نہیں ہو سکتی، لیکن اسم کو مسمی یا مسمی کو اسم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ حشویہ، کرامیہ، اشعریہ کا مذہب ہے: اسم اپنے مسمی کا عین ہوتا ہے جبکہ تسمیہ کا غیر ہوتا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک اسم اپنے مسمی کا غیر ہوتا ہے جبکہ تسمیہ کا عین ہوتا ہے، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مختار مذہب یہ ہے کہ اسم اپنے مسمی اور تسمیہ کا غیر ہوتا ہے:

قالت الحشوية والكرامية والأشعرية: الاسم نفس المسمى وغير

التسمية وقالت المعتزلة: الاسم غير المسمى ونفس التسمية،

والمختار عندنا أن الاسم غير المسمى وغير التسمية۔^(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے اس موضوع پر مختصر مگر نہایت جامع

بحث کی ہے، دیکھئے:

(تفسیر ابن کثیر: البسملہ، ج ۱ ص ۱۱۵)

لفظ اللہ کی حیثیت

لفظ اللہ مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کے تمام اسماء مبارکہ میں سب سے عظیم تر ہے۔ بعض علماء نے اسی کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم قرار دیا ہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ نام ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ اس سے تشنیہ آتا ہے نہ جمع۔ یہی ارشاد باری تعالیٰ:

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا^(۱) (مریم) کے دو معانی میں سے ایک ہے۔ مطلب یہ کہ کیا آپ

کے علم میں ایسی کوئی ہستی ہے جس کا نام ذات باری تعالیٰ کی طرح ”اللہ“ ہو۔ چنانچہ اللہ اس

ذات کا نام ہے جو موجود برحق ہے۔ الوہیت کی جملہ صفات اس کی ذات میں جمع ہیں اسی کو ربوبیت کے تمام مفہام و معانی کی نسبت سجتی ہے اور وہ اکیلا ہی ہے جس کا وجود حقیقی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات پاک ہے۔

اللہ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ذات جو عبادت کے لائق ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہستی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور ان سب سے مراد ایک ہی ہے۔^(۱)

تسمیہ میں لفظ اللہ کو پہلے اور رحمن و رحیم کو بعد میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ عرب کے ہاں اس بات کا رواج ہے کہ جب وہ کسی بات کی خبر دیتے ہیں تو اسم کو پہلے ذکر کرتے ہیں پھر اس کے بعد صفات کو ذکر کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بھی پہلے اپنے نام کو ذکر فرمایا پھر اپنی صفات کو ذکر فرمایا:

لأن من شأن العرب إذا أرادوا الخبر عن مُخْبِرٍ عنه، أن يقدّموا
اسمه، ثم يتبعوه صفاته ونعوته۔^(۲)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ’اللہ‘ میں اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت، علو شان اور قہر و غضب کی طرف، پھر لفظ ’الرحمن الرحیم‘ کو اس کے بعد لایا تاکہ یہ دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے قہر و غضب سے زیادہ اور کامل ہے:

(۱) تفسیر القرطبی: الکلام فی البسملۃ، ج ۱ ص ۱۰۲

(۲) جامع البیان فی تاویل آی القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲

اللہ إشارة إلى القهر والقدرة والعلو، ثم ذكر عقبيه الرحمن الرحيم، وذلك يدل على أن رحمته أكثر وأكمل من قهره۔^(۱)

پندرہویں بحث: لفظ اللہ کے متعلق تحقیق

لفظ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت

لفظ اللہ کا باری تعالیٰ کے اسم ذات کی حیثیت سے مستعمل ہونا کئی حکمتوں کی بناء پر ہے، ان میں سے ایک اس کی ترکیب لفظی میں پنہاں ہے، اگر اس لفظ سے کوئی حرف حذف بھی کر دیا جائے تب بھی بقیہ حروف ذات باری تعالیٰ کی نشاندہی کے لئے اپنا معنی برقرار رکھتے ہیں، مثلاً اللہ کا پہلا حرف (الف) حذف کر لیں تو ”لہ“ باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے ”اللہ کے لئے“، اگر دوسرا حرف (لام) حذف کر لیں اور پہلا (الف) بحال رکھیں تو ”الہ“ باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے ”اس کے لئے“ اور اگر پہلے تینوں حروف حذف کر لئے جائیں تو ”ہ“ باقی رہ جائے گا جو پھر اسی کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ”ہ“ (وہ) کے معنی میں بطور ضمیر استعمال ہوتا ہے اور صوفیاء بالعموم اس کا ذکر کرتے ہیں گویا ”اللہ“ ایک ایسا لفظ ہے جو من حیث الکل بھی اور اپنے ہر حرف اور جز کے اعتبار سے بھی ذات حق پر معنوی دلالت کرتا ہے۔ اس نام کی ترکیب لفظ کے حسن کا یہ عالم ہے کہ اس کا کوئی حرف یا حصہ بھی بے معنی نظر نہیں آتا، گویا یہ لفظ بھی ذات باری تعالیٰ کی طرح ہر اعتبار سے کامل ہے، کسی اسم کا اپنے مسمیٰ پر اس سے زیادہ سے دلالت کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔

پہلا قول: لفظ اللہ کی اصل اور اس کا مادہ اشتقاق

جمہور علماء کے نزدیک لفظ اللہ اسم علم غیر مشتق ہے، جب کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ اسم مشتق ہے، اس لحاظ سے اس کے متعدد مادے بیان کئے گئے ہیں، ان میں

(۱) التفسیر الكبير: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۳

سے ہر ایک مشتق منہ معنوی طور پر ذات باری تعالیٰ کی مختلف شانوں اور حیثیتوں پر روشنی ڈالتا ہے، عام طور پر اہل علم یہ تصور کرتے ہیں کہ اس لفظ کی اصل ”الہ“ ہے جس کا معنی ”معبود“ ہے، جو ”ال“ کے اضافے سے معرف ہو کر ”اللہ“ قرار پا گیا۔ لام تعریف کے بارے میں عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی اسم کو معرف باللام کر دیا جائے (یعنی اس کے آغاز میں ”ال“ کا اضافہ کر دیا جائے) تو وہ اسم اپنے استعمال اور اطلاق میں خاص ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس حکیم و خبیر نے اپنی ذات کی دلالت کے لئے ایسے لفظ کو منتخب فرمایا جو بیک وقت اس کے لئے الوہیت کا اثبات اور اس کے ماسوی کے لئے الوہیت کی نفی کر رہا ہے۔ یہاں نفی و اثبات کا اجتماع اس پہلو کو بھی اجاگر کر دیتا ہے کہ اسلام صرف حق کے اثبات کی ہی نہیں بلکہ ہر باطل کی نفی کا بھی نام ہے۔ لفظ اللہ کی اصل کے بارے میں امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

أصله إله فحذفت همزته وأدخل عليها الألف واللام فخص بالباري
تعالیٰ۔ (۱)

اس کی اصل الہ ہے، جس کے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور اس پر ”ال“ داخل کر کے اسے ذات باری کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔

پہلا مادہ اشتقاق: أَلَهَ (عبادت کرنا)

اس لفظ کے کئی مادے بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ اس کے لغوی اشتقاق کے سلسلے میں علماء کا ایک قول یہ ہے کہ یہ ”أَلَهَ يَأَلَهُ“ سے مشتق ہے، اس کا معنی عبادت کرنا ہے، اس طرح الہ کا معنی معبود (جس کی عبادت کی جائے) قرار پایا۔ زمانہ قدیم میں سورج کی پرستش کرنے والوں نے سورج کا نام ”الہہ“ رکھا ہوا تھا، اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی تھی کہ وہ اسے معبود تصور کرتے تھے۔

دوسرا مادہ اشتقاق: اَلِهَ (متخیر ہونا)

لفظ اللہ کے اشتقاق میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ”اَلِهَ“ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی تخیر و در ماندگی ہے۔ رب ذوالجلال کے لئے اس لفظ کا اسم قرار پا جانا اس کی عظمت اور علو مرتبت کی صحیح نشاندہی ہے، کیونکہ انسان ذات باری تعالیٰ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ جان سکتا ہے وہ عقل کے تخیر اور فہم و ادراک کی در ماندگی کے سوا کچھ نہیں، وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور کرے گا، اس کی حیرت و استعجاب میں اضافہ ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ معرفت الہی کی ابتدا بھی عجز و حیرت تھی اور انتہاء بھی عجز و حیرت ہے۔

تیسرا مادہ اشتقاق: اَلِهَ (سکون پانا)

اس بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ اللہ ”اَلِهَ“ سے مشتق ہے، جس کا معنی سکون پانا ہے۔ کہا جاتا ہے ”الہتُ اِلیٰ فلان ای سکنتُ اِلیہ“ (کہ میں نے فلاں سے سکون پایا) ذات باری تعالیٰ کو اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بیتاب دلوں کو اسی سے تسکین ملتی ہے، قرآن حکیم میں ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَتَذَكَّرُ الْقُلُوْبُ ۝ (الرعد)

جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

چوتھا مادہ اشتقاق: اَلْوَلِّہُ (عقل کا گم ہونا)

دوسرے اور چوتھے مادوں میں معنوی یکسانیت ہے، دوسرا مادہ اشتقاق ”اَلِهَ“ تھا، جس کا معنی تخیر و در ماندگی بیان کیا گیا ہے اور ”وَلِّہُ“ میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے، ان دونوں مادوں کے اعتبار سے لفظ ”اَلِهَ“ اور اللہ کا معنی قرار پایا کہ وہ ذات جس کی جستجو میں عقل و خرد گم ہو جائیں۔

پانچواں مادہ اشتقاق: لآة (بلندی و ارتفاع)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”إله“ اور ”اللہ“ کا مشتق منہ ”لآة“ ہے، جس کا معنی ”بلند ہونا“ ہے۔ چنانچہ اس لفظ کی معنوی دلالت یہ ہوئی کہ وہ ذات جو ہر عجز اور کمزوری سے بلند ہو، جو ہر نقص اور حرمان سے بلند ہو، جو ہر عیب و خطا سے بلند ہو، جو ہر ضرورت و احتیاج سے بلند ہو، جو ہر مناسبت و مماثلت سے بلند ہو، جو ہر ایک کے کفر و شرک سے بلند ہو، جو انسانوں کے ظلم و معصیت سے بلند ہو، جو انسانی وہم و گمان سے بلند ہو، جو ممکنات و محدثات سے بلند ہو، جو ہر مخلوق کی قوت ادراک سے بلند ہو۔

چھٹا مادہ اشتقاق: لآة يَلُوهُ (مخفی ہونا)

اس اعتبار سے الہ اور اللہ کا اطلاق اس ذات اقدس پر ہوتا ہے جو ہر آنکھ سے یہاں ہے، قرآن حکیم میں ارشادِ بانی ہے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾ (الحديد)

وہی اول ہے وہی آخر، وہی عیاں ہے، وہی نہاں اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

گویا وہی ذات عیاں بھی ہے اور نہاں بھی، ظہور و احتجاب (اجاگر ہونا اور مخفی ہونا) دونوں شانوں کا بیک وقت ایک ہی ذات میں موجود ہونا اس طرح ممکن ہے کہ وہ جلوہ حسن اپنی صفات کے اعتبار سے عیاں ہو مگر ذات کے اعتبار سے نہاں، گویا کائنات میں ہر سو اس کی صفات و کمالات ربوبیت کا جلوہ ظہور پذیر ہو، اس کی بے پناہ حمیتیں اور نشانیاں اظہر من الشمس ہوں جو قدم قدم پر انسان کو اس کے ہونے کا یقین دلا رہی ہوں، لیکن جب انسان اس کی ذات کا بے حجاب دیدار کرنا چاہے تو وہ مستور و محجوب رہے، یعنی اس کی صفات ظاہر ہوں اور ذات باطن جیسا کہ ارشادِ بانی ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۗ (الانعام)

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

ساتوں مادہ اشتقاق: إِلَهٌ (جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا)

یہ مشتق ہے ”آلِہَ الْفَصِیْلِ“ سے، فصیل کہتے ہیں اونٹ کے بچے کو، یہ اُس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اونٹ کا بچہ اپنی ماں کا بہت زیادہ مشتاق ہو اور اس سے جا کر چمٹ جائے۔

اس اعتبار سے الہ کا معنی ہوا جس کی طرف جھکا جائے اور رجوع کیا جائے، اور لفظ اللہ کا معنی لام تعریف کے باعث یہ طے پایا کہ وہی ایک ذات ہے جس کی طرف جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا فطری اور لابدی امر ہے گویا ”اللہ“ کے کلمات اس حقیقت کا کھلا اعلان کر رہے ہیں کہ اے انسان! تو چاہے جتنا سرکش و باغی بن جا، اپنے رب کی اطاعت و غلامی سے جتنا بھی منہ موڑ لے، سرکش و باغی شخص بھی بالآخر اسی کی طرف جھکتا ہے، اس کی ذات سے دل کا علاقہ جس قدر چاہے منقطع کر لے لیکن جب بھی تجھ پر آفت و مصیبت کی گھڑی آئے گی ساری دنیا کے اسباب و ذرائع سے تو کلیئہً مایوس ہو جائے گا اور کسی چیز پر بھی تیری کوئی امید باقی نہ رہے گی تو اس وقت تیرا دل عاجزی اور شکستگی کے ساتھ بے اختیار ذات باری تعالیٰ کی طرف جھک جائے گا، تو اسے والہانہ رغبت اور رجوع کے ساتھ پکار اٹھے گا کہ اے اللہ! مجھے بچالے اور میرے حال پر رحم فرما۔

آٹھواں مادہ اشتقاق: إِلٰہ (پناہ دینا)

اس مادے کے اعتبار سے لفظ اللہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ وہی وہ ذات ہے جو ہر ایک کو پناہ دینے والی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ يُجِيبُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (المؤمنون: ۸۸)

اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جاسکتی۔

پناہ دینا مصیبت زدہ افراد کے لئے سب سے بڑی نعمت اور عطا ہے، انسان اپنی زندگی میں جتنی بھی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہیں، وہ فی الحقیقت انسان کا اپنا کسب نہیں ہیں، آنکھوں کی بصارت ہو یا کانوں کی

سماعت، زبان کا ذائقہ ہو یا ہاتھ پاؤں کی حرکت، دماغ کی فکری قوت ہو یا طبعی و نفسانی لذات، الغرض حیات دنیوی کی تمام نعمتیں اگر اللہ تعالیٰ عطا نہ کرے تو پیدائش سے لے کر تا دم مرگ انسان کسی وقت بھی ان کے حصول پر قادر نہیں ہو سکتا، جب خود زندگی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی دین ہے تو اس کے لوازمات و انعامات اس کی عطا کیوں نہ ہوں، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نَّعْمَةٍ فِيمِنَ اللَّهِ (النحل: ۵۳)

اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔
ارشاد الہی ہے:

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (الأنعام: ۱۴)

اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور (خود اسے) کھلایا نہیں جاتا۔
ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ (النساء: ۷۸)

آپ فرمادیں (حقیقتاً) سب کچھ اللہ کی طرف سے (ہوتا) ہے۔
امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے لفظ اللہ کے مشتق منہ کے متعلق آٹھ (۸) اقوال نقل کئے ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(التفسیر الكبير: الكتاب الثاني، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۴۵ تا ۱۴۸)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے لفظ اللہ کے مشتق منہ کے بارے میں سات (۷) اقوال نقل کئے ہیں، دیکھئے:

(التفسیر البيضاوی: البسمة، ج ۱ ص ۲۷)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے بھی لفظ اللہ کے مشتق منہ کے بارے میں سات (۷) اقوال نقل کئے ہیں، دیکھئے:

(روح المعانی: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ "اللہ" ج ۱ ص ۷۸)

دوسرا قول: لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے

یہ ہے کہ لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے اصل میں ”لاہا“ تھا آخر کے حرف کو حذف کر کے شروع میں الف لام داخل کیا پھر لام کو دوسرے لام میں مدغم کیا تو اللہ ہو گیا۔

تیسرا قول: لفظ اللہ صفت کا صیغہ ہے

یہ ہے کہ لفظ اللہ صیغہ وصف ہے، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اظہر یہ ہے کہ لفظ ”اللہ“ درحقیقت وصف ہے لیکن جب غلبہ ذات باری کے لئے اس طور پر استعمال ہونے لگا کہ غیر کے اندر بالکل مستعمل نہیں تو علم کے مشابہہ ہو گیا جس طرح کہ لفظ ثریا اور صعق:

والأظهر أنه وصف في أصله لكنه لما غلب عليه بحيث لا يستعمل

في غيره وصار له كالعلم مثل: الثريا والصعق۔^(۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے اس قول کو اختیار کرنے پر ان کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں کہ امام بیضاوی رحمہ اللہ باوجودیکہ انہیں تحقیق میں خوب دسترس ہے لیکن یہاں ان کا قول روشن نہیں ہے، اور یہ ایسی واضح بات ہے کہ اس میں غور و فکر اور گہرائی کی طرف انسان محتاج نہیں ہے:

والإمام البيضاوي مع أن له اليد البيضاء في التحقيق لم يتبلج له

صبح هذا القول وهو لا يحتاج إلى النظر الدقيق۔^(۲)

چوتھا قول: لفظ اللہ علم ہے

حضرت امام شافعی، امام محمد، امام ابو الحسن الأشعری، علامہ فخر الدین رازی، علامہ خلیل بن احمد، امام سیبویہ، علامہ مازنی، علامہ ابن کیسان، علامہ سید محمود آلوسی اور دیگر جمہور اہل علم رحمہم اللہ کے ہاں لفظ اللہ علم ہے۔

(۱) التفسیر البيضاوي: البسمة، ج ۱ ص ۲۸

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ ”اللہ“ ج ۱ ص ۷۸

سولہویں بحث: جمہور اہل علم کے ہاں لفظ اللہ عَلَم ہے

..... علامہ ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۳ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ نام ہے جو وضع کیا گیا ہے، یہ مشتق نہیں ہے، اور یہی بات درست ہے امام کسائی رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ یہ مشتق ہے، امام ابو الیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم نے امام ابو جعفر رحمہ اللہ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ لفظ ”اللہ“ اصل وضع کے اعتبار سے نام ہے، یہ مشتق نہیں ہے:

”اللہ“ ہو اسم موضوع لیس له اشتقاق وهو أجل من ان یذکر له اشتقاق وهو قول الکسنائی قال أبو الیث رحمہ اللہ هكذا سمعت ابا جعفر یقول روی عن محمد بن الحسن انه قال هو اسم موضوع لیس له اشتقاق۔^(۱)

۲..... شیخ الاسلام علامہ ابو المظفر سمعانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، امام خلیل، امام ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نام ہے اور خاص اللہ تبارک و تعالیٰ کا عَلَم ہے یہ مشتق نہیں ہے، جیسا کہ وہ نام جو بندوں کے لئے متعین ہیں جیسے زید، عمرو وغیرہ، اور اسی قول کو امام قفال شاشی رحمہ اللہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے:

اللہ تعالیٰ فقد اختلفوا فیہ، فقال الخلیل وابن کیسان هو اسم علم خاص للہ تعالیٰ لا اشتقاق له، وهو كأسماء الأعلام للعباد، مثل: زید وعمرو ونحوہ، وهو اختیار القفال الشاشی وجماعة من أهل العلم۔^(۲)

(۱) بحر العلوم: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳

(۲) تفسیر القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

۳.....حجی السنۃ علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام خلیل رحمہ اللہ اور اہل علم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ لفظ ”اللہ“ نام ہے اور ذات باری تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہے، یہ مشتق نہیں ہے جیسا کہ بندوں کے متعینہ نام مثلاً زید، عمرو وغیرہ:

قوله تعالى: ”اللہ“ قال الخلیل وجماعة: هو اسم علم خاص لله عز

وجل لا اشتقاق له كأسماء الأعلام للعباد مثل زید وعمرو۔ (۱)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ لفظ ”اللہ“ ذات باری تعالیٰ کا علم ہے، اور یقیناً یہ مشتق نہیں ہے، اکثر اصولیین، فقہاء، امام خلیل، امام سیبویہ رحمہم اللہ کے نزدیک بھی راجح قول یہی ہے:

المختار عندنا أن هذا اللفظ اسم علم لله تعالى، وأنه ليس بمشتق

ألبتة، وهو قول الخلیل وسيبويه، وقول أكثر الأصولیین والفقہاء۔ (۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ بھی علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے جن میں امام ابوالمعالی، امام خطابی، امام غزالی، امام شافعی رحمہم اللہ شامل ہیں، امام خلیل اور امام سیبویہ رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ لفظ ”اللہ“ کے شروع میں الف لام اسی کے ساتھ لازم ہے، اسے حذف کرنا جائز نہیں، امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی دلیل کہ الف اور لام لفظ ”اللہ“ کے اصلی حروف میں سے ہیں اور یہ معرفہ بنانے کے لئے نہیں لگائے گئے، اس پر حرفِ ندا کا داخل ہونا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ”یا اللہ“ حالانکہ حروفِ ندا الف لام کے ساتھ نہیں آسکتے۔ غور کیجئے ہم کبھی ”یا الرحمن، یا الرحیم“ نہیں کہتے، جیسے ”یا اللہ“ کہتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ الف لام لفظ ”اللہ“ کے بنیادی حروف

(۱) معالم التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۱

(۲) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۳۳

میں سے ہیں۔ واللہ اعلم:

ذهب إليه جماعة من العلماء أيضاً منهم الشافعي وأبو المعالي
والخطابي والغزالي والمفضل وغيرهم، وروى عن الخليل
وسيبويه: أن الألف واللام لازمة له لا يجوز حذفهما منه، قال
الخطابي: والدليل على أن الألف واللام من بنية هذا الاسم، ولم
يدخلا للتعريف: دخول حرف النداء عليه؛ كقولك: يا الله،
وحروف النداء لا تجتمع مع الألف واللام للتعريف، ألا ترى
أنك لا تقول: يا الرحمن ولا يا الرحيم، كما تقول: يا الله، فدل
على أنهما من بنية الاسم، واللہ اعلم۔^(۱)

۶..... علامہ علاء الدین المعروف بخازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ
لفظ ”اللہ“ نام ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ذات باری تعالیٰ اس نام کے
ساتھ متفرد ہے، یہ مشتق نہیں ہے، اور اس میں کوئی بھی آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے، یہی
صحیح اور پسندیدہ قول ہے:

اللہ هو اسم علم خاص لله تعالى تفرد به الباري سبحانه وتعالى

ليس بمشتق ولا يشركه فيه احد وهو الصحيح المختار۔^(۲)

۷..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ ذات
باری تعالیٰ کا نام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، اس لئے کہ یہ تمام صفات کے
ساتھ متصف ہے:

(۱) التفسیر القرطبی: البسملۃ، الحادیۃ والعشرون، ج ۱ ص ۱۲۰

(۲) تفسیر الخازن: سورۃ الفاتحۃ، ج ۱ ص ۱۷

اللہ عَلَّمَ عَلَى الرب تبارك وتعالى، يقال: إنه الاسم الأعظم لأنه
يوصف بجميع الصفات۔ (۱)

۸..... خطیب شربنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ اس ذات
کا جو واجب الوجود ہے اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے اس ذات کا نام ہے:

اللہ علم علی الذات الواجب الوجود، المستحق لجميع المحامد۔ (۲)

۹..... علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“

عربی زبان میں نام ہے، یہ سریانی زبان میں معرب نہیں ہے اور یہ اس ذات کا نام ہے جو ساری
کائنات کو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے، اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں ہے:

واللہ اسم عربی لا سریانی معرب، وهو علم مختص بمبدء العالم

لم يطلق علی غیرہ فیما بین المسلمین وغیرہم۔ (۳)

۱۰..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ

”اللہ“ کو عَلَّمَ بنایا اس ذات کا جو واجب الوجود ہے، تمام کمالات کا جامع ہے، اور تمام
رذائل سے منزہ اور پاک ہے:

ثم جعل علما لذات الواجب الوجود المستجمع للکمالات المنزهة

عن الرذائل۔ (۴)

۱۱..... علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“

نام ہے اس متعینہ ذات کا جو تمام صفات کمال کا جامع ہے:

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۶

(۲) السراج المنیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶

(۳) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: مقدمة المؤلف، ج ۱ ص ۲

(۴) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳

أنه علم على ذات معينة مستجمعة لصفات الكمال۔^(۱)

۱۲..... علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ نام ہے اس ذات کا جو واجب الوجود ہے اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر کرنا درست نہیں:

واللہ علم لذات الواجب الوجود لم يطلق على غيره۔^(۲)

۱۳..... علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اکابر معتبر علماء جیسے امام شافعی، امام محمد، امام ابو الحسن اشعری اور ان کے اکثر تبعین، امام خطابی، امام الحرمین، امام غزالی، امام رازی اور اکثر اصولیین اور فقہاء، اور اسی بات کو امام خلیل، امام سیبویہ، امام مازنی، امام ابن کیسان رحمہم اللہ نے پسند کیا ہے کہ لفظ اللہ عربی ہے اور اصل کے اعتبار سے ذات باری کا خاص نام ہے:

والذی علیہ اکابر المعترین کالشافعی ومحمد بن الحسن
والأشعری وغالب أصحابه والخطابی وإمام الحرمین والغزالی
والفخر الرازی وأكثر الأصولیین والفقہاء، ونقل عن اختیار
الخلیل وسیبویہ والمازنی وابن کیسان أنه عربی وعلم من أصله
لذاته تعالی المخصوصة۔^(۳)

۱۴..... علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ اکثر علماء کے نزدیک عربی زبان میں نام ہے اور اس ذات کے ساتھ خاص ہے جو واجب الوجود ہے، اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی ایک آپ کے ساتھ شریک ہے:

(۱) حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۹

(۲) فتح القدير للشوكاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸

(۳) روح المعاني: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ ”اللہ“، ج ۱ ص ۷۷

اللہ علم عربی عند الأكثر خاص لذات الواجب الوجود لم يطلق

على غيره ولا يشركه فيه احد۔ (۱)

۱۵..... علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ

”اللہ“ ذات باری تعالیٰ کا نام ہے:

اللہ علم على ذاته تعالى۔ (۲)

ستر ہویں بحث: لفظ اللہ کی خصوصیات

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے فرمایا کہ لفظ ”اللہ“ میں دو ایسی خصوصیات

پائی جاتی ہیں جو کسی اور اسماء میں نہیں ہیں۔

پہلی خصوصیت

لفظ اللہ سے آپ ایک ایک حرف کو حذف کرتے جائیں تو اس صورت میں بھی یہ

ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوگا، اس کے معنی میں تبدیلی نہیں آئے گی مثلاً: ”اللَّهُ لَا

إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ اب آپ پہلے حرف کو حذف کرو تو ”لله“ باقی رہ جائے گا، یہ

بھی قرآن کریم میں ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے ”وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ

وَالْأَرْضِ“ اور اگر ایک لام کو حذف کرو تو ”لہ“ باقی رہ جائے گا، یہ بھی قرآن میں اللہ کے

لئے استعمال ہوا ہے ”لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ“ اور اگر ایک لام کو حذف کرو تو

”هو“ رہ جائے گا، قرآن میں ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ باقی رہا لفظ واو تو وہ زائد ہے، اس کی

دلیل یہ ہے کہ یہ تثنیہ اور جمع کے صیغوں میں ساقط ہو جاتا ہے، اگر یہ زائد نہ ہوتا تو کبھی ساقط

نہ ہوتا بلکہ باقی رہتا:

(۱) فتح البیان فی مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

(۲) محاسن التاویل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵

اعلم أن هذا الاسم مختص بخواص لم توجد في سائر أسماء الله تعالى، ونحن نشير إليها: فالخاصة الأولى: أنك إذا حذفت الألف من قولك: "الله" بقي الباقي على صورة "الله" وهو مختص به سبحانه، كما في قوله: وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وإن حذفت عن هذه البقية اللام الأولى بقيت البقية على صورة "له" كما في قوله تعالى: لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فإن حذفت اللام الباقية كانت البقية هي قولنا: "هُوَ" وهو أيضًا يدل عليه سبحانه كما في قوله: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، والواو زائدة بدليل سقوطها في التثنية والجمع فإنك تقول هما، هم فلا تبقى الواو فيهما، فهذه الخاصية موجودة في لفظ "الله" غير موجودة في سائر الأسماء-^(۱)

دوسری خصوصیت

کلمہ شہادت میں لفظ اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، کلمہ شہادت وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے انسان کفر کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آتا ہے، اور کلمہ شہادت کا حصول ہوگا لفظ اللہ کے ساتھ، اگر کوئی ساری زندگی "لا إله إلا الرحمن" یا "إلا الرحيم" یا "إلا الملك" یا "إلا القدوس" کہے تو وہ کفر سے نہیں نکلے گا اور نہ ہی اسلام میں داخل ہوگا:

ان كلمة الشهادة وهي الكلمة التي بسببها ينتقل الكافر من الكفر إلى الإسلام لم يحصل فيها إلا هذا الاسم فلو أن الكافر قال: أشهد أن لا إله إلا الرحمن أو إلا الرحيم، أو إلا الملك، أو إلا القدوس لم يخرج من الكفر ولم يدخل في الإسلام، أما إذا قال أشهد أن لا

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۴۹

إله إلا الله فإنه يخرج من الكفر ويدخل في الإسلام، وذلك يدل

على اختصاص هذا الاسم بهذه الخاصية الشريفة۔^(۱)

علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے لفظ ”اللہ“ کی انہی دو خصوصیات کو نقل کیا ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(اللباب فی علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۳، ۱۳۵)

علامہ مجدد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) نے لفظ ”اللہ“ کی دس (۱۰) خصوصیات نقل کی ہیں:

۱..... لفظ ”اللہ“ تمام اسماء اور صفات کا قائم مقام ہوتا ہے۔

۲..... تمام اسماء معانی میں اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

۳..... تمام امور میں اسی نام کے ساتھ ابتداء کا حکم ہے جیسے آپ کا قول ”بسم اللہ“۔

۴..... تمام امور اور احوال کا اختتام اسی نام پر ہوتا ہے جیسے ”وآخر دعواہم ان

الحمد لله رب العلمین۔

۵..... اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی توحید کو اسی نام کے ساتھ معلق کیا ہے ”لا إله إلا الله“۔

۶..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اسی نام کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے

”محمد رسول الله“۔

۷..... حجاج کرام کے حج کو تلبیہ میں ان الفاظ کے ساتھ مزین کیا ”لبیک اللہم

لبیک“ (اس میں بھی لفظ ”اللہ“ موجود ہے)

۸..... نماز کا آغاز اور اختتام لفظ ”اللہ“ پر ہوتا ہے، ابتداء ”اللہ اکبر“ سے اور

اختتام ”السلام علیکم ورحمة الله“۔

۹..... دعا کرنے والے اپنی دعاؤں کا آغاز اسی نام کے ساتھ کرتے ہیں، جیسے ”اللہم

اغفر، اللهم ارحم“ -

۱۰.... لفظ ”اللہ“ کے حروف کو حذف کرنے سے اس کے معانی میں کمی نہیں ہوتی،
(حروف کے حذف کے باوجود اس کے مصداق میں فرق نہیں آتا جیسا کہ تفصیلاً ما قبل میں گزرا)

أَنَّهُ يَقُومُ مَقَامَ جَمَلَةِ أَسْمَاءِ الْحَقِّ تَعَالَى وَصِفَاتِهِ، أَنَّ جَمَلَةَ الْأَسْمَاءِ فِي
الْمَعْنَى رَاجِعَةٌ إِلَيْهِ، الْإِبْتِدَاءُ بِهِ فِي جَمِيعِ الْأُمُورِ بِمِثْلِ قَوْلِكَ: بِسْمِ
اللَّهِ، خَتَمَ الْمُنَاشِيرِ وَالتَّوَاقِيْعِ فِي قَوْلِكَ: حَسْبِيَ اللَّهُ، خَتَمَ الْأُمُورِ
وَالْأَحْوَالِ بِهِ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، تَعْلِيْقُ
تَوْحِيدِ الْحَقِّ تَعَالَى بِهِ فِي قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، تَأْكِيدُ رِسَالَةِ الرَّسُولِ
بِهِ فِي قَوْلِكَ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، تَزْيِينُ حَبِّ الْحُجَّاجِ بِهِ فِي قَوْلِهِمْ:
لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، افْتِتَاحُ الصَّلَاةِ وَاخْتِتَامُهَا بِهِ فِي قَوْلِكَ: اللَّهُ أَكْبَرُ،
وَآخِرًا: وَرَحْمَةُ اللَّهِ، بِهِ يُفْتِتَحُ دَعَاءُ الدَّاعِيْنَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ، اللَّهُمَّ
ارْحَمْ، لَا يَنْتَقِصُ مَعْنَاهُ بِنَقْصِ حُرُوفِهِ- (۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ اس اسم کے بعض خواص ایسے
ہیں جو دیگر اسماء میں نہیں پائے جاتے:

۱.... تمام اسماء کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن لفظ ”اللہ“ کو ان میں سے کسی
ایک کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔

۲.... مخلوق میں سے کسی کو بھی اس نام کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں ہے بخلاف
دیگر اسماء کے۔

۳.... ”یا اللہ“ اس میں حرف نداء اور الف لام دونوں ایک ساتھ جمع ہیں (حالانکہ یہ

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز: الباب الثانی، بصیرة فی لفظ ”اللہ“

دونوں اس نام کے علاوہ کہیں بھی اکٹھے جمع نہیں ہیں، یہ دونوں حرف تعریف ہیں، اور حرف تعریف کا اجتماع نہیں ہوتا، لیکن اس اسم کی خصوصیت کی وجہ سے یہاں اجتماع درست ہے۔

۴..... اس اسم پر لفظ تاء قسمیہ کا داخل کرنا درست ہے جیسے ”تالله“۔

۵..... لفظ ”اللہ“ کے لام کو موٹا پڑھا جائے گا جب کہ اس سے پہلے فتح یا ضمہ ہو:

وقد خص هذا الاسم بخواص لا توجد في غيره، منها انه تنسب سائر الأسماء إليه ولا ينسب هو إلى شيء منها، ومنها انه لم يسم به أحد من الخلق بخلاف سائر الأسماء، ومنها أنهم جمعوا بين يا التي للنداء وبين الألف واللام ولم يفعل ذلك في غيره، ومنها تخصيصهم إياه في القسم بإدخال التاء في قولهم تالله، ومنها تفتخيم

لامه إذا انفتح ما قبله أو انضم سنة۔^(۱)

علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کے پانچ خواص نقل کئے ہیں، دیکھئے:

(فتح اللہ بخصائص اسم اللہ: الباب التاسع والستون، ج ۲ ص ۱۵۳)

ذات باری تعالیٰ پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا درست ہے

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ”خدا“ فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے وہ ذات جس کا وجود واجب ہو، اس لئے کہ لفظ ”خدا“ مرکب ہے فارسی میں دو لفظوں سے: ۱..... خود، اس کا معنی ہے ذات، نفس اور حقیقت۔ ۲..... آی، اس کا معنی ہے جو بذات خود ہو، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وجود بذات خود ہے غیر کی وجہ سے نہیں ہے، پس اس وضاحت کے بعد ”خدا“ کا معنی ہے جس کا وجود بذات خود ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی غیر کی طرف محتاج نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ”خدا“ واجب الوجود کا ترجمہ ہے:

وقولهم بالفارسية خدای معناه انه واجب الوجود لذاته لأن قولنا:

خدای کلمة مرکبة من لفظتين في الفارسية: إحداهما: خود،
ومعناه ذات الشيء ونفسه وحقيقته والثانية قولنا: آى ومعناه جاء،
فقولنا: خدای معناه أنه بنفسه جاء، وهو إشارة إلى أنه بنفسه وذاته
جاء إلى الوجود لا بغيره، وعلى هذا الوجه فيصير تفسير قولهم:
خدای انه لذاته كان موجوداً۔^(۱)

اٹھارہویں بحث: اکثر علماء کے ہاں لفظ ”اللہ“ اسم

عظیم ہے

۱..... علامہ ابو الحسن ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ
سے نقل کیا ہے کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی بھی آپ کے ساتھ شریک
نہیں ہے:

وَحُكِي عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ الْأَسْمُ الْأَعْظَمُ مِنْ أَسْمَائِهِ تَعَالَى، لِأَن
غَيْرَهُ لَا يَشَارِكُهُ فِيهِ۔^(۲)

۲..... امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زیادہ
درست بات یہ ہے کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے:

ان الاسم الأعظم هو قولنا: ”اللہ“ وهذا هو الأقرب عندي۔^(۳)

۳..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ تمام اسماء میں
سب سے بڑھ کر ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے کہا کہ یہی اسم اعظم ہے:

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۲۲

(۲) النكت والعيون: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۰

(۳) تفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۱۱

قوله: الله هذا الاسم أكبر أسمائه سبحانه حتى قال بعض العلماء:

إنه اسم الله الأعظم۔^(۱)

۴..... علامہ خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ لفظ ”اللہ“ ہی اسم اعظم ہے، اس لئے کہ یہ ذات پر دلالت کرتا ہے جب کہ باقی اسماء صفات پر دلالت کرتے ہیں:

وذهب بعضهم إلى أن هذا الاسم هو الاسم الأعظم لأنه يدل على

الذات وباقي الأسماء تدل على الصفات۔^(۲)

۵..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ ذات باری کا علم ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ یہی اسم اعظم ہے:

الله عَلَمٌ على الرب تبارك وتعالى، يقال: إنه الاسم الأعظم۔^(۳)

۶..... علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نقل کرتے ہیں کہ اسم اعظم

”اللہ“ ہی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ پورے قرآن میں ہر اسم سے پہلے اس کو لاتے ہیں:

اسم الله الأعظم هو الله الا ترى انه في جميع القرآن يبدأ به قبل

كل اسم۔^(۴)

۷..... ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے جمہور علماء

نے فرمایا کہ اسم اعظم (لفظ اللہ) ہے، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم اعظم

لفظ ”اللہ“ ہی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب آپ ”اللہ“ کہو تو آپ کے دل میں اللہ

کے علاوہ کوئی اور نہ ہو:

ولذا قال الجمهور انه الاسم الأعظم قال القطب الرباني الشيخ

(۱) تفسیر القرطبی: البسملۃ، عشرين، ج ۱ ص ۱۳۹

(۲) التفسیر الخازن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۷ (۳) تفسیر ابن کثیر: البسملۃ، ج ۱ ص ۱۱۶

(۴) الدر المنثور فی تفسیر الماثور: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۳

عبد القادر الجيلاني: الاسم الأعظم هو الله لكن بشرط أن تقول
الله وليس في قلبك سواه۔^(۱)

۸..... علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ محققین
علماء کے نزدیک لفظ ”اللہ“ اسم اعظم ہے:

وعند المحققين انه الاسم الأعظم۔^(۲)

۹..... علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ
محققین علماء کے نزدیک لفظ ”اللہ“ اسم اعظم ہے:

وعند المحققين انه الاسم الأعظم۔^(۳)

۱۰..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں
کہ بے شک لفظ ”اللہ“ ہی اسم اعظم ہے اس لئے کہ یہ ذات پر دلالت کرتا ہے، جب کہ دیگر
اسماء صفات پر دلالت کرتے ہیں:

وذهب بعضهم إلى أن هذا الاسم هو الاسم الأعظم لأنه يدل على
الذات وباقي الأسماء تدل على الصفات۔^(۴)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے اس موضوع پر مستقل ایک
رسالہ لکھا جس کا نام ”الدد المنظم في الاسم الأعظم“ ہے، اس میں انہوں نے اسم
اعظم کی تعیین کے متعلق اہل علم کے بیس (۲۰) اقوال نقل کئے ہیں۔ یہ رسالہ ”الحاوی
للفتاوی“ میں موجود ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(الحاوی للفتاوی: الدد المنظم في الاسم الأعظم، ص ۳۰۵ تا ۳۰۹)

(۱) مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: مقدمة المؤلف، ج ۱ ص ۷۹

(۲) السراج المنیر شرح الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر: البسملة، ج ۱ ص ۳

(۳) فتح البیان فی مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

(۴) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۰

اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟

کیا واقعی اسم اعظم کے ذریعے ہر دعا قبول ہو جاتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم اعظم کو جاننے کے باوجود مشکل ترین حالات میں بھی اس کے ذریعے دعا کیوں نہ مانگی؟ اولیاء کرام بھی اسم اعظم جانتے ہیں یا نہیں؟ اسم اعظم کے متعلق تمام روایات و آثار کو یکجا کیا۔ نیز اسم اعظم کے بارے میں علماء کرام، ائمہ عظام اور بزرگان دین کی کتب میں موجود تمام اقوال کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ امت محمدیہ اور سابقہ امتوں کے بزرگوں کے ساتھ اسم اعظم کے سلسلے میں پیش آنے والے بہت سے عجیب و غریب حیران کن ایمان افروز واقعات بھی درج کئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے جاننے کے لئے شیخ التفسیر والحدیث مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی کتاب ”الکنز الأعظم فی تعیین الاسم الأعظم“ کا مطالعہ کریں۔ مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ نے اسم اعظم کی تعیین کے متعلق علماء کے اسٹھ (۶۱) اقوال کو نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ علماء کے ہاں اسم اعظم لفظ اللہ ہے۔

شیخ التفسیر والحدیث مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ”اللہ“ کے خصائص میں سے ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، اس کے ذریعے سے جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، اور جو سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ عطاء فرماتے ہیں اور یہی اکثر ائمہ کا قول ہے۔ یہاں تک کہ عارفین کے ہاں اللہ کے نام سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں، اسی وجہ سے حمد، تسمیہ، تہلیل اور تشہد کو اسی نام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے نہ کہ دیگر اسماء حسنی کے ساتھ۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ ”اللہ“ ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی قول میرے نزدیک درست بات کے زیادہ قریب ہے، اور یہی رائے ہے سید العارفین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی:

من خصائص الاسم اللّٰه انه اسم اللّٰه الأعظم الذي إذا دعى به
 أجاب، وإذا سئل به أعطى وهذا قول كثير من الأئمة حتى أنه لا
 ذكر عند العارفين فوق الذكر بالاسم اللّٰه ولكونه أعظم الأسماء
 الإلهية خصص به الحمد والبسملة والتهليل والتشهد دون غيره
 من الأسماء الحسنى، عن محمد بن الحسن قال سمعت ابا حنيفة
 رحمة اللّٰه عليه يقول اسم اللّٰه الأعظم هو اللّٰه واختاره الامام
 الطحاوى وقال الفخر الرازى هو الأقرب عندى وبه قال سيد
 العارفين باللّٰه الشيخ عبد القادر الجيلانى قدس سره۔^(۱)

حضرت نے اپنی اس کتاب میں نوے (۹۰) صفحات پر اس موضوع پر سیر حاصل
 بحث کی۔ اسم اعظم کے متعلق ماہا وما علیہا تمام مباحث کو یکجا کیا، اہل علم حضرات اصل
 کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔^(۲)

امام سیبویہ رحمہ اللّٰہ کے ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ کا معاملہ

علامہ سمین حلبی رحمہ اللّٰہ (متوفی ۵۶۷ھ) فرماتے ہیں کہ امام سیبویہ رحمہ اللّٰہ کو کسی نے
 خواب میں دیکھا تو پوچھا اللّٰہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو امام سیبویہ رحمہ اللّٰہ
 نے فرمایا اللّٰہ تعالیٰ نے میرے ساتھ بہت عمدہ معاملہ کیا، اس وجہ سے کہ میں نے لفظ ”اللّٰہ“
 کو عرف المعارف قرار دیا:

يُحْكِي أَنْ سِيبَوِيه رُئِيَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: مَا فَعَلَ اللَّهُ بِكَ؟ فَقَالَ:

خَيْرًا كَثِيرًا، لَجَعَلِي اسْمَهُ أَعْرَفَ الْمَعَارِفِ۔^(۳)

(۱) فتح اللّٰہ بخصائص اسم اللّٰہ: الباب الحادى بعد المائة، ج ۲ ص ۲۶۰

(۲) فتح اللّٰہ بخصائص اسم اللّٰہ: الباب الحادى بعد المائة، ج ۲ ص ۲۶۰ تا ۵۵۰

(۳) الدر المصون فى علوم الكتاب المكنون: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۶

انیسویں بحث: لفظ اللہ قرآن کریم میں کتنی بار آیا ہے؟

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب الفیر وز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار پانچ سو ساٹھ مرتبہ سے کچھ زائد استعمال ہوا ہے:

أما في نصّ القرآن فمذكور في ألفين وخمسمائة وبضع وستين

موضعاً۔ (۱)

علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار تین سو ساٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے:

وقد ذكر في القرآن العزيز في الفين وثلاث مائة وستين موضعاً۔ (۲)

علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار تین سو ساٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے:

وقد ذكره الله تعالى في الفين وثلاث مائة وستين موضعاً من

القرآن۔ (۳)

شیخ فواد احمد عبد الباقی فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار چھ سو ستانوے (۲۶۹۷) مرتبہ استعمال ہوا ہے، نو سو اسی (۹۸۰) مقامات پر حالت رفعی میں، اور پانچ سو بانوے (۵۹۲) مقامات پر حالت نصھی میں، اور گیارہ سو پچیس (۱۱۲۵) مقامات پر حالت جری میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت نے قرآن کریم کی ان تمام آیات کو تفصیلاً ذکر کیا ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: ص ۳۰ تا ۷۵، سہیل

اکیڈمی لاہور)

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتب العزیز: ج ۲ ص ۲۱

(۲) السراج المنیر شرح الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر: مقدمة، ج ۱ ص ۳

(۳) فتح البیان فی مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

تسمیہ میں اللہ کے تین اسماء ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے مخاطب تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں، دوسرے وہ جو میانہ روی کے ساتھ چلنے والے ہیں، تیسرے وہ ہیں جو نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں لفظ اللہ کا تعلق سابقین کے ساتھ اور رحمن کا تعلق مقتصدین کے ساتھ اور رحیم کا تعلق ظالمین کے ساتھ ہے:

الحكمة في ذكر هذه الأسماء الثلاثة أن المخاطبين في القرآن ثلاثة أصناف كما قال تعالى: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ فَمَا لَنَا أَنَا اللَّهُ لِلْسَابِقِينَ، الرحمن للمقتصدین، الرحيم للظالمين- (۱)

”الرحمن“ کے لغوی اور اصطلاحی معانی

رحمن: مادہ رح م سے ”فَعْلَان“ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، عربی قواعد کی رو سے ”فَعْلَان“ اور ”فُعْلَان“ ایسے مصادر ہیں جن میں فعل کی انتہائی کثرت اور مبالغے کا معنی پایا جاتا ہے، جو اسماء اس وزن پر ہوں گے ان میں معنویت، انتہائی کثرت، فراوانی اور مبالغے کے ساتھ موجود ہوگی۔ یعنی ان کے مادوں کا مفہوم ان اسماء میں نہایت شدت اور زیادتی کے ساتھ پایا جائے گا، مثلاً ”فُرْقَان“ اس میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کی صفت اپنے منتہائے کمال پر موجود ہے، یہ قرآن کا نام ہے اس لئے کہ قرآن سے بڑھ کر اور کوئی کتاب حق و باطل میں واضح فرق پیدا نہیں کر سکتی۔ ”قُرْبَان“ اس میں قرب کا معنی انتہائی افراط کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا۔ ”نُدْمَان“ اس میں نادم اور شرمندہ ہونے کا معنی پایا جاتا ہے، لیکن اسم میں یہ صفت اس قدر شدت کے ساتھ موجود ہے کہ کوئی اور لفظ اس سے زیادہ

معنی ندامت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ”غَضْبَان“ ہے اس میں بھی غیض و غضب کا معنی انتہائی شدت کے ساتھ موجود ہے، اس اسم سے بڑھ کر غضبناک ہونے کا مفہوم کوئی اور وزن ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ”الرحمن“ بھی اسی وزن پر ”رحم“ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی صاف طور پر یہ متعین ہوا کہ ”انتہائی مہربانی کرنے والا“ گویا لفظ ”الرحمن“ کا مفہوم یہ ہوا کہ رب العالمین وہ ہے جس کی ذات میں صفت رحمت کی اتنی کثرت، فراوانی اور غایت و نہایت ہے کہ کوئی اور ہستی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

”الرحیم“ کے لغوی اور اصطلاحی معانی

”الرحمن“ کے بعد دوسرا اسم صفت ”الرحیم“ ہے، اس کا معنی بھی ”بہت رحم کرنے والا“ ہے، یہ ”رحمت“ سے ”فَعِيل“ کے وزن پر اسم فاعل ہے، اور اس میں بھی معنوی مبالغے کی صفت پائی جاتی ہے۔ مستزاد یہ کہ الرحیم صفت مشبہ ہے، اس میں صفت رحم کے اعتبار سے پیشگی اور دوام و استمرار کی خوبی بھی پائی جاتی ہے، الرحیم اصطلاحی اعتبار سے الرحمن کے مقابلے میں عام ہے، اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے استعمال کی چند صورتیں ملاحظہ ہوں:

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾ (البقرة)

یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

إِنَّ اللَّهَ بِالتَّائِبِينَ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾ (البقرة)

بے شک اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ﴿۲۱۸﴾ (البقرة)

یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

بیسویں بحث: لفظ رحمن و رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں

لفظ ”رحمن و رحیم“ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں البتہ رحمن میں مبالغہ رحیم کی بہ نسبت

زیادہ ہے۔

۱..... علامہ ابوالقاسم محمود بن محمد الزمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ

”الرحمن“ فعلان کے وزن پر ہے اور یہ ”رحم“ سے مشتق ہے، جیسے ”غضبان“ یہ مشتق ہے ”غضب“ سے اور ”سکران“ مشتق ہے ”سکر“ سے، اسی طرح ”الرحیم“، فعیل کے وزن پر ہے اور ”رحم“ سے مشتق ہے جیسے ”مريض“ یہ مشتق ہے ”مرض“ سے اور ”سقیم“ یہ مشتق ہے ”سقم“ سے۔ لفظ ”رحمن“ میں جو مبالغہ ہے وہ لفظ ”رحیم“ میں نہیں ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے ”رحمن الدنيا والآخرة“ کہ رحمن کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ ہے، جبکہ ”رحیم فی الدنيا“ میں رحیم کا تعلق صرف دنیا کے ساتھ ہے:

الرحمن فعلان من رحم كغضبان وسکران من غضب وسکر

وكذلك الرحيم فعيل منه كمريض وسقیم من مرض وسقم وفي

الرحمن من المبالغة ما ليس في الرحيم ولذلك قالوا رحمن الدنيا

والآخرة ورحيم الدنيا۔^(۱)

۲..... امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور حضرات اس بات کی

طرف گئے ہیں کہ ”الرحمن“ مشتق ہے ”الرحمة“ سے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، اسی وجہ سے اس لفظ کو نہ ثننیہ لایا جاتا ہے اور نہ جمع، جیسے کہ لفظ ”الرحیم“ کو ثننیہ اور جمع لایا جاتا ہے:

(۱) الكشاف عن حقائق التنزيل وعلوم الأقاويل في وجوه التأويل: سورة الفاتحة،

وذهب الجمهور من الناس إلى أن الرحمن مشتق من الرحمة مبنی علی المبالغة، ومعناه ذو الرحمة الذی لا نظیر له فیها، فلذلك لا

یثنی ولا یجمع كما یثنی الرحیم ویجمع۔^(۱)

۳..... قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن“

الرحیم ”یہ دونوں ”رحم“ سے مشتق ہیں اور مبالغے کے صیغے ہیں، جیسے ”غضبان“ مشتق ہے ”غضب“ سے، اور ”علیم“ مشتق ہے ”علم“ سے:

الرحمن الرحیم اسمان بنیا للمبالغة من رحم، كالغضبان من

غضب، والعلیم من علم۔^(۲)

۴..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن“

الرحیم ”دونوں مشتق ہیں ”رحم“ سے اور مبالغے کے صیغے ہیں، لفظ ”رحمن“ میں مبالغہ ”رحیم“ سے زیادہ ہے:

الرحمن الرحیم اسمان مشتقان من الرحمة علی وجه المبالغة،

ورحمن أشد مبالغة من رحیم۔^(۳)

۵..... علامہ شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن“

الرحیم ”یہ دونوں ”رحم“ سے مشتق ہیں، اور مبالغے کے صیغے ہیں، لفظ ”رحمن“ میں مبالغہ ”رحیم“ سے زیادہ ہے:

اسمان مشتقان من الرحمة علی طریق المبالغة، ورحمن أشد

مبالغة من رحیم۔^(۴)

(۱) تفسیر القرطبی: البسملۃ، الثانية والعشرون، ج ۱ ص ۱۲۱

(۲) التفسیر البیضاوی: البسملۃ، ج ۱ ص ۲۹

(۳) تفسیر ابن کثیر: البسملۃ، ج ۱ ص ۱۱۸

(۴) فتح القدیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸

۶..... علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن، الرحیم“ دونوں صیغہ صفت ہیں جو مبالغے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، تحقیق جمہور علماء نے فرمایا کہ لفظ ”رحمن“ مبالغہ میں ”رحیم“ سے بڑھ کر ہے، اس وجہ سے کہ الفاظ کی زیادتی معانی کی کثرت کی خبر دیتی ہے:

كل من صفتي الرحمان الرحيم دالة على المبالغة فقد قال الجمهور
إن الرحمان أبلغ من الرحيم بناء على أن زيادة المبنى تؤذن
بزيادة المعنى۔^(۱)

اکیسویں بحث: لفظ رحمن ورحیم کے درمیان فرق

۱..... قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ”رحمن“ میں بمقابلہ ”رحیم“ کے زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ ”قَطَع“ (بمعنی کاٹنا) اور ”قَطَعَة“ (بمعنی بار بار کاٹنا) ”كَبَّرَ“ (بمعنی بڑا) اور ”كَبَّرًا“ (بمعنی بہت بڑا) ان مثالوں سے واضح ہے۔ اور اس زیادتی کا کبھی کمیت (تعداد) کے اعتبار سے لحاظ کیا جاتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے۔ تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے ”یا رحمن الدنيا“ اس لئے کہ دنیا کی رحمت مؤمن و کافر دونوں کو عام ہے، اور ”رحیم الآخرة“ اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مؤمنین کے لئے ہوگی۔ کیفیت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے ”یا رحمن الدنيا والآخرة ورحیم الدنيا“ اس لئے کہ اخروی نعمتیں سب کی سب بڑی ہیں اور دنیاوی نعمتیں سو وہ چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی:

الرحمن أبلغ من الرحيم، لأن زيادة البناء تدل على زيادة المعنى

(۱) التحرير والتنوير: الكلام على البسمة، ج ۱ ص ۱۷۱

كما فى قَطَعَ وَقَطَّعَ وَكَبَّرَ وَكَبَّرَ، وذلك إنما يؤخذ تارة باعتبار الكمية، وأخرى باعتبار الكيفية، فعلى الأول قيل: يا رحمن الدنيا لأنه يعم المؤمن والكافر، ورحيم الآخرة لأنه يخص المؤمن، وعلى الثانى قيل: يا رحمن الدنيا والآخرة، ورحيم الدنيا، لأن النعم الأخرى كلها جسم، وأما النعم الدنيوية فجليلة وحقيرة۔^(۱)

۲..... علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ دعاؤں میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں ”یا رحمن دنیا ورحیم الآخرة“ اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت مؤمن اور کافروں کو شامل ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی:

جاء فى الدعاء يا رحمن الدنيا لأنه يعم المؤمن والكافر ورحيم الآخرة لأنه يخص المؤمن۔^(۲)

۳..... علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”رحمن“ معنی کے اعتبار سے عام ہے اور لفظ کے اعتبار سے خاص ہے (معنی کے اعتبار سے عموم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں مؤمن اور کافر سب کو عام ہے، اور لفظ کے اعتبار سے خاص ہے یعنی اس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا) اور رحیم لفظ کے اعتبار سے عام ہے اور معنی کے اعتبار سے خاص ہے (یعنی لفظ کے اعتبار سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست ہے، اور معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رحمت آخرت میں صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی):

فالرحمن عام المعنى خاص اللفظ، والرحيم عام اللفظ خاص المعنى۔^(۳)

(۱) التفسير البيضاوى: البسمة، ج ۱ ص ۲۹

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

(۳) معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۲

۴..... امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا تعلق آسمان والوں کے ساتھ ہے، جب کہ رحیم کا تعلق زمین والوں کے ساتھ ہے۔

۵..... حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی اس سے مانگا جائے وہ دیتا ہے اور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس سے نہ مانگا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔

۶..... رحمٰن کا مطلب ہے جو تکلیف و مصائب اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے اور رحیم کہتے ہیں جو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

۷..... رحمٰن کا مطلب ہے جو چھوٹی اور بڑی تمام نعمتوں کو عطا کرنے والا ہے، اور رحیم کا مطلب جو نقصان دہ چیزوں کو دور کرنے والا ہے، جیسے سورہ مؤمن آیت نمبر ۹ اور سورہ انعام آیت نمبر ۱۶ میں ہے:

الرحمن بأهل السماء والرحيم بأهل الارض، وقال ابن المبرك:
الرحمن إذا سئل أعطى، والرحيم إذا لم يسأل غضب، الرحمن بكشف
الكروب والرحيم بمغفرة الذنوب، الرحمن معطي النعم الصغيرة
والكبيرة والرحيم دافع المضرات كما في المؤمن ۹ والأنعام ۱۶۔

۸..... مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ انسان کے سامنے دو محبتیں موجود ہیں، ان دونوں کے درمیان طبعی طور پر فرق کیا جاتا ہے، اول محبت پدری، والد کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میرا بیٹا کمال حاصل کرے، اگرچہ اس کو کتنی ہی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ دوم محبت مادری، ماں کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میرا بیٹا راحت کی زندگی گزارے اور ہر فرد کی بے آرامی سے محفوظ رہے کمال حاصل ہو یا نہ ہو۔ اب رحمٰن میں محبت پدری کی طرف اشارہ ہے، انسان دنیا میں تمام عبادتوں کی مشقت برداشت کر کے کامیابی حاصل کرے اور رحیم میں شفقت مادری کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو آخرت میں ہر قسم کی راحتیں پہنچائے گا۔

۹..... شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ رحمٰن اس موصوف کو کہتے ہیں جو بالفعل رحمت کر رہا ہو اور جس کی رحمت کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہو۔ اور رحیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کے ساتھ صفت لازمہ کے طور پر ہو اور خصوصیت ذاتیہ ہو عارضہ نہ ہو، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو بالفعل ہر آن میں اپنی ساری مخلوق پر رحم فرما رہا ہے یہ رحم اس کی ذات کو لازم ہے اس کی صفت ذاتیہ ہے۔^(۱)

بائیسویں بحث: لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں

۱..... علامہ ابو بکر بھٹا صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہیں، غیر اللہ کے لئے یہ دونوں نام رکھنا جائز نہیں ہے، ان میں ایک لفظ اللہ ہے دوسرا لفظ رحمٰن ہے:

وفيه اسمان من أسماء الله تعالى المخصوصة به لا يسمي بهما
غیره وهما الله والرحمن۔^(۲)

۲..... امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ صفت رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ کسی کو رحمٰن کہنا جائز نہیں، غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ آپ کہئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو:

اکثر العلماء على أن الرحمن مختص بالله عز وجل، لا يجوز أن
يسمى به غيره، ألا تراها قال: قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن۔^(۳)

۳..... قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: اس لئے کہ رحمٰن لفظ اللہ کے مشابہہ ہے اس حیثیت سے غیر اللہ کی صفت نہیں بنتا، کیونکہ رحمٰن کے معنی اس منعم

(۱) تفسیر جوہر القرآن: ج ۱ ص ۶

(۲) احکام القرآن للجصاص: البسملہ، ج ۱ ص ۲۴

(۳) تفسیر القرطبی: البسملہ، الخامسة والعشرون، ج ۱ ص ۱۴۳

حقیقی کے ہیں جو رحمت کے انتہائی مقام کو پہنچا ہوا ہو، اور یہ معنی غیر اللہ پر صادق نہیں آتا:

لأنه صار كالعلم من حيث أنه لا يوصف به غيره لأن معناه المنعم

الحقيقي البالغ في الرحمة غايتها، وذلك لا يصدق على غيره- (۱)

۴..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام رحمن

ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے غیر اللہ کو رحمن کہنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو:

واسمه تعالى الرحمن خاص به لم يُسم به غيره كما قال تعالى: قُلْ

ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ- (۲)

۵..... قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ حق بات یہ

ہے کہ صفت رحمن حروف کی کثرت کی وجہ سے (رحیم سے) زیادہ بلند ہے، اسی وجہ سے رحمن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے نہ کہ رحیم:

والحق ان الرحمن ابلغ لزيادة البناء ولذا اختص بالله دون

الرحيم- (۳)

تیسویں بحث: لفظ رحمن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا؟

۱..... رحمن میں زیادتی بحسب الکمیت ہے، رحمن کے افراد زیادہ ہیں، کیونکہ دنیا میں

یہ مؤمن کافر سب کو شامل ہے۔ اور رحمت دنیا وجود کے اعتبار سے مقدم ہے رحمت آخرت

پر، نیز وہ بمنزلہ علم کے ہے، اور چونکہ علم مقدم ہوتا ہے وصف پر اس لئے رحمن کو رحیم پر

مقدم کیا۔

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

(۲) تفسیر ابن کثیر: البسملہ، ج ۱ ص ۱۱۹

(۳) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳

۲.....رحمن کے اندر زیادتی بحسب الکفیفیت کا لحاظ کیا تو لفظ رحمن بڑی بڑی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے، اور تسمیہ کے اندر اللہ کے اوصاف بیان کرنے کا موقع ہے، لہذا پہلے رحمن کا ذکر کیا تا کہ اللہ کے بڑے بڑے انعامات نمایاں ہوں، لیکن چھوٹی چھوٹی نعمتیں اس سے رہ گئیں، لہذا رحیم کو بطور تکملہ کے ذکر کیا، اس لئے اس کا ذکر بعد میں کیا۔

۳.....رحیم کو رؤس آیات کی محافظت کے لئے مؤخر کیا۔ رؤس آیت سے مراد آیت کے آخری حروف ہیں، آیات کے جمع کو برقرار رکھتے ہوئے رحیم کو مؤخر کیا، ان کا آخری حرف یائے ساکنہ کے بعد آ رہا ہے۔ جیسے: عالمین، دین، نستعین، وغیرہ۔

۴.....تسمیہ میں لفظ اللہ کا ذکر پہلے کیا، اس لئے کہ کوئی بھی شخص نہ مفرد کی صورت میں نہ مضاف کی صورت میں لفظ اللہ کے ساتھ متصف ہو سکتا، اس لئے لفظ اللہ کو مقدم کیا۔ رحمن کا اطلاق مفرد کی صورت میں تو غیر اللہ پر جائز نہیں، البتہ مضاف کی صورت میں جائز ہے جیسے عبد الرحمن وغیرہ۔ رحیم کا اطلاق غیر اللہ پر مفرد اور مضاف دونوں صورتوں میں ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحیم کا اطلاق قرآن میں ہوا ہے۔

۵.....علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رحیم کو مؤخر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رحیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے آپ مؤمنین پر بہت زیادہ مہربان اور نہایت رحیم ہیں (چونکہ رحمن اللہ کی صفت خاصہ ہے اس کو مقدم کیا اور رحیم عام ہے اس لئے اس کو مؤخر کیا):

وعندی من باب الإشارة ان تأخیر الرحیم لأنه صفة محمد صلی

اللہ علیہ وسلم قال تعالیٰ: بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔^(۱)

چوبیسویں بحث: رحمت کی ایسی جامع تعریف جس کے

مراد لینے کی صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا

علامہ جار اللہ زختری (متوفی ۵۳۸ھ) علامہ فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ)

قاضی بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) رحمہم اللہ، حضرات نے رحمت کی تعریف کی:

رقة القلب بحيث يقتضى الاحسان-

اب ان حضرات کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کے لئے رحمت کا حقیقی معنی رقتِ قلب مراد لینا نہیں ہے بلکہ مجازی معنی یعنی احسان کرنا مراد ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقی معنی میں گویا رحمن و رحیم نہیں ہے بلکہ اس تعریف کی صورت میں اللہ تعالیٰ مجازی طور پر رحمن و رحیم ہے، جیسے بہادر انسان کو حقیقتاً شیر نہیں کہتے بلکہ مجازاً اوصاف شجاعت کی وجہ سے شیر کہتے ہیں۔ ان حضرات نے یہ تعریف رحمتِ مطلقہ کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ انسانی یا حیوانی رحمت کی تعریف کی ہے، اس وجہ سے ان حضرات نے رحمت کی تعریف میں لفظِ قلب کا ذکر کیا ہے۔

رحمت کی صحیح تعریف: ایصال النفع سواء كان برقة القلب أو بالإرادة

اب رقتِ قلب سے رحمت کا صدور حیوانات اور انسانوں کے ساتھ مختص ہے جبکہ ارادہ سے رحمت کا صدور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

سوال: صفتِ مشبہ کا صیغہ افعالِ لازمہ سے آتا ہے، متعدی افعال سے نہیں آتا جبکہ ”رحم“ سمع کے باب سے متعدی ہے؟

جواب: جو حضرات لفظِ رحمن اور رحیم کے صفتِ مشبہ کے صیغہ ہونے کے قائل ہیں، وہ یہ

جواب دیتے ہیں کہ: یہاں ”انتقال الی اللزوم“ والی کاروائی کی گئی ہے۔

رَحِمَ كَوْفَعَلَ کے وزن پر منتقل کیا اور فَعَلَ افعالِ لازمہ میں سے ہے، لہذا اب

رحمن کا صفت مشبہ کا صیغہ بننا درست ہے۔ اب رَحِمَ اور رَحْمَ کے معنی میں فرق یہ ہوگا کہ اگر فیضان خیر کا جذبہ قبل از ظہور ہو تو ”رَحِمَ“ کے قبیل سے ہے، اور اگر بعد از ظہور ہو تو ”رَحْمَ“ کے قبیل سے ہوگا۔

مثال: کسی معذور شخص کو دیکھ کر دل میں اس کے ساتھ تعاون کا جذبہ پیدا ہوتا ہو تو یہ رَحِمَ ہے، پھر اگر اس کی مدد کی جائے تو یہ رَحْمَ کے قبیل سے ہے۔
علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں صفت مشبہ کے صیغے نہیں ہیں:

إنهما ليسا بصفة مشبهة فالأصح أنهما من ابنية المبالغة۔^(۱)

اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ ”فتوحات مکیہ“ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں، اسماء خداوندی گویا اللہ کی حکومت کے مختلف محکموں کے نام ہیں جس طرح دنیا میں ہر محکمہ کا انچارج الگ الگ ہوتا ہے۔

اب خوراک کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت رزاق کے ساتھ ہے، مجرم کو سزا دینے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت منتقم کے ساتھ ہے، تعلیم کا تعلق صفت علیم کے ساتھ ہے، بیماری سے شفاء دینے کا تعلق اللہ کی صفت شافی کے ساتھ ہے۔

صفات باری تعالیٰ کے متعلق عمدہ بحث

ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور اسماء باری تعالیٰ یہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں مگر ان تینوں کا مصداق ایک ہی ذات ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ایک عام فہم مثال یوں ہو سکتی ہے کہ اس دنیا میں ایک آفتاب (سورج) ہے، دوسری وہ روشنی ہے جو آفتاب کے جرم (جسم) کے ساتھ متعلق ہے، تیسری آفتاب کی وہ روشنی ہے جو زمین کی سطح پر پھیلی ہوئی

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۰

ہوتی ہے۔ ہم اس کو تشبیہ تو نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ سے پاک ہے، لیکن سمجھانے کے لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ جرم شمس (سورج کا جسم) بمنزلہ ذات باری ہے، اور وہ روشنی جو جرم شمس کے ساتھ قائم ہے بمنزلہ صفات باری تعالیٰ ہے، اور وہ روشنی جو زمین پر پڑتی ہے بمنزلہ افعال کے ہے۔

تو اب بات یوں ہوئی کہ آفتاب بمنزلہ ذات باری ہے اور وہ روشنی بمنزلہ صفات باری ہے، یہ روشنی آفتاب کا نہ عین ہے اور نہ غیر ہے۔ اس مثال سے صفات باری کے متعلق لا عین ولا غیر کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے، مثال مذکور میں سورج کی وہ روشنی جو زمین کی سطح پر پھیلی ہوئی ہے وہ بمنزلہ افعال خداوندی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ پوری کائنات پر رحمت خداوندی پھیلی ہوئی ہے، انسان ہوں یا حیوان، نباتات ہوں یا جمادات، عالم بالا کی مخلوق ہوں یا عالم سفلی کی، یہ سب مخلوق رحمت خداوندی کا مظہر ہے۔ الغرض جس طرح سورج کی دھوپ کو سورج کے ساتھ تعلق ہے یونہی اس کائنات پر پھیلی ہوئی رحمت کو بھی حق تعالیٰ سے تعلق ہے اسی رحمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور رحیم ہے۔

مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمی سے ہوتا ہے

مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمی سے ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی دنیا کے بادشاہ کا سارا دن وظیفہ پڑھتا رہے تو کام نہیں ہوگا، اس لئے کہ ممکنات میں اسماء کا ورد غیر مؤثر ہے مگر ذات باری تعالیٰ میں اسماء مؤثر ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے: **فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ**۔

تکوینیات اور تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ

تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک اسم جلالی اور دو اسم جمالی ہیں۔ تکوینیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ اس طور پر ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں سے دوست و دشمن سب فائدہ اٹھا رہے ہیں، دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادہ صرف ایمان والوں کے ساتھ مختص نہیں ہے، بلکہ غیر مسلموں کو دنیا کی نعمتیں ایمان والوں سے کہیں زیادہ دیں، تو تکوینیات میں اللہ کی نعمتوں

سے استفادہ خاص و عام سب ہی اٹھا رہے ہیں۔ اسی طرح تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ ہے، اگر ایک شخص سو سال کے بعد بھی مسلمان ہو تو اسلام لانے کی بدولت اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک، جو گناہ صغیرہ درمیان میں صادر ہو جائیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرماتے ہیں۔ گویا تکوینیات اور تشریعیات دونوں میں اللہ کی رحمت کا غلبہ ہے۔

پچیسویں بحث: اسماء باری تعالیٰ میں اعتبار غایات کا

ہوتا ہے نہ کہ مبادی کا

سوال: رحمت کا معنی رقتِ قلب اور غضب کا معنی ”ثوران النفس“ ہے اللہ تعالیٰ تو جسم اور اس کے لوازمات سے پاک ہے۔ اب ان معانی کے نسبت اگر ذات باری تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے کیا مراد ہوگا؟

جواب: ذات باری تعالیٰ پر جن الفاظ کا اطلاق کرنا اگر ان کے حقیقی معنی کے اعتبار سے درست نہ ہو تو وہاں ان الفاظ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ان کی غایات اور آثار کے اعتبار سے ہوگا جو از قبیل تاثیر ہیں، ان اسباب و مبادی کے اعتبار سے نہیں جو از قبیل انفعال ہیں۔ مثلاً لفظِ رحمت اس کے معنی رقتِ قلب کے ہیں یہ مبداء اور سبب ہے، مگر اس کا اثر انعام اور احسان ہے، مبداء تو از قبیل انفعال ہے اور اثر از قبیل تاثیر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کا معنی رقتِ قلب ہے جو مبداء ہے یہ مراد نہیں بلکہ منتہی یعنی احسان کرنا مراد ہے، اسی طرح ثوران النفس مبداء مراد نہیں بلکہ غایت یعنی انتقام لینا مراد ہے۔

۱..... علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے متعلق لفظ غضب سنو تو اسے اعراض کی انتہاء (یعنی انتقام) پر محمول کرو نہ کہ اعراض

کی ابتداء (یعنی نفس کا جوش مارنا):

فإذا سمعت الغضب في حق الله تعالى فاحمله على نهايات

الأعراض لا على بدايات الأعراض- (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اسمائے باری تعالیٰ کو غایات

کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں:

أسماء الله تعالى إنما تؤخذ باعتبار الغايات التي هي أفعال دون

المبادى التي تكون انفعالات- (۲)

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ اسمائے

باری تعالیٰ کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں:

أسماء الله تعالى تؤخذ باعتبار الغايات التي هي أفعال دون المبادى

التي هي انفعالات- (۳)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ اسمائے باری

تعالیٰ کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں:

أسماء الله تعالى إنما تؤخذ باعتبار الغايات دون المبادى فإنها

انفعالات- (۴)

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الثامن، ج ۱ ص ۱۴۱

(۲) التفسير البيضاوي: البسمة، ج ۱ ص ۲۹

(۳) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸

(۴) التفسير المظهرى: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴

چھبیسویں بحث: لفظِ رحمت قرآن کریم میں انیس

(۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظِ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے

- ۱..... نزولِ قرآن کے مشہور اور مقصود کو بتلانے کے لئے۔
- ۲..... تمام رسولوں کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں کے لئے رحمت کہا گیا۔
- ۳..... نیک کام کرنے کی توفیق اور احسان کرنے کے معنی میں۔
- ۴..... رسولوں کی نبوت کے معنی میں۔
- ۵..... اسلام اور ایمان کے معنی میں۔
- ۶..... پہچان کی نعمت۔
- ۷..... گناہوں سے بچنا۔
- ۸..... انسانوں اور حیوانوں کا رزق۔
- ۹..... آزمائش اور امتحان سے عاقبت۔
- ۱۰..... آگ کے عذاب سے نجات دینا۔
- ۱۱..... دشمن کے مقابلے میں مدد۔
- ۱۲..... اہل ایمان کے درمیان الفت اور موافقت۔
- ۱۳..... وہ کتاب (یعنی تورات) جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
- ۱۴..... ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تعریف۔
- ۱۵..... زکریا علیہ السلام کی دُعا کا قبول ہونا۔
- ۱۶..... نافرمانوں کے لئے معافی۔

۱۷.....رحمت کے دروازوں کا کھلنا۔

۱۸.....جنت سلامتی اور امن کی جگہ ہے۔

۱۹.....رحمن کے لئے بطور صفتِ رحمت کے استعمال ہونا۔

الأول: بمعنى منشور القرآن: وَ نُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ^۱ - (بنی اسرائیل: ۸۲)

الثانی: بمعنى سيد الرسل: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ^۲

(الأنبياء: ۱۰۷)

الثالث: بمعنى توفيق الطاعة والإحسان: فِيمَا رَحْمَةً مِّنَ اللَّهِ لِيُنزِلَ

لَهُمْ^۳ (آل عمران: ۱۵۹)

الرابع: بمعنى نبوة المرسلين: أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ^۴

(الزخرف: ۳۲)

الخامس: بمعنى الإسلام و الإيمان: يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ^۵ (آل

عمران: ۷۴)

السادس: بمعنى نعمة العرفان: وَ اثْنَيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِي أَى

معرفة - (هود: ۲۸)

السابع: بمعنى العصمة من العصيان: إِلَّا مَن رَّجِمَ^۶ (هود: ۴۳)

الثامن: بمعنى أرزاق الإنسان والحيوان: لَوْ أَنتُمْ تَدْرِكُونَ خَزَائِنَ

رَحْمَتِي^۷ (الإسراء: ۱۰۰)

التاسع: بمعنى العافية من الابتلاء و الامتحان: أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ

(الزمر: ۳۸)

العاشر: بمعنى النجاة من عذاب النيران: وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ

رَحْمَتُهُ^۸ (النور: ۱۳)

الحادی عشر: بمعنی النُصْرَة علی اهل العدوان: اَوْ اَرَادَ بِكُمْ

رَاحِمَةً (الأحزاب: ۱۷)

الثانی عشر: بمعنی الألفة والموافقة بین اهل الإيمان: وَ جَعَلْنَا فِي

قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً وَ رَاحِمَةً (الحديد: ۲۷)

الثالث عشر: بمعنی الكتاب المنزل علی موسى بن عمران: وَ مِنْ

قَبْلِهِ كِتَابٌ مُؤْتَى إِمَامًا وَ رَاحِمَةً (هود: ۱۷)

الرابع عشر: بمعنی الثناء علی ابراهيم والولدان: رَاحِمَتُ اللَّهِ وَ

بَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ (هود: ۷۳)

الخامس عشر: بمعنی إجابة دعوة زكريا: ذِكْرُ رَاحِمَتِ رَبِّكَ عَبْدَاهُ

ذَكَرِيَّا (مريم)

السادس عشر: بمعنی العفو عن ذوی العصيان: لَا تَقْنَطُوا مِنْ

رَاحِمَةِ اللَّهِ (الزمر: ۵۳)

السابع عشر: بمعنی فتح ابواب الرُّوح: مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ

رَاحِمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر: ۲)

الثامن عشر: بمعنی الجنة دار السلام والأمان: إِنَّ رَاحِمَتَ اللَّهِ

قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الأعراف)

التاسع عشر: بمعنی صفة الرَّحِيم الرحمان: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ

الرَّحْمَةَ (الأنعام: ۵۳) (۱)

رحیم در حقیقت اللہ ہی کی ذات ہے

رحیم ذات حقیقت میں اللہ کی ہے دنیا میں کوئی شخص بھی اگر دوسرے کے ساتھ احسان

کرتا ہے تو کسی عوض کی وجہ سے کرتا ہے۔

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الكتاب العزیز: الباب الحادی عشر، ج ۳ ص ۵۸ تا ۵۵

عوض کی دو قسمیں ہیں

۱..... جسمانی، ۲..... روحانی

جسمانی: جیسے دنیا میں کوئی شخص دوسرے کو مال دیتا ہے تاکہ اس کے عوض اس سے کوئی

چیز خریدے۔

روحانی کی چھ قسمیں ہیں:

۱..... کوئی شخص دوسرے کو مال اس لئے دیتا ہے تاکہ اس کے عوض اس شخص سے

خدمت حاصل کرے۔

۲..... کسی شخص کے ساتھ مالی تعاون اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کے عوض وہ اپنے جملہ

امور کی ادائیگی میں اس سے مدد طلب کرے۔

۳..... کسی کے ساتھ مالی تعاون اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ اس کی تعریف کرے کہ

فلاں شخص کتنا سخی ہے۔

۴..... کسی کے ساتھ احسان اس لئے کرتا ہے تاکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو بہترین

بدلہ عطا فرمائیں۔

۵..... کوئی شخص دوسرے کے ساتھ تعاون اس لئے کرتا ہے تاکہ دل سے مال کی محبت

ختم ہو جائے۔

۶..... کسی کے ساتھ احسان اس لئے کرتا ہے تاکہ رِقَّتِ جنسیت کو زائل کرے۔

رِقَّتِ جنسیت اس رقت کو کہتے ہیں جو اپنے ہم جنس کو پریشان حال دیکھ کر عارض ہوتی ہے

اور جس کی وجہ سے انسان مضطرب و پریشان ہوتا ہے، اس کیفیت کے عارض ہونے کے بعد

اگر مال دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے دے رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ منعم حقیقی حقیقت میں اللہ ہی کی ذات ہے بندہ انعام کرنے میں صرف

واسطہ ہے کیونکہ خود نعمتوں کو پیدا کرنا، ان کو وجود میں لانا، ان کو مستحقین تک پہنچانے میں

قدرت عطا کرنا اور دل میں داعیہ اور شوق پیدا کرنا جو بندے کو ایثارِ نعمت پر ابھار رہا ہے، یہ

سب اللہ کی طرف سے ہے تو منع حقیقی بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

فإن قيل: فهل لغير الله رحمة أم لا؟ قلنا: الحق أن الرحمة ليست إلا لله، فكل أحد غير الله فهو إنما يعطى ليأخذ عوضاً، إلا أن الأعواض أقسام: منها جسمانية مثل أن يعطى ديناراً ليأخذ شيئاً، ومنها روحانية وهي أقسام: فأحدها: أنه يعطى المال لطلب الخدمة، وثانيها: يعطى المال لطلب الإعانة، وثالثها: يعطى المال لطلب الثناء الجميل، ورابعها: يعطى المال لطلب الثواب الجزيل، وخامسها: يعطى المال ليزيل حب المال عن القلب، وسادسها: يعطى المال لدفع الرقة الجنسية عن قلبه، وكل هذه الأقسام أعواض روحانية۔^(۱)

ستا میسویں بحث: بسم اللہ کے گیارہ عمدہ خواص

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ”احکام و خواص بسم اللہ“ میں تسمیہ کے گیارہ (۱۱) خواص نقل کئے ہیں۔

..... ہر مشکل اور حاجت کے لئے

جو شخص بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ایک ہزار پورا کرنے کے بعد درود شریف کم از کم ایک مرتبہ پڑھے اور اپنے مقصد کے لئے دعا مانگے، پھر ایک ہزار اور اسی طرح پڑھے کہ مقصد کے لئے دعا کرے، اس طرح بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) پورا کرے تو ان شاء اللہ ہر مشکل آسان اور ہر حاجت پوری ہوگی۔

(۱) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب العاشر، ج ۱ ص ۱۵۱

۲..... بسم اللہ کو عددِ حروف کے موافق پڑھنا

بسم اللہ کے حروف کے عدد سات سو چھیاسی (۷۸۶) ہیں، جو شخص اس عدد کے موافق سات روز تک متواتر ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھا کرے اور اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے تو ان شاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

۳..... تسخیرِ قلوب

جو شخص ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کو چھ سو (۶۰۰) مرتبہ لکھ کر اپنے پاس رکھے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت و عزت ہوگی کوئی اس سے بدسلوکی نہ کرے گا۔

۴..... حفاظتِ آفات

جو شخص محرم کی پہلی تاریخ کو ایک سو تیرہ (۱۱۳) مرتبہ مکمل ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھے گا ہر طرح کی آفات و مصائب سے محفوظ رہے گا مجرب ہے۔

۵..... چوری اور شیطان سے حفاظت

سونے سے پہلے اکیس (۲۱) مرتبہ پڑھے تو چوری اور شیطانی اثرات سے اور اچانک موت سے محفوظ رہے گا۔

۶..... ظالم پر غلبہ

کسی ظالم کے سامنے پچاس (۵۰) مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو مغلوب کر کے اس کو غالب کر دیں گے۔ سات سو چھیاسی (۷۸۶) مرتبہ پانی پر دم کر کے جس کو پلائے اس کو گہری محبت ہو جائے گی (ناجائز کاموں میں استعمال کرے تو وبال کا خطرہ ہے)۔

۷..... حفاظتِ اولاد

جس عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کو اکٹھ (۶۱) مرتبہ لکھ کر تعویذ بنا کر اپنے پاس رکھے تو بچے محفوظ رہیں گے۔ مجرب ہے۔

۸..... کھیتی کی حفاظت اور برکت کے لئے

ایک سو ایک (۱۰۱) مرتبہ کاغذ پر لکھ کر کھیت میں دفن کر دے تو کھیتی تمام آفات سے محفوظ رہے گی اور اس میں برکت ہوگی۔

۹..... حکام کے لئے

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کسی کاغذ پر پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ لکھے اور اس پر ڈیڑھ سو (۱۵۰) مرتبہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھے پھر اس تعویذ کو اپنے پاس رکھے تو حکام مہربان ہو جائیں گے اور ظالم کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۱۰..... در دوسر کے لئے

اکیس (۲۱) مرتبہ لکھ کر کے گلے میں یا سر پر باندھ دیں تو در دوسر نہ ہوگا۔

۱۱..... ذہن اور حافظہ کے لئے

سات سو چھیاسی (۷۸۶) مرتبہ پانی پر دم کر کے طلوع آفتاب کے وقت پیئے تو ذہن کھل جائے گا اور ان شاء اللہ حافظہ قوی ہوگا۔

اٹھائیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے تسمیہ کی تفسیر

میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ ہرزہر کا تریاق

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہو گئے، بارگاہِ خداوندی میں اپنی کیفیت بیان کی، ارشاد ہوا فلاں بوٹی کھا لو آرام آجائیگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جنگل سے وہ بوٹی توڑ کر کھالی آرام آ گیا، کچھ عرصہ بعد پھر آپ کو وہی بیماری لاحق ہوئی آپ سیدھے جنگل گئے اور وہی بوٹی توڑ کر کھالی مگر افاقہ ہونے کے بجائے مرض نے اور شدت اختیار کر لی۔ آپ

بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا اللہ! پہلی مرتبہ اس دوا سے شفا حاصل ہوئی تھی لیکن اس دفعہ مرض اور بڑھ گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تم ہماری طرف سے بوٹی کی طرف گئے تھے اس لئے شفاء حاصل ہوگئی، دوسری مرتبہ تم خود ہی اس کی طرف چلے گئے اس لئے بیماری شدید ہوگئی، کیا تم نہیں جانتے ساری دنیا ہر قاتل ہے اور اس کا تریاق صرف ہمارا نام ہے۔^(۱)

فرعون کا دعویٰ الوہیت سے پہلے کا واقعہ

..... امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے واقعہ نقل کیا کہ فرعون نے الوہیت کا دعویٰ کرنے سے پہلے ایک محل بنوایا اور اس کے دروازے پر ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھوایا، جب فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا، موسیٰ علیہ السلام نے مسلسل ان کو دعوت دی لیکن اس پر ہدایت کے کوئی آثار نظر نہیں آئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اے اللہ! میں نے کئی مرتبہ اس کو دعوت دی لیکن میں اس میں کوئی بھلائی نہیں دیکھتا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! تو اس کے کفر کی طرف دیکھ کر کہتا ہے میں اس کو ہلاک کروں لیکن میں اس کی طرف دیکھ کر رک جاتا ہوں جو اس نے اپنے دروازے پر لکھوایا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو تسمیہ کو دروازے پر لکھوائے تو وہ ہلاکت سے محفوظ ہو جاتا ہے اگرچہ وہ کافر ہو، تو اس شخص کا کیا کہنا جس نے اس کلمے کو شروع عمر سے آخری عمر تک اپنے دل پر لکھا ہو:

روی ان فرعون قبل ان یدعی الإلہیۃ بنی قصرًا وأمر ان یکتب
بسم اللہ علی بابہ الخارج، فلما ادعی الإلہیۃ وارسل إلیہ موسیٰ علیہ
السلام ودعاہ فلم یر بہ اثر الرشید قال: إلیہ کم ادعواہ ولا اری بہ

(۱) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۲

خيراً، فقال تعالى: يا موسى! لعلك تريد إهلاكه، أنت تنظر إلى كفره وأنا أنظر إلى ما كتبه على بابهِ، والنكته أن من كتب هذه الكلمة على بابهِ الخارج صار آمناً من الهلاك وإن كان كافراً فالذي كتبه على سويداء قلبه من أول عمره إلى آخره كيف يكون حاله؟^(۱)

قوم نوح کی نجات کا ایک سبب

۲..... حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو فرمایا:

”بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِبَهَا وَ مُرْسَهَا“ تو اس نصف کلمہ کے پڑھنے کی وجہ سے اللہ نے ان کو اور ان کی قوم کو نجات دی، پس وہ شخص جو ساری عمر اس کلمے کو پڑھے وہ نجات سے کیسے محروم رہ سکتا ہے؟

ان نوحاً علیہ السلام لما ركب السفينة قال: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِبَهَا وَ مُرْسَهَا فوجد النجاة بنصف هذه الكلمة، فمن واظب على هذه الكلمة طول عمره كيف يبقى محروماً عن النجاة؟^(۲)

قیصر روم کا واقعہ

۳..... قیصر روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتا ہے تو آپ میرے لئے کوئی دوا بھیجیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طرف ایک ٹوپی بھیجی، اب قیصر روم جب اس ٹوپی کو اپنے سر پر رکھتا تو درد بالکل ختم ہو جاتا اور جب ٹوپی اتارتا تو پھر سر میں درد ہونے لگتا، تو اسے بڑا تعجب ہوا تو اس نے ٹوپی کو پھاڑا تو دیکھا اندر ایک کاغذ ہے جس پر ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ لکھا ہوا ہے:

(۱) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۲

(۲) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۳

کتب قیصر إلى عمر رضی اللہ عنہ ان بی صداعاً لا یسکن فابعث لی دواء، فبعث إليه عمر قلنسوة فكان إذا وضعها علی رأسه یسکن صداعه، وإذا رفعها عن رأسه عاودة الصداع، فعجب منه ففتش القلنسوة فإذا فيها کاغذ مكتوب فيه: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔^(۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ

۴..... ایک مجوسی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں اس مذہب کی حقانیت پر ہمیں کوئی نشانی بتائیں تاکہ ہم وہ دیکھ کر مسلمان ہو جائیں، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زہر منگوا یا اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھ کر اس کو کھایا تو اللہ کے فضل و کرم سے زہر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، تو یہ دیکھ کر وہ مجوسی پکاراٹھا کہ یہ دین برحق ہے:

طلب بعضهم آية من خالد بن الوليد فقال: إنك تدعي الإسلام فأرنا آية لنسلم، فقال: أنتوني بالسسم القاتل، فأتى بطاس من السم، فأخذها بيده وقال: بسم اللہ الرحمن الرحيم، وأكل الكل وقام سالمًا بإذن اللہ تعالیٰ، فقال المجوس هذا دين حق۔^(۲)

بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے عذاب میں مبتلا والد کی بخشش کا واقعہ

۵..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے اس قبر والے کو مزادے رہے ہیں، جب وہ واپس لوٹے تو کیا دیکھا کہ رحمت کے فرشتے آئے ہوئے ہیں اور ان کے پاس نور کے طاقے ہیں، تو انہیں بڑا تعجب ہوا کہ پہلے کچھ دیر پہلے عذاب ہو رہا تھا اور اب یہ رحمت کا معاملہ، تو آخر انہوں نے اللہ سے دعا کی تو

(۱) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

(۲) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گناہ گار تھا اور اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھا، اس کی اہلیہ حاملہ تھی ان کے ہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی تو ان کی اہلیہ نے اس کی پرورش کی یہاں تک کہ بڑا ہوا تو اس کو تعلیم کے لئے بھیجا، اب جب اس بچے نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے شرم آئی اس بات پر کہ میں اس کے والد کو زمین کے نیچے سزا دوں جب کہ اس کا بیٹا زمین پر میرا نام لے، تو بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے باپ کی بخشش ہوگئی:

مر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام علی قبر فرأی ملائكة العذاب
 یعذبون میتاً، فلما انصرف من حاجته مر علی القبر فرأی ملائكة
 الرحمة معهم أطباق من نور، فتعجب من ذلك، فصلى ودعا الله
 تعالیٰ فأوحى الله تعالیٰ إلیه: یا عیسیٰ! كان هذا العبد عاصياً ومن
 مات كان محبوباً فی عذابی، وكان قد ترك امرأة حبلى فولدت
 ولداً وربته حتى كبر، فسلمته إلی الكتاب فلقنه المعلم بسم الله
 الرحمن الرحيم، فاستحيت من عبدی أن أعذبه بناری فی بطن
 الأرض وولده یذكر اسمی علی وجه الأرض۔^(۱)

علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے بھی آخری تینوں واقعات کو نقل کیا ہے، دیکھئے:

(اللباب فی علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۵)

حضرت بشر بن حارث المعروف بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ (متوفی ۵۷۱ھ) نقل کرتے ہیں کہ آپ کی توبہ کا سبب یہ

واقعہ بنا:

(۱) التفسیر الكبير: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

آپ ایک مرتبہ راستے سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ زمین پر ایک کاغذ پڑا ہوا ہے جو بے احتیاطی میں رونداجا رہا ہے جبکہ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اسم گرامی موجود ہے، تو انہوں نے اس کو اٹھایا اور ایک درہم کی عمدہ خوشبو خریدی، کاغذ سے گرد و غبار ہٹا کر اس پر خوشبو لگائی، پھر اس کو اونچی جگہ پر نہایت احترام کے ساتھ رکھا۔ پس رات کو جب سوئے تو خواب میں دیکھا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے اے بشر! جس طرح تو نے میرے نام کو احترام کر کے خوشبو لگائی ہم بھی تیرے نام کو دنیا و آخرت میں اسی طرح خوشبودار بنائیں گے، چنانچہ آج بھی اولیاء اللہ کا نام آتا ہے تو حضرت بشرحانی رحمہ اللہ کا نام ان میں نمایاں ہوتا ہے:

وكان كبير الشأن وكان سبب توبته انه اصاب في الطريق كاغذة مكتوبا عليها اسم الله وطئتها الأقدام فأخذها واشترى بدرهم كان معه غالبية فطيب بها الكاغذة وجعلها في شق حائط فرأى فيما يرى النائم كأن قائلًا قال له يا بشر طبت اسمي لأطيبين اسمك في الدنيا والآخرة۔^(۱)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶) نے بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت بشرحانی رحمہ اللہ نے ایک کاغذ زمین پر پڑا ہوا دیکھا اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی تھی، پس آپ نے اٹھایا اور مُشک کی خوشبو سے اُسے معطر کر کے اونچی جگہ پر رکھ دیا، پس خواب میں دیکھا کوئی قائل یہ کہہ رہا تھا: اے بشر! تم نے ہمارے نام کو معطر کیا، ہم بھی تمہارے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار کریں گے:

رأى بشر الحافى كاغذاً مكتوباً فيه: بسم الله الرحمن الرحيم فرفعه وطيبه بالمسك فرأى في النوم قائلًا يقول: يا بشر طبت اسمنا فنحن نطيب اسمك في الدنيا والآخرة۔^(۲)

(۱) تارخ مدينة دمشق: حرف الباء، ترجمة: بشر بن الحارث بن عبد الرحمن، ج ۱۰ ص ۱۸۱

(۲) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

سورہ توبہ اور جانور کے ذبح کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھنے کی حکمت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ مشتمل ہے ان مضامین پر جن میں قتال کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس کے شروع میں تسمیہ نہیں لکھا گیا۔ نیز سنت یہ ہے کہ بوقت ذبح ”بسم اللہ و اللہ اکبر“ کہا جائے، مکمل ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ نہ پڑھا جائے اس لئے کہ قتال اور جانور کے ذبح کرتے وقت ”الرحمن الرحیم“ نہ پڑھنا مناسب ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو فرض نمازوں میں تسمیہ کے سترہ (۱۷) مرتبہ پڑھنے کی توفیق دی تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے ہم کو قتل اور عذاب کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل و احسان کے لئے پیدا کیا ہے:

لما كانت سورة التوبة مشتملة على الأمر بالقتال لم يكتب في أولها بسم الله الرحمن الرحيم وأيضاً السنة أن يقال عند الذبح باسم الله والله أكبر ولا يقال: بسم الله الرحمن الرحيم لأن وقت القتال والقتل لا يليق به ذكر الرحمن الرحيم، فلما وفقك لذكر هذه الكلمة في كل يوم سبع عشرة مرة في الصلوات المفروضة دل ذلك على أنه ما خلقت للقتل والعذاب، وإنما خلقت للرحمة والفضل والإحسان۔^(۱)

تسمیہ میں انیس (۱۹) حروف ذکر کرنے کی دو حکمتیں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جہنم پر انیس (۱۹) فرشتے مقرر ہیں اور تسمیہ میں بھی انیس (۱۹) حروف ہیں، جو ان کے پڑھنے کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے فرشتوں سے محفوظ رکھے گا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ دن اور رات میں کل چوبیس (۲۴) گھنٹے ہوتے ہیں، اور ان میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اب باقی انیس (۱۹)

(۱) التفسیر الکبیر: الكتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۶

گھنٹے رہ گئے، اب جو تسمیہ کے حروف پڑھنے کا اہتمام کرے گا تو یہ کفارہ ہو جائیں گے ان گناہوں کے جو انیس (۱۹) گھنٹوں میں صادر ہوئے ہیں:

قيل بسم الله الرحمن الرحيم تسعة عشر حرفاً، وفيه فائدتان:
 إحداهما: أن الزبانية تسعة عشر، فالله تعالى يدفع بأسهم بهذه
 الحروف التسعة عشر، الثانية: خلق الله تعالى الليل والنهار أربعة
 وعشرين ساعة، ثم فرض خمس صلوات في خمس ساعات فهذه
 الحروف التسعة عشر تقع كفارات للذنوب التي تقع في تلك
 الساعات التسعة عشر۔^(۱)

انتیسویں بحث: تسمیہ میں بلاغت کے عمدہ نکات

۱.... الإيجاز بإضافة العام إلى الخاص في قوله بسم الله۔

۲.... الاستعارة المكنية التبعية إذا جعلنا الباء للاستعانة لتشبيها
 بارتباط يحصل بين المستعین والمستعان به ولذا جعل الباء
 للإصاق يكون في الكلام مجاز مرسل علاقة المحلية نحو مررت
 بزید ای الصقت مروری بمكان يقرب إلى زید لا بزید لفظ۔^(۲)

تیسویں بحث: تسمیہ کی ترکیب نحوی

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ میں حرف باء جار ہے، ”اسم“ مجرور اور مضاف،
 لفظ ”اللہ“ مضاف الیہ اور موصوف ہے، لفظ ”الرحمن الرحیم“ دونوں یکے بعد دیگرے
 لفظ اللہ کی صفات ہیں۔ موصوف ”اللہ“ اپنی دونوں صفات ”الرحمن“ اور ”الرحیم“

(۱) التفسیر الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادی عشر، ج ۱ ص ۱۵۶

(۲) حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، البحث السادس، ج ۱ ص ۳۷

کے ساتھ مل کر ”اسم“ کا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر جار یعنی حرف باء کا مجرور بن گیا۔ اب اس حرف باء (جار) کا متعلق ہے جو فعل محذوف ہے۔ وہ یہاں ”أَشْرَعُ، أَبْدَأُ“ یا ”أَقْرَأُ“ وغیرہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جار و مجرور اور فعل محذوف جس میں فاعل بھی ہے۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ یہاں فعل محذوف صیغہ امر ”أَبْدَأُ“ یا ”أَقْرَأُ“ کو مانا جائے، اس طرح تسمیہ، جملہ فعلیہ انشائیہ قرار پائے گا۔

پہلی بحث: سورہ فاتحہ کی ہے یا مدنی؟

سورہ فاتحہ کا زمانہ نزول

سورہ فاتحہ کا زمانہ نزول کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

۱..... یہ مکی دور میں نازل ہوئی۔

۲..... یہ مدنی دور میں نازل ہوئی۔

۳..... یہ دو مرتبہ نازل ہوئی، پہلے مکی دور میں اور دوسری مرتبہ مدنی دور میں۔

سورہ فاتحہ کا مکی ہونا مذہب مختار ہے، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کے علاوہ خود قرآن کریم اس امر کی تائید کرتا ہے، سورہ حجر بالاتفاق مکی سورت ہے، اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ لَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۱۰﴾ (الحجر)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورہ

فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

”سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي“ سے مراد متفقہ طور پر سورہ فاتحہ ہے کیونکہ یہ سات آیتوں پر مشتمل ہے اور یہی وہ سورت ہے جو بار بار نماز میں دہرائی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ یہ نام اسی سورت کا بیان فرمایا، گویا آیت مذکورہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ عطا کی ہے، چنانچہ سورہ حجر کی یہ آیت جو مکہ میں نازل ہوئی، اس

بات کی قطعی شہادت مہیا کر رہی ہے کہ سورہ فاتحہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ بایں وجہ اس سورت کا مکی ہونا ہی قول صحیح ہے۔

امام ثعلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر علماء کا اتفاق اسی قول پر ہے، امام واحدی رحمہ اللہ نے ”أسباب النزول“ میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”الإتقان فی علوم القرآن“ میں اسی امر کی تائید کی ہے، امام ابن جریر طبری، حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ اور اکثر متقدمین و متاخرین کا بھی یہی مذہب ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام ابو العالیہ، قتادہ، ابو میسرہ رحمہم اللہ اور دیگر صحابہ و تابعین بھی اسی موقف کے قائل ہیں۔

بعض علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مدنی ہے، امام مجاہد، امام عطاء بن یسار اور امام زہری رحمہم اللہ سے یہ رائے منقول ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(الإتقان فی علوم القرآن: النوع الأول، ج ۱ ص ۴۶)

بعض علماء نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ سورہ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی، پہلی بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں، جب بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا، اس قول سے مذکورہ بالا دونوں اقوال کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے:

وقیل مکية ومدنية لأنها نزلت بمكة مرة وبالمدینة اخرى۔^(۱)

یہ بھی کہا گیا کہ سورہ فاتحہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی کیونکہ یہ ایک بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں نازل ہوئی۔

اکثر علماء کے ہاں سورہ فاتحہ مکی ہے اور یہی قول صحیح ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابو العالیہ ریاحی جن کا نام رفیع ہے

اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔ جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مجاہد، عطاء بن یسار اور زہری رحمہم اللہ وغیرہم اس کے مدنی ہونے کے قائل ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدھی سورت مکہ میں نازل ہوئی اور آدھی مدینہ میں، یہ قول ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ ان میں صحیح ترین پہلا قول ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ”وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۱۰﴾“ سورہ حجر میں ہے جس کے مکی ہونے پر اجماع ہے۔ دوسرے اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ نماز مکہ میں ہی فرض ہو گئی تھی اور یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ اسلام میں کبھی ”أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کے بغیر کوئی نماز پڑھی گئی ہو۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد گرامی بھی ہے:

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

یعنی سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

پھر اس سے مراد نماز میں سورہ فاتحہ کا حکم ہے نہ کہ نماز کی ابتداء کے بارے میں بتانا:

اختلفوا اھی مکیة ام مدنیة؟ فقال ابن عباس وقتادة وأبو العالیة الریاحی واسمه رفیع وغیرهم: هی مکیة، وقال أبو هریرة ومجاهد وعطاء بن یسار والزهری وغیرهم: هی مدنیة، ویقال: نزل نصفها بمکة، ونصفها بالمدينة، حکاه أبو اللیث نصر بن محمد بن ابراهیم السمرقندی فی تفسیره، والأول أصح لقوله تعالیٰ: ولقد آتیناک سبعا من المثنی والقرآن العظیم، والحجر مکیة بإجماع، ولا خلاف أن فرض الصلاة كان بمکة، وما حفظ أنه كان فی الإسلام قط صلاة بغیر الحمد لله رب العالمین، يدل علی هذا قوله علیه السلام: لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب۔^(۱)

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الثانی، ج ۱ ص ۱۵۴

۲..... علامہ مجدد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ)

فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سورہ فاتحہ کہاں نازل ہوئی ہے؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے یہی قول صحیح ہے:

اختلف العلماء في موضع نزولها، فقیل: نزلت بمكة وهو

الصحيح۔ (۱)

۳..... علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے

میں اختلاف ہے کہ سورہ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟ اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ سورہ فاتحہ مکی ہے، یہی قول حضرت علی، عبد اللہ بن عباس، قتادہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

اختلف فيها فالأكثر عن علي أنها مكية وهو المروي عن علي وابن

عباس وقتادة وأكثر الصحابة۔ (۲)

۴..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک سورہ فاتحہ

مکی ہے، اور یہ سورہ مدثر کے بعد نازل ہوئی:

سورة الفاتحة مكية نزلت بعد المدثر وهو قول أكثر العلماء۔ (۳)

امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ

میں سات آیات ہیں:

أجمعت الأمة على أن فاتحة الكتاب سبع آيات۔ (۴)

(۱) بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب الأول، ج ۱ ص ۱۲۸

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۵

(۳) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۳

(۴) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثاني، ج ۱ ص ۱۵۳

سورہ فاتحہ کے امتیازات

امام ابن حصار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو ان نصوص کے ہوتے ہوئے اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی سورت نہ تورات میں نازل فرمائی، نہ انجیل میں نہ خود قرآن کریم میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبور وغیرہ دیگر کتابوں اور صحیفوں کے ذکر سے خاموشی اختیار فرمانا اس لئے ہے کہ جن کتابوں کا ذکر کیا وہ ان تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے افضل ہیں۔ جب کوئی چیز افضل سے بھی افضل ہو تو سب سے افضل قرار پاتی ہے۔ جیسے زید سارے علماء سے افضل ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں سے افضل ہے۔

اور سورہ فاتحہ میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو دوسری سورتوں میں نہیں ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے، یہ پچیس الفاظ پر مشتمل ہے جو قرآن کریم کے سارے علوم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس کی امتیازی شان یہ بھی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم فرما دیا ہے، اس کے بغیر نماز جیسی اہم عبادت صحیح نہیں ہوتی، نہ کوئی دوسرا عمل اس کے ثواب کو پہنچتا ہے، اس بناء پر اسے ام القرآن العظیم ہونے کا شرف حاصل ہے جیسا کہ

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثَلَاثَ الْقُرْآنِ-

”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (۱)

یہ اس طرح کہ قرآن مجید تین طرح کے موضوعات توحید، احکام اور وعظ پر مشتمل ہے، اور پوری سورہ اخلاص میں توحید ہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے جو ارشاد فرمایا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن کی کونسی آیت عظیم ترین ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

(۱) صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرين وقصرها، ج ۱ ص ۵۵۶، رقم الحدیث: ۸۱۱

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرة: ۲۵۵)

خدا وہ برحق ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یہ آیت بھی اس لئے عظیم ترین قرار پائی کہ یہ ساری کی ساری توحید پر مشتمل ہے۔ اسی مفہوم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

أَفْضَلُ مَا قُلْتُهُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ (۱)

سب سے افضل بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے)

یہ تمام اذکار میں سے بہترین ذکر ہے کیوں کہ اس کے الفاظ میں توحید کے سارے علوم سمائے ہوئے ہیں، اسی طرح سورہ فاتحہ توحید، عبادت، اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہے۔ اتنے زیادہ علوم اتنی چھوٹی سورت میں سمو دینا اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ (۲)

سورہ فاتحہ کا کون سا حصہ رقیہ (دم) ہے؟

امام مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں: دم کرنے کے لئے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کے الفاظ ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ پوری سورت ہی دم ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صحابی نے فاتحہ سے دم کرنے کے متعلق بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: تمہیں کیسے پتہ چلا کہ دم ہے؟ یوں نہیں فرمایا کہ اس میں دم ہے۔ یہ اس بات کی دلیل

(۱) مصنف عبد الرزاق: کتاب المناسک، باب فضل ایام العشر، ج ۳ ص ۳۷۸، رقم

الحدیث: ۸۱۲۵

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الأول، الثانية، ج ۱ ص ۱۱۰، ۱۱۱

ہے کہ پوری سورت ہی دم ہے کیوں کہ یہ قرآن مجید کا افتتاح اور اس کی ابتداء ہے، اور تمام علوم پر مشتمل ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔^(۱) واللہ اعلم

الحمد للہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی جبکہ قرآن

میں ”فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ“ کہہ کر اس سے روکا گیا؟

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے الحمد کہہ کر اپنی تعریف خود فرمائی اور اپنی کتاب کا آغاز بھی اپنی تعریف ہی سے کیا، حالانکہ دوسروں کو اپنی تعریف خود کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ۗ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ (النجم)

اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو وہی بہتر جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ خوشامدیوں کے منہ میں مٹی ڈالو:

اَمْرًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَحْثِيْ فِيْ وُجُوْهِ الْمَدَّاحِيْنَ
التُّرَابَ۔ (۲)

یوں ارشاد باری تعالیٰ: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ“ کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے مخلوق سے پہلے ازل میں اپنی تعریف کی تو اس میں کوئی عیب نہ تھا، جب کہ مخلوق میری تعریف کرتی ہے تو اس میں مخلوق کی کمزوریاں شامل ہوتی ہیں۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں: اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتے کہ مخلوق اپنی تعریف خود کرے کیوں کہ اسے کمال تو دیا نہیں گیا اور

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الأول، الخامسة، ج ۱ ص ۱۱۳

(۲) صحیح مسلم: کتاب الزهد والرقائق، باب النهی عن المدح إذا كان فيه إفراط... إلخ،

ج ۲ ص ۲۲۹۷، رقم الحدیث: ۳۰۰۲

اس کمزوری کی وجہ سے جب وہ اپنی تعریف خود کرے گی تو اس کے دل میں کسی نفع کا لالچ یا کسی نقصان سے بچنے کی خواہش ضرور ہوگی جب کہ باری تعالیٰ ان کمزوریوں سے پاک ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی حمد کا حق ادا کرنے سے قاصر پایا تو ازل میں اپنی تعریف خود کی اور بندوں کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے ان سے یہ بوجھ اتار دیا۔ ذرا دیکھئے تو سہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کس طرح فرمایا:

”لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ“ مجھ میں تیری تعریف کا حق ادا کرنے کی طاقت نہیں۔ (۱)

شاعر کہتا ہے:

إِذَا نَحْنُ أَثْنَيْنَا عَلَيْكَ بِصَالِحٍ فَأَنْتَ كَمَا نُنْثِي وَفَوْقَ الَّذِي نُثْنِي

ہم جس قدر اچھے الفاظ میں آپ کی تعریف کریں، کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ آپ ان تعریفوں کے بھی اہل ہیں جو ہم نے کی ہیں اور اس سے کہیں زیادہ مزید تعریفوں کے بھی لائق ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں ہی جانتے تھے کہ بندوں پر ان کی نعمتیں اتنی زیادہ ہوں گی کہ وہ ان کے شکر کا حق ادا کرنے سے قاصر رہیں گے، اسی لئے ان کی طرف سے اپنی حمد خود بیان فرمادی تاکہ بندوں سے احسان کا بوجھ اتر جائے اور وہ نعمتوں سے خوب لطف اندوز ہوں۔ (۲)

علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) نے اس کے تین جوابات ذکر کئے ہیں۔
..... اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعریف کرنے کا طریقہ سکھلایا کہ ہم کس طرح اللہ کی حمد کریں اور ہمیں مکلف بنایا اس بات کا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں، تو اللہ تعالیٰ نے خود

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب ما یقال فی الركوع والسجود، ج ۱ ص ۳۵۲، رقم

الحدیث: ۳۸۶

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۲۵

اپنی تعریف فرما کر ہمیں تعریف کرنے کا طریقہ سکھلایا۔

۲..... بعض علماء کے ہاں لفظ ”قولوا“ محذوف ہے تو گویا اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف نہیں فرما رہے بلکہ ہمیں اپنی تعریف کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

۳..... اپنی تعریف کرنے سے شریعت نے اس لئے منع کیا تا کہ انسان غرور اور تکبر میں مبتلا نہ ہو جائے جبکہ ذات باری تعالیٰ اس سے منزہ ہے:

الْأَوَّلُ: أَنَّهُ عَلَّمَنَا كَيْفَ نَحْمَدُهُ، وَكَلَّفَنَا حَمْدَهُ وَالثَّنَاءَ عَلَيْهِ، إِذْ لَمْ يَكُنْ لَنَا سَبِيلٌ إِلَيْهِ إِلَّا بِهِ، الثَّانِي: أَنَّهُ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ مَعْنَاهُ: قُولُوا: الْحَمْدُ لِلَّهِ، الثَّلَاثُ: أَنَّ مَدْحَ النَّفْسِ إِنَّمَا نُهِيَ عَنْهُ لِمَا يُدْخِلُ عَلَيْهَا مِنَ الْعُجْبِ بِهَا۔^(۱)

سوال: بسم اللہ سے سورہ فاتحہ کے آخر تک یہ سب اللہ کا کلام ہے تو اب ذات باری تعالیٰ خود اپنی تعریف فرما رہے ہیں، اور خود اپنی ذات سے دعا مانگ رہے ہیں، خود اپنی عبادت کر رہے ہیں، خود اپنے نام سے مدد مانگ رہے ہیں، یہ چیزیں اللہ کے حق میں تو کیا بندوں کے حق میں بھی درست نہیں؟

جواب: یہ کلام اللہ کا بندوں کی زبانی ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی زبانی کہلوانا چاہتے ہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ بلسان عبدہ یہ سب فرما رہے ہیں۔

اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک جاہل شخص پڑھے لکھے آدمی سے خط لکھوائے تو جاہل بولتا ہے اور عالم لکھتا ہے، ”خیریت سے ہوں اور میری جانب سے تم کو سلام ہو“ اب یہ عالم بلسان جاہل لکھ رہا ہے، اور متکلم کے صیغے استعمال کر رہا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی بلسان عبدہ فرما رہے ہیں۔ اب اس میں حکمت کیا ہے؟

تو حکمت یہ ہے کہ بندے اس بات کو جان لیں کہ کن الفاظ سے اللہ کے نام سے

برکت حاصل کی جائے؟ اور کن الفاظ سے اللہ کی نعمتوں پر حمد کی جائے؟ اور کس طرح اس کے فضل کا سوال کیا جائیگا؟ اس حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام بلسان عبدہ کہلوایا۔

۱..... قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ یہ اور اس کے بعد سے لے کر سورت کے آخر تک یہ سب بندوں کی زبانی کہا گیا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کس طرح برکت حاصل کی جاتی ہے، اور اس کی نعمتوں پر کس طرح تعریف کی جاتی ہے، اور اس کے فضل کا کس طرح سوال کیا جائے:

وهذه وما بعده إلى آخر السورة مقول على السنة العباد ليعلموا

كيف يتبرك باسمه، ويحمد على نعمه، ويُسأل من فضله۔^(۱)

۲..... خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ اور اس کے بعد سے لے کر سورت کے آخر تک یہ سب بندوں کی زبانی کہا گیا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کے نام کے ساتھ کس طرح تعریف کی جاتی ہے، اور اس کے فضل کا کس طرح سوال کیا جاتا ہے۔ (یاد دوسرا جواب یہ ہے کہ) سورہ فاتحہ کے شروع میں لفظ ”قولوا“ محذوف نکالیں گے، جیسے علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے فرمایا:

والبسمة وما بعدها إلى آخر السورة مقول على السنة العباد ليعلموا

كيف يتبرك باسمه ويحمد على نعمه ويسئل من فضله ويقدر في

أول الفاتحة قولوا كما قال الجلال المحلى۔^(۲)

دوسری بحث: سورہ فاتحہ کے اسماء کے بارے میں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اسماء کا کثیر ہونا مسمی کی فضیلت

پر دلالت کرتا ہے:

(۱) التفسیر البیضاوی: البسمة، ج ۱ ص ۲۹ (۲) السراج المنیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵

كثرة الأسماء تدل على شرف المسمى۔^(۱)

قرآن مجید کی تمام سورتوں میں سے سورہ فاتحہ تعددِ اسماء کی بناء پر منفرد ہے، کیونکہ احادیث میں اس کے بہت سے نام وارد ہوئے ہیں، یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ اسماء کی کثرت مسمی کے شرف و کمال اور اوصاف و خصائص کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، ذات باری تعالیٰ کی صفاتِ حسن و کمال بے شمار تھیں، اس لئے اس کے اسماء بھی حیطہ شمار سے ماوراء ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات حق تعالیٰ کی مظہریت تامہ کی وجہ سے لا تعداد تھے، اس لئے آپ کے اسماء بھی بے شمار ہیں، خود قرآن حکیم کے متعدد اسماء اس کی بے شمار برکتوں اور فضیلتوں پر دلالت کرتے ہیں، لہذا جوشی جس قدر ہمہ پہلو جامع اور ہمہ گیر ہوگی اس کی مختلف حیثیتوں اور شانوں کو اجاگر کرنے کے لئے اسی قدر نام بھی معرضِ ظہور میں آئیں گے۔

۱..... سورہ فاتحہ: اس سورت کا سب سے معروف نام ”الفاتحہ“ ہے، جس سے ہر خاص و عام اسے پکارتا ہے، اس نام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس سورت کے دیگر اسماء کو بھی جامع ہے اور کم و بیش اس کے تمام اوصاف و امتیازات کو محیط بھی ہے، اور اس کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا آغاز اسی سورت سے ہوتا ہے۔

۲..... فاتحہ الكتاب۔ ۳..... فاتحہ القرآن۔ ان ناموں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سورت کتاب مجید کی افتتاحی سورت ہے اور اسی سے قرآن حکیم کا آغاز ہوا ہے، یہ نام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔^(۲)

(۱) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۵۶

(۲) سنن النسائي: كتاب الافتتاح، إيجاب قراءة الفاتحة، الكتاب في الصلاة، ج ۲ ص ۱۳۷

اس شخص کی نماز نہ ہوئی جس نے فاتحہ الكتاب (یعنی سورہ فاتحہ) نہ پڑھی۔
اس سورت کا نام ”فاتحة القرآن“ یعنی قرآن کا افتتاح کرنے والی سورت اس لئے
رکھا گیا کہ یہ ترتیب تدوینی میں سب سے پہلے ہے، قرآن کریم کا آغاز اسی سورت سے ہو
رہا ہے تو یہ فاتحہ القرآن ہے۔

۴..... أم الكتاب - ۵..... أم القرآن - یہ دو نام بھی احادیث نبویہ سے ثابت ہیں،
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمد لله رب العلمين أم القرآن وأم الكتاب والسبع المثاني - (۱)

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (یعنی سورہ فاتحہ) أم القرآن، أم الكتاب اور السبع المثاني ہے۔
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن - (۲)

اس شخص کی نماز نہ ہوئی جس نے فاتحہ الكتاب (یعنی سورہ فاتحہ) نہ پڑھی۔
”أم“ عربی زبان میں اصل یعنی جڑ کو کہتے ہیں، کسی بھی درخت کی جڑ اس کی تمام
تاثیرات اور خصائص و ثمرات کا منبع ہوتی ہے، اس درخت کے جملہ فوائد اصلاً اس کی جڑ میں
موجود ہوتے ہیں لیکن ان کا ظہور درخت کے تنے، شاخوں، پتوں، پھلوں اور پھولوں کے
ذریعے ہوتا ہے، گویا درخت کی تمام خصوصیت کا اجمال اس کی جڑ میں ہوتا ہے اور درخت
کے باقی تمام حصے اس اجمال کی تفصیل ہوتے ہیں، اسی طرح سورہ فاتحہ کو خود صاحب قرآن
صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اصل قرار دیا، جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ سورت شجر قرآن
کی جڑ ہے، علوم قرآن کی تفصیلات کا اجمال ہے، کتاب الہی کے جملہ معارف و مقاصد کا
خلاصہ ہے اور تمام قرآنی تعلیمات کا منبع و سرچشمہ ہے، اسی لئے سورہ فاتحہ کی جامعیت کے

(۱) سنن ابی داود: کتاب الصلاة، باب فاتحة الكتاب، ج ۲ ص ۷۱، رقم الحدیث: ۱۱۳۵۷

مسند احمد: ج ۱۵ ص ۴۹۱

(۲) مسند احمد: ج ۳ ص ۳۰۷، رقم الحدیث: ۲۲۷۴۳

ضمن میں یہ فرمایا گیا ہے:

كل العلوم مندرج في الكتب الأربعة وعلومها في القرآن وعلوم

القرآن في الفاتحة۔^(۱)

تمام علوم و معارف کائنات چار الہامی کتابوں میں درج کئے گئے اور ان کے تمام علوم قرآن میں جمع کر دیئے گئے اور تمام علوم قرآن سورہ فاتحہ میں مجتمع کر دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ سورہ فاتحہ کو أم الكتاب یا ام القرآن کے نام سے تعبیر کیا جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سورت قرآن کی سب سے پہلی سورت بھی ہے، تعلیمات و مطالب قرآنی کے اعتبار سے مرکزی سورت بھی ہے اور علوم و معارف ربانی کے لحاظ سے جامع بھی۔

۶..... سورہ کنز: سورہ فاتحہ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام سورہ کنز بھی ہے، کنز خزانے کو کہتے ہیں، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سورت جملہ علوم و ہدایات، معانی و معارف اور اسرار و رموز کا خزانہ ہے۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس سے سوائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نہیں نوازا گیا۔ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ نے متعدد طرق سے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح حدیث روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، دریں اثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں نے کوئی جواب نہ دیا، آپ نے پھر پکارا تو میں نے نماز ہلکی کر دی اور جلدی سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک کس کام میں مصروف تھے، تم نے مجھے جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نماز میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا

يُحْيِيكُمْ^۱ (الأنفال: ۲۴)

اے ایمان والو! جب (بھی) رسول تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں
(جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب
دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خطا ہوئی ہے، آئندہ ایسا نہ کروں گا، پھر آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا سنو! میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاتا ہوں، جس کی مثل تورات،
زبور، انجیل اور قرآن کریم میں بھی نہیں ہے، حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

والذی نفسی بیدہ! ما أنزلت فی التوراة ولا فی الإنجیل ولا فی
الزبور ولا فی الفرقان مثلها۔^(۱)

اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس
سورت کی مثل تورات، انجیل، زبور اور خود قرآن میں بھی نازل نہیں فرمائی۔

اس کے بعد فرمایا: اور وہ قرآن میں بھی سب سے بڑی ہے، پھر میرا ہاتھ پکڑے
ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ صلی
اللہ علیہ وسلم کو وعدہ یاد دلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے
”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ آخر تک پڑھ کر سنائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی
سورت ہے جو سبج مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔ اس طرح اس سورت کا
باری تعالیٰ کے خصوصی خزانوں میں سے عظیم خزانہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷..... سورہ نور: یہ نام بھی احادیث نبوی سے ثابت ہے، ایک مرتبہ حضرت جبرئیل

(۱) سنن الترمذی: ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضائل فاتحة الكتاب، ج ۵

علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اوپر سے ایک زوردار آواز آئی، جبرئیل امین علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا: آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو پہلے کبھی نہیں کھلا تھا، پھر وہاں سے ایک فرشتہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! خوش ہو جائیے:

أبشر بنورین أوتیتھما لم یوتھما نبی قبلك فاتحة الكتاب وخوا تيم

سورة البقرة لن تقرأ حرفا منها إلا أعطیتہ۔^(۱)

آپ کو دو نور ایسے عطا کئے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے تھے،

ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقرہ کی آخری آیات۔ ان میں سے جو جو حرف

آپ پڑھیں گے آپ کو نور میسر آئے گا۔

۸..... السبع المثانی: اس کا معنی ہے دہرائی جانے والی یا بار بار پڑھی جانے والی سات

آیتیں۔

سورہ فاتحہ کا یہ نام خود قرآن میں مذکور ہوا ہے، ارشاد ایزدی ہے:

وَ لَقَدْ اَتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۱۰﴾ (الحجر)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورہ

فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

اس آیت میں ”سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي“ سے مراد بالاتفاق سورہ فاتحہ ہے، کیونکہ یہی وہ

سورت ہے جو سات آیتوں پر مشتمل ہے اور نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔

۹..... أساس القرآن: سورہ فاتحہ کا ایک نام ”أساس القرآن“ بھی ہے، اس نام کا

مفہوم بھی پہلے ناموں کی توضیح سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، أساس بنیاد کو کہتے ہیں،

قرآن حکیم میں مذکور ہے:

(۱) سنن النسائی: کتاب الافتتاح، فضل فاتحة الكتاب، ج ۲ ص ۱۳۸، رقم الحدیث: ۹۱۴

لَمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ (التوبة: ۱۰۸)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

بنیاد ہمیشہ ان اینٹوں اور پتھروں کو کہا جاتا ہے جو تعمیر میں سب سے پہلی ہوں اور انہی پر باقی تمام عمارت کا انحصار ہو۔ اس لحاظ سے سورہ فاتحہ قرآن کی اساس ہے، کیونکہ یہی سب سے پہلی سورت ہے اور اسی کے مطالب و مقاصد پر پورے قرآن کی تعلیمات کا انحصار ہے۔

۱۰..... سورۃ الحمد۔ ۱۱..... سورۃ المناجات۔ ۱۲..... سورۃ الشکر: سورۃ فاتحہ کے یہ تینوں

نام دراصل اس کی ایک انتہائی اہم خصوصیت کی نشاندہی کرتے ہیں اور وہ ہے باری تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تمجید و توصیف۔

اس سورت کا آغاز چونکہ ”الحمد“ سے ہوتا ہے اس لئے اس کا معروف نام سورۃ الحمد ہی ہے، حمد کے افتتاحی لفظ کے علاوہ بھی یہ پوری سورت رب کائنات کی توصیف و مناجات پر مشتمل ہے۔ اس سورت کا پڑھنا از خود شکر الہی بھی قرار پایا گیا ہے کیونکہ کسی دینے والے کی عطا و احسان کے حوالے سے اس کی تعریف کرنا شکر کہلاتا ہے، گویا یہ نام سورہ فاتحہ کے اُسلوب بیان پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور اس کی روح بیان پر بھی۔

۱۳..... سورۃ الصلوٰۃ: چونکہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اسے ترک کرنے سے نماز کامل نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے احادیث کے ذریعے بیان کیا جا چکا ہے، اس لئے اس کی اہمیت اور ناگزیریت کی بناء پر اسے سورۃ الصلوٰۃ کا لقب دے دیا گیا۔

۱۴..... سورۃ التفویض: اپنے امور کی انجام دہی کسی کو سونپ دینا ”تفویض“ کہلاتا

ہے، یہ توکل کا سب سے بڑا درجہ ہے، جس کا ذکر قرآن میں یوں ملتا ہے:

وَ اَقْوَضُ اَمْرِي اِلَى اللّٰهِ * (المؤمن: ۴۴)

اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

سورہ فاتحہ میں حمد و ثناء باری تعالیٰ کے بعد اس کی عبادت کا ذکر اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان مالک حقیقی کی بارگاہ میں سر نیاز خم کر دے، اور اس کو مستعان سمجھتے ہوئے

اس سے مدد طلب کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ رب ذوالجلال کو کافی و وافی کارساز تصور کر کے اپنے جملہ امور حیات کا انجام اس کے سپرد کر دے، اسی کو تفویض کہتے ہیں اور یہی عبادت و استعانت کی روح ہے۔

۱۵..... سورة الدعاء - ۱۶..... سورة السؤال - ۱۷..... سورة تعليم المسألة: سورة فاتحہ

کے یہ تینوں نام ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اس سورت کی ترتیب آیات سے مترشح ہوتا ہے، اس کو سورہ دعا، سورہ سوال اور سورہ تعلیم المسئلہ کے نام سے اس لئے تعبیر کا گیا ہے کہ یہ سورت بندوں کو آداب دعا اور بارگاہ ربوبیت میں سلیقہ سوال سکھاتی ہے۔

۱۸..... سورة الكافية: سورة فاتحہ کو الکافیہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ہر ایک کا بدل ہو کر کفایت کر سکتی ہے لیکن کوئی اور سورت اس کی جگہ پر کافی نہیں ہو سکتی:

أم القرآن عوض عن غيرها وليس غيرها عوضاً عنها۔^(۱)

سورہ أم القرآن ہر ایک سورت کا عوض ہے لیکن کوئی اور سورت اس کا عوض نہیں۔

۱۹..... سورة الوافية: یہ لفظ وفا سے مشتق ہے، اس کا معنی پورا کرنا ہے، سورہ فاتحہ کا نام

الوافیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کا نصف پڑھنا جائز نہیں، اسے ہر جگہ پورا ہی پڑھا جائے گا، مثلاً دیگر وہ سورتیں جن کی آیات کم از کم چھ یا اس سے زائد ہوں تو انہیں نماز کی دو رکعتوں میں نصف نصف کر کے پڑھا جا سکتا ہے لیکن سورہ فاتحہ کے لئے اجازت نہیں کہ اسے نصف نصف کر کے دو رکعتوں میں مکمل کیا جائے، یہ تصریح امام ثعلبی رحمہ اللہ نے کی ہے، جیسے امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے، اجر و ثواب کی کثرت بھی الوافیہ کی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہے۔

۲۰..... سورة الشفاء - ۲۱..... سورة الشافية: یہ دونوں نام بھی ارشادات نبوی پر مبنی ہیں،

امام دارمی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الكتاب الثالث، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۵۶

فاتحة الكتاب شفاء من كل داء۔^(۱)

فاتحہ الكتاب ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔

۲۲..... سورة الرقية: رقیہ رقی سے مشتق ہے، یہ لفظ عربی زبان میں تریاق کے لئے بولا جاتا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سفر میں تھے، دریں اثناء کسی عورت نے ان سے سانپ کے ڈسے کے لئے تریاق کے بارے میں دریافت کیا، جس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ شخص وہیں ٹھیک ہو گیا، پھر یہ ماجرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقِيَةٌ۔^(۲)

کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سورت تریاق ہے۔

..... علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے سورہ فاتحہ کے بائیس (۲۲)

نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے:

ولهذه السورة الكريمة أسماء أوصلها البعض إلى نيف وعشرين،
أحدها: فاتحة الكتاب لأنها مبدؤة على الترتيب المعهود، وثانيهما:
فاتحة القرآن لما قدمنا حذو القذة بالقذة، وثالثها ورابعها أم
الكتاب وأم القرآن، وخامسها وسادسها وسابعها: الكنز والوافية
والكافية لما مر من اشتغالها على الجواهر المكنوزة فتفى وتكفى،
وثامنها: الأساس لأنها أصل القرآن وأول سورة فيه،

(۱) سنن الدارمی: کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، ج ۴ ص ۲۱۲۲، رقم

الحديث: ۳۴۱۳، إسناده صحيح غير أنه مرسل، والمرسل عند الجمهور حجة

(۲) صحيح البخارى: كتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، ج ۶ ص ۱۸۷، رقم

وتاسعها وعاشرها والحادی عشر والثانی عشر والثالث عشر: سورة الحمد و سورة الشکر و سورة الدعاء و سورة تعلیم المسألة و سورة السؤال، والرابع عشر والخامس عشر: سورة المناجاة و سورة التفویض، والسادس عشر والسابع عشر والثامن عشر: الرقية والشفاء والشافیة، والتاسع عشر: سورة الصلاة، والعشرون: النور، والحادی والعشرون: القرآن العظیم وهو ظاهر مما قدمناه، والثانی والعشرون: السبع المثانی لأنها سبع آیات باتفاق۔^(۱)

۲..... امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے سورہ فاتحہ کے بارہ (۱۲) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے:

(التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۵۶ تا ۱۵۹)

۳..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے بھی سورہ فاتحہ کے بارہ (۱۲) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے:

(تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۴۹ تا ۱۵۲)

۴..... علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) نے سورہ فاتحہ کے تیرہ (۱۳) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے:

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب ما جاء فی فاتحة الكتاب، ج ۱۸ ص ۷۹، ۸۰)

۵..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کے بیس (۲۰) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے:

(حدائق الروح والریحان: سورة الفاتحة، أسماؤها، ج ۱ ص ۴۴، ۴۵)

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۷ تا ۵۳

۶..... شیخ التفسیر والحديث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) نے سورہ فاتحہ کے دس (۱۰) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے:

(معارف القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۴)

تیسری بحث: سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق احادیث

سورہ فاتحہ کے شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر کی طرف سے بڑے زور سے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، انہوں نے اپنا سراٹھایا اور فرمایا: آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا اور اس سے ایک فرشتہ اتر رہا ہے، پھر فرمایا: اس دروازے سے یہ فرشتہ زمین پر اتر رہا ہے یہ آج کے دن اتر اس سے پہلے کبھی نہیں اتر۔ اس فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: آپ کو ان دونوں کی خوشخبری ہو جو آپ کو عنایت ہوئے ہیں، یہ آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ان میں سے ایک سورہ فاتحہ ہے اور دوسرا نور سورہ بقرہ کی آخری آیات، آپ جب بھی ان دونوں میں سے کوئی حرف تلاوت کریں گے تو آپ کو مانگی چیز ضرور عطا کر دی جائے گی:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا جَبْرِيْلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيضًا مِنْ فَوْقِهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ هَذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فَتَحَ الْيَوْمَ لَمْ يَفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هَذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَيَّ مِنَ الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ وَقَالَ أَبَشْرُ بْنُ نُورَيْنٍ أُوتِيَتْهُمَا لَمْ يُؤْتِيَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيَتْهُ. (۱)

(۱) صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین، باب فضل الفاتحة وخواتیم سورة البقرة، ج ۱

سورہ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی سورت ہے، جیسا کہ سیدنا ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں اسی وقت حاضر نہ ہوا بلکہ نماز پڑھ کر حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا اس وجہ سے دیر ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا:

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ (الأنفال: ۲۴)

تم اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو جب وہ تمہیں بلائیں۔

پھر مجھ سے فرمایا تیرے مسجد سے باہر جانے سے پہلے میں تجھے قرآن کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو اجر و ثواب میں ساری سورتوں سے بڑھ کر ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب آپ نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تم کو ایک سورت بتلاؤں گا جو قرآن کی سب سورتوں سے بڑھ کر ہے آپ نے فرمایا: وہ سورت ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ ہے، یہی السبع المثانی یعنی سات آیتیں ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمَعْلِيِّ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّ أُجِبَهُ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ لِي لَأَعْلَمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّورَةِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ أَلَمْ تَقُلْ لَأَعْلَمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ، قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيَتْهُ۔^(۱)

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحة الكتاب: ج ۶ ص ۱۷، رقم

سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے ایک قبیلہ کے پاس سے کچھ صحابہ کا گزر ہوا، قبیلے والوں نے صحابہ کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا، اسی اثناء میں ان کے سردار کو بچھو (یا سانپ) نے کاٹ لیا، قبیلے والوں نے صحابہ سے کہا تمہارے پاس کوئی دوا ہے یا تم لوگوں میں کوئی دم جھاڑ کرنے والا شخص ہے؟ صحابہ نے کہا تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی لہذا جب تک تم ہمیں کچھ مال نہ دو گے، ہم علاج نہیں کریں گے، اس پر ان لوگوں نے کچھ بکریاں دینے کا وعدہ کیا، تو ایک شخص نے سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور ساتھ ساتھ وہ تھوک جمع کرتا اور (متاثرہ جگہ پر) تھوکتا تو یوں سردار اچھا ہو گیا، وہ بکریاں لے کر آئے تو بعض صحابہ نے کہا ہم بکریاں نہیں لیں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر لیں، واپسی پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مسکرا دیئے اور اس شخص سے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورت رقیہ (دم) ہے؟ (تم نے ٹھیک کیا) یہ بکریاں لے لو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ نکالو:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتُّوا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَلَمْ يَقْرُوهُمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ لِدَغَ سَيْدٌ أُولَئِكَ فَقَالُوا هَلْ مَعَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ فَقَالُوا إِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُونَا، وَلَا نَفْعُ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعَلًا، فَجَعَلُوا لَهُمْ قَطِيعًا مِنَ الشَّاءِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأَمِّ الْقُرْآنِ، وَيَجْمَعُ بَزَاقَهُ وَيَتْفِلُ، فَبَرَأَ، فَاتُّوا بِالشَّاءِ، فَقَالُوا لَا نَأْخُذُكَ حَتَّى نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ فَضَحِكَ وَقَالَ وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقِيَّةٌ، خُذُوهَا وَاضْرِبُوا

لی بِسَهُمِ- (۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الرقی بفتح الکتاب: ج ۷ ص ۱۲۱، رقم الحدیث:

سورہ فاتحہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے بندہ جب کہتا ہے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جب کہتا ہے ”الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء کی ہے۔ اور جب کہتا ہے ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور یوں بھی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ بندہ جب کہتا ہے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ اور جب بندہ یہ کہتا ہے ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَسَمْتُ
الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَمِدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ
الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ مَلِكِ
يَوْمِ الدِّينِ، قَالَ مَجَّدَنِي عَبْدِي وَقَالَ مَرَّةً فَوَضَّ إِلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا
قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي
وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ

أَنعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، قَالَ هَذَا
لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ- (۱)

تورات و انجیل اور قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کے مثل کوئی سورت نہیں
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی
بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی
سورت سکھاؤں کہ اس جیسی سورت نہ تو تورات میں نازل ہوئی نہ زبور میں نہ انجیل میں اور
نہ قرآن میں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی، اے اللہ کے رسول! رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم اس دروازے سے نہ نکل پاؤ گے کہ وہ
تمہیں سکھا دی جائے گی، سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے بات کرنے لگے میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا اس ڈر سے کہیں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات ختم کرنے سے پہلے (دروازہ پر) نہ پہنچ جائیں، جب ہم دروازے
کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون سی سورت ہے جس کے بتانے
کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نماز میں کیا
پڑھتے ہو؟ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر سنائی۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ نے
اس سورت کے مثل نہ تورات میں کوئی سورت نازل کی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ فرقان
(قرآن) میں اور بے شک وہ سبع مثانی ہے:

عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبِ بْنِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا
أَعْلَمُكَ سُورَةً مَا أُنزِلَ فِي التَّوْرَةِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْبُنَجِيلِ وَلَا

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، ج ۱ ص ۲۵۶،

فِي الْقُرْآنِ مِثْلَهَا قُلْتُ بَلَى قَالَ فإِنِّي أَرْجُو أَنْ لَا أَخْرُجَ مِنْ ذَلِكَ
الْبَابِ حَتَّى تَعْلَمَهَا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ
مَعَهُ فَأَخَذَ بِيَدِي فَجَعَلَ يُحَدِّثُنِي حَتَّى بَلَغَ قُرْبَ الْبَابِ، قَالَ
فَذَكَرْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ السُّورَةُ الَّتِي قُلْتَ لِي قَالَ فَكَيْفَ تَقْرَأُ
إِذَا قُمْتَ تُصَلِّي فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ هِيَ هِيَ وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي
وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيَتْ بَعْدُ. (۱)

سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

۱..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق
چار (۴) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۳۶ تا ۱۳۹)

۲..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے عنوان قائم کیا ”ذکر ما ورد
فی فضل الفاتحة“ پھر نو (۹) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۸، ۹۹)

۳.... علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے ”فصل فی فضائلها“
کا عنوان قائم کر کے چار (۴) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(اللباب فی علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶۴)

۴..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) نے ”فصل فی
فضائل الفاتحة“ کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت سورہ فاتحہ کی فضیلت پر دس (۱۰)
روایات نقل کی ہیں، دیکھئے:

(التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱ تا ۲۳)

۵..... علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے عنوان قائم کیا ہے ”وقد ورد فی فضل هذه السورة“ پھر پندرہ (۱۵) روایات نقل کی ہیں۔

(فتح القدیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۵، ۱۶)

۶..... علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اس سورت کی فضیلت مخفی نہیں ہے، اور اس سورت کی فضیلت کے لئے وہ احادیث کافی ہیں جو صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہیں:

وفضل هذه السورة مما لا يخفى ويكفى في فضلها ما روى بأسانيد

صحيحة۔ پھر آگے حدیث نقل کی، دیکھئے:

(روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲)

۷..... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق پانچ (۵) احادیث نقل کی ہیں۔^(۱)

علامہ زنجشیری (متوفی ۵۳۸ھ)، قاضی بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) اور امام ابوالسعود (متوفی ۹۸۲ھ) رحمہم اللہ نے سورہ فاتحہ کی فضیلت میں موضوع روایت نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم پر اللہ تعالیٰ لازمی و یقینی طور پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، پس اُس قوم کے بچوں میں سے کوئی بچہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے ہیں، پس اس قوم سے اس عذاب کو چالیس (۴۰) سال کے لئے دور کر دیتے ہیں:

وعن حذيفة بن اليمان ان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إن

القوم ليبعث الله عليهم العذاب حتما مقضيا فيقرأ صبي من

صبيانهم في الكتاب الحمد لله رب العالمين فيسمعه الله تعالى

(۱) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، فصل في ذكر فضائلها، ج ۱ ص ۲۶ تا ۵۷

فيرفع عنهم بذلك العذاب أربعين سنة۔^(۱)

وعن حذيفة بن اليمان أن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
إِنَّ الْقَوْمَ لَيُبْعَثُ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْعَذَابَ حَتْمًا مَقْضِيًّا فَيَقْرَأُ صَبِيًّا مِنْ
صَبِيَّانِهِمْ فِي الْكِتَابِ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَيَسْمَعُهُ اللَّهُ تَعَالَى

فيرفع عنهم بذلك العذاب أربعين سنة۔^(۲)

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام
ثعالبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، یہ روایت موضوع ہے، علامہ ولی الدین عراقی رحمہ
اللہ نے فرمایا اس روایت کی سند میں دو راوی کذاب ہیں اور ان میں سے کسی نے اس روایت کو
گھڑا ہے، وہ دو راوی یہ ہیں: احمد بن عبد اللہ جو بیاری۔ ۲..... مامون بن احمد ہروی:

أَخْرَجَهُ الثَّعْلَبِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ وَهُوَ مَوْضُوعٌ، قَالَ الْوَلِيُّ الْعِرَاقِيُّ: فِيهِ:

أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْجَوْبِيَّ، وَمَأْمُونُ بْنُ أَحْمَدَ الْهَرَوِيِّ،

كُذِّبَانِ، وَهُوَ مِنْ وَضْعِ أَحَدِهِمَا۔^(۳)

علامہ عجلونی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام ثعالبی رحمہ
اللہ اور دیگر کئی مفسرین نے نقل کیا ہے، لیکن یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ حافظ عراقی رحمہ
اللہ اور دیگر محدثین نے فرمایا:

ومثله ما أخرجه الثعلبي وكثير من المفسرين عن حذيفة رفعه

بلفظ: إن القوم ليبعث الله عليهم العذاب حتما مقضيا فيقرأ

الصبي من صبيانهم في الكتاب الحمد لله رب العالمين فيسمعه

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶۱

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۷ / تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

(۳) الفتح السماوي بتخريج أحاديث القاضي البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۰

اللہ تعالیٰ فیرفع اللہ عنہم بذلک عذاب اربعین سنة فإنه موضوع،

کما قاله الحافظ العراقي وغيره۔^(۱)

”الحمد لله“ اور ”لا إله إلا الله“ کی فضیلت کا موازنہ

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ بندے کا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کہنا افضل ہے یا ”لا إله إلا الله“ ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ افضل ہے کیوں کہ اس میں حمد کے ساتھ توحید کا مفہوم بھی شامل ہے جو ”لا إله إلا الله“ میں ہے یعنی اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں جب کہ ”لا إله إلا الله“ میں صرف توحید ہے۔ دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ ”لا إله إلا الله“ افضل ہے کیوں کہ یہ کفر و شرک کو ختم کرتا ہے اور اسی کی خاطر لوگ جنگ کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔^(۲)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ ”لا إله إلا الله“ کا اقرار نہ کر لیں۔

یہ رائے امام ابن عطیہ رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا ماخذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

أَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَ النَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔^(۳)

(۱) كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على السنة الناس: حرف الهمزة

مع النون، ج ۱ ص ۲۵۱، رقم الحديث: ۶۷۲

(۲) صحيح البخارى: كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة، ج ۱ ص ۸۷، رقم

الحديث: ۳۹۲

(۳) موطا مالك: كتاب القرآن، باب ما جاء فى الدعاء، ج ۱ ص ۲۱۳، رقم الحديث: ۳۲

میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے سب سے افضل بات جو کہی وہ یہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔^(۱)

سب سے پہلے اور آخر میں کہا جانے والا کلمہ

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا کلمہ جو ہمارے والد حضرت آدم علیہ السلام نے کہا وہ ”الحمد لله“ ہے، اور سب سے آخری کلمہ جو اہل جنت، جنت میں کہیں گے وہ بھی ”الحمد لله“ ہے، رہا پہلا کلمہ وہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب روح ان کی ناف تک پہنچی تو انہیں چھینک آئی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ جنتیوں کی آخری پکار بھی حمد ہوگی۔ پس عالم کی ابتداء اور انتہاء دونوں حمد پر مبنی ہیں:

اول كلمة ذكرها ابونا آدم هو قوله الحمد لله، وآخر كلمة يدكرها اهل الجنة هو قولنا الحمد لله، أما الأول: فلأنه لما بلغ الروح إلى سرتة عطس فقال الحمد لله رب العالمين، وأما الثاني: فهو قوله تعالى: وآخر دعواهم أن الحمد لله رب العالمين ففاتحة العالم مبنية على الحمد وخاتمته مبنية على الحمد۔^(۲)

سب سے افضل ذکر کونسا ہے؟

علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ سب سے افضل ذکر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ ہے اس لئے کہ اس میں توحید اور حمد دونوں مضامین موجود ہیں بخلاف ”لا إله إلا الله“ کے کہ اس میں صرف توحید ہے۔ علماء کی دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۳۲

(۲) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۱۹۵

سب سے افضل ”لا إله إلا الله“ ہے اس لئے کہ اس میں کفر و شرک کی نفی ہے اور توحید باری تعالیٰ کا اثبات ہے:

اختلف العلماء أيما أفضل، قول العبد: الحمد لله رب العالمين، أو قول لا إله إلا الله؟ فقالت طائفة: قوله الحمد لله رب العالمين أفضل، لأن في ضمنه التوحيد الذي هو لا إله إلا الله، ففي قوله توحيد وحمد، وفي قوله لا إله إلا الله توحيد فقط، وقالت طائفة: لا إله إلا الله أفضل، لأنها تدفع الكفر والاشراك- (۱)

چار سورتوں کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ کے ساتھ کیا ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے بعد چار سورتوں کی ابتدا ”الحمد لله“ کے ساتھ کی ہے:

۱..... سورہ انعام کے شروع میں ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ“

۲..... سورہ کہف کے شروع میں ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ“

۳..... سورہ سبأ کے شروع میں ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ“

۴..... سورہ فاطر کے شروع میں ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“

ثم إنه تعالى افتتح سوراً أربعة بعد هذه السورة بقوله: الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وهو قوله: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، وثانيها: سورة الكهف، وهو قوله: الحمد لله الذي أنزل على عبده الكتاب، وثالثها: سورة سبأ، وهو قوله: الحمد لله الذي له ما في السموات وما في الأرض ورابعها: قوله: الحمد لله فاطر السموات والأرض- (۲)

(۱) تفسیر القرطبی: سورۃ الفاتحہ، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۷۷

(۲) التفسیر الكبير: سورۃ الفاتحہ، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۶۲

الحمد لله میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں
الحمد لله میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں، پس جو شخص دل کی
گہرائیوں کے ساتھ ان کلمات کو پڑھے تو وہ جنت کے آٹھوں دروازوں کا مستحق ہوگا:

الحمد لله ثمانية أحرف، وأبواب الجنة ثمانية، فمن قال هذه

الثمانية عن صفاء قلبه استحق ثمانية أبواب الجنة۔^(۱)

سورہ فاتحہ اور صفات باری تعالیٰ

اگر سورہ فاتحہ کے نفس مضمون پر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں باری تعالیٰ
کی گیارہ صفات نمایاں طور پر بیان کی گئی ہیں، جن کا بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ
سورہ فاتحہ کا مضمون باری تعالیٰ کی معرفت علمی کے حصول کے لئے مینارہ نور کا درجہ رکھتا ہے،
وہ صفات درج ذیل ہیں:

۱..... محمود ۲..... رالہ ۳..... رب ۴..... رحمن ۵..... رحیم ۶..... مالک
۷..... معبود ۸..... مستعان ۹..... ہادی ۱۰..... منعم ۱۱..... مُضِل

سورہ فاتحہ اور صفات عبدیت

جس طرح اس سورت میں ذات باری تعالیٰ کی گیارہ صفات مذکور ہیں، اسی طرح ہر
ایک صفت الوہیت کے مقابلے میں ایک صفت عبدیت ہے، اس لحاظ سے مذکورہ صفات
عبدیت بھی تعداد میں گیارہ ہی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱..... حامد ۲..... مخلوق ۳..... مربوب ۴..... محتاج فی الدنیا ۵..... محتاج فی الآخرة
۶..... مملوک و محکوم ۷..... عابد و مطیع ۸..... مُستعین و مُستمد (مدد چاہنے والا) ۹..... طالب
ہدایت یا ہدایت یافتہ ۱۰..... منعم علیہ یا انعام یافتہ ۱۱..... مستحق ضلالت یا گمراہ

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۱۹۲

چوتھی بحث: الحمد میں الف لام کی تحقیق

۱..... علامہ زنجشیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) کی رائے یہ ہے کہ الف لام جنس کا ہے اور جن لوگوں نے الف لام کو استغراق کا مراد لیا ہے یہ ان حضرات کا وہم ہے:

و هو تعريف الجنس والاستغراق الذي يتوهمه كثير من الناس
وهم منهم۔^(۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ علامہ زنجشیری رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ الف لام جنس کا ہے، اور جن حضرات نے استغراق کا مراد لیا ہے یہ ان کا وہم ہے، لیکن یہ بات بعید نہیں ہے کہ انہوں نے یہ قول اعتزال کی رعایت رکھتے ہوئے اختیار کیا ہے:

ولا يبعد أن يقال أن اختيار الزمخشري كون التعريف للجنس
وكون القول بالاستغراق وهم لا يبعد أن يكون رعاية لنزعة
اعتزالية۔^(۲)

۲..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام استغراق جنس کے لئے ہے۔^(۳)

۳..... قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) کے نزدیک الف لام جنس کا ہے انہوں نے استغراق والے قول کو صیغہ مجہول ”قیل“ کے ساتھ ذکر کیا، مقصود اس سے اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

الف لام جنس کے لئے ہے اور الف لام سے مقصود اس حقیقتِ حمد کی طرف اشارہ کرنا

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۳

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۷

(۳) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۷۷

ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ حمد کی حقیقت یہ ہے، اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ الف لام استغراق کا ہے کیونکہ تمام افراد حمد اللہ ہی کے لئے ہیں اس لئے کہ تمام بھلائیوں کا عطا کرنے والا وہی ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما بکم من نعمة فمن الله۔ کہ تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی جانب سے ہیں:

والتعريف فيه للجنس ومعناه: الإشارة إلى ما يعرف كل أحد أن الحمد ما هو؟ أو للاستغراق إذ الحمد في الحقيقة كله له إذ ما من خير إلا وهو موليه بوسط أو بغير وسط كما قال تعالى: وما بكم من نعمة فمن الله۔^(۱)

۴..... علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۰۱ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک الف لام استغراق کا ہے بخلاف معتزلہ کے وہ اس کے قائل نہیں ہیں:

واللام فيه للاستغراق عندنا خلافا للمعتزلة۔^(۲)

۵..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام استغراق کے لئے ہے اور مقصود حمد کی تمام اجناس اور قسموں کو اللہ کے لئے ثابت کرنا ہے:

والألف واللام في الحمد لاستغراق جميع أجناس الحمد وصنوفه لله تعالى۔^(۳)

۶..... خطیب شربنی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ جملہ اسمیہ اس بات کا فائدہ دے رہا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے، یا الف لام جنس کا ہے جیسا کہ علامہ زنجشیری رحمہ اللہ کی رائے ہے:

فالحمد مختص بالله كما أفادته الجملة الإسمية سواء أ جعلت لام

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۳

التعريف فيه للاستغراق كما عليه الجمهور وهو ظاهر، أم للجنس
كما عليه الزمخشري۔ (۱)

۷..... علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے
ہیں کہ الف لام عہد خارجی اور عہد ذہنی کا مراد لینا درست نہیں ہے، ان کا میلان بھی اسی
طرف ہے کہ الف لام جنس کے لئے ہے۔

الف لام عہد خارجی کا مراد لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہاں کسی متعین جہت کا
قصد نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی الف لام عہد ذہنی کا مراد لینا درست ہے، اور اگر الف لام
جنس کا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جنس حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے:

ولا يجوز كونه للعهد الخارجى إذ لم يقصد به جهة معينة منه ولا
للعهد الذهنى اما للجنس فاللام فى الله تفيد اختصاص جنس
الحمد به تعالى۔ (۲)

۸..... امام ابو السعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام
جنس کا ہے:

وتعريفه للجنس۔ (۳)

۹..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ الف
لام جنس کے لئے ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ (جنس تعریف اللہ کے لئے ہے)
اور اس کو ہر ایک جانتا ہے، یا الف لام استغراق کے لئے ہے تو مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں
اللہ کے لئے ہیں جو تمام بندوں کے افعال کا خالق ہے:

(۱) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸

(۲) حاشية محي الدين شيخ زادة على تفسير البيضاوى: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶۵

(۳) تفسير أبى السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

والتعريف للجنس إشارة إلى ما يعرفه كل أحد أو للاستغراق إذ

الحمد كله له تعالى وهو خالق أفعال العباد۔ (۱)

۱۰..... علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) کے نزدیک الف لام جنس کا ہے:

والتعريف فيه للجنس (۲)

۱۱..... علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام

استغراق کا ہے:

والتعريف فيه للاستغراق۔ (۳)

جمہور اہل علم کے ہاں الحمد کو مرفوع پڑھا جائے گا

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ قراء سبع اور جمہور حضرات کا اس

بات پر اجماع ہے کہ الحمد کی دال کو مرفوع پڑھا جائے گا:

اجمع القراء السبعة وجمہور الناس على رفع الدال من الحمد لله۔ (۴)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ الحمد کو مرفوع پڑھنا تواتر کے

ساتھ ثابت ہے، اور یہ مبتدا ہے، لفظ اللہ اس کی خبر ہے:

ثم إن الحمد: فيما تواتر مرفوع وهو مبتداً خبره لله۔ (۵)

(۱) التفسير المظهری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۵

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۷

(۳) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶۸

(۴) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۰

(۵) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۰

پانچویں بحث: حمد، مدح اور شکر کی تعریف

حمد کی لغوی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں الحمد کا معنی کامل طور پر تعریف کرنا ہے اس میں الف لام استغراق جنس (یعنی ہر طرح کی حمد کے احاطہ) کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے پوری کی پوری حمد کا مستحق ہے کیوں کہ وہ حسین ترین ناموں اور بلند ترین صفات کا مالک ہے۔ ایک شاعر نے اپنے درج ذیل شعر میں حمد کی جمع قلت ذکر کی ہے:

وَأَبْلَجُ مَحْمُودِ الثَّنَاءِ خَصَّصْتُهُ بِأَفْضَلِ أَقْوَالِي وَأَفْضَلِ أَحْمَدِي

وہ صبح کی طرح روشن اور خوب تعریف کا مستحق ہے۔ میں نے اپنے بہترین کلام اور اعلیٰ ترین تعریفوں کے لئے اسی کو منتخب کیا ہے۔

حمد، ذم کا متضاد ہے کہا جاتا ہے ”حَمِدْتُ الرَّجُلَ“ میں نے اس آدمی کی تعریف کی۔ جس کی تعریف کی جائے اس کو حمید بھی کہہ سکتے ہیں اور محمود بھی، اس کا مصدر تحمید، حمد سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد شکر سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ ”مُحَمَّدٌ“ وہ ہوتا ہے جس میں قابل تعریف خصائل کثرت سے پائے جاتے ہوں، شاعر کہتا ہے:

إِلَى الْمَاجِدِ الْقُرْمِ الْجَوَادِ الْمُحَمَّدِ

اس سردار کی طرف جو بہت محترم، بڑا سخی اور خوب بیوں والا ہے۔

یہی نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا گیا، اسی پر ایک شاعر کہتا ہے:

فَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيُجَلَّهُ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے نکالا ہے، چنانچہ عرش والا محمود ہے (جس کی تعریف کی جاتی ہے) اور یہ محمد جس میں قابل تعریف

خصائل کی کثرت ہے۔ (۱)

میری (امام قرطبی رحمہ اللہ کی) رائے میں صحیح یہ ہے کہ حمد سے مراد مدوح کی صفات کی بنا پر اس کی ایسی تعریف ہے جو اس کے کسی احسان کے بغیر کی جائے، اور شکر سے مراد وہ تعریف ہے جو اس کے احسان کے بدلے میں کی جائے۔ اس فرق کی وجہ سے ہمارے علماء کہتے ہیں کہ حمد کے معنی میں شکر سے زیادہ وسعت ہے کیونکہ حمد کا اطلاق ثناء، تحمید اور شکر تینوں پر ہوتا ہے، جب کہ شکر میں تخصیص ہے کیونکہ وہ صرف بھلائی کرنے والے کے بدلے کے طور پر کہا جاتا ہے۔ اس طرح آیت کریمہ میں حمد کا معنی زیادہ وسیع ہوا کیونکہ اس میں شکر کے علاوہ دیگر معانی بھی شامل ہیں، لفظ حمد رضا اور خوشی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: بلوتہ فحمدتہ (میں نے اسے آزمایا تو اس کی کارکردگی سے خوش ہوا) ارشاد باری تعالیٰ: مَقَامًا مَّحْمُودًا (پسندیدہ مقام) کا بھی یہی معنی ہے۔ (۲)

حمد کی تعریف

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) حمد اور مدح کی تعریف فرماتے ہیں:

هو الثناء على الجميل الاختياري من نعمة أو غيرها۔

حمد افعالِ جمیلہ اختیاریہ پر زبان سے تعریف کرنا خواہ یہ تعریف نعمت کے

مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔

مدح کی تعریف

والمدح: هو الثناء على الجميل مطلقاً تقول حمدت زیداً علی

علمه وكرمه، ولا تقول حمدته علی حسنه، بل مدحته۔

مدح مطلقاً افعالِ جمیلہ پر تعریف کرنا (خواہ اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ) آپ

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۳۳

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۳۳

”حمدت زیدا علی علمہ و کرمہ“ (میں نے زید کی تعریف کی اس کے علم اور سخاوت کی وجہ سے) تو کہہ سکتے ہیں مگر ”حمدت زیدا علی حسنہ“ (میں نے زید کی تعریف کی اس کے حسن کی وجہ سے) نہیں کہہ سکتے بلکہ اس موقع پر ”مدحتہ“ کہیں گے۔^(۱)

شکر کی تعریف

جميع ما انعم الله به على عبده إلى ما خلق لأجله۔
یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو ان مقاصد میں صرف کرنا جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔

چھٹی بحث: حمد و مدح اور شکر کے درمیان فرق اور

انکے درمیان نسبتیں

حمد اور مدح کے درمیان فرق

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ حمد اور مدح کے درمیان چند وجوہ سے فرق ہے: ۱..... لفظ مدح عام ہے اس کے ذریعے سے تعریف جاندار اور بے جان دونوں کی جاتی ہے، جیسے آپ کسی خوبصورت موتی یا یا قوت کو دیکھ کر اس کی تعریف کرو، اب یہ مدح کہلائے گی لیکن اسے حمد نہیں کہا جائے گا۔ ۲..... مدح کبھی احسان سے پہلے بھی ہوتی ہے اور کبھی احسان کے بعد بھی، بخلاف حمد کے وہ احسان کے بعد ہوتی ہے۔ ۳..... لفظ مدح کا اطلاق منہی عنہ پر بھی ہوتا ہے (یعنی وہ کام جس سے شارع نے روکا ہوا) جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ نَحْتَبِي فِي وَجْهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ۔

ہم مدح کرنے والوں کے منہ کو مٹی سے بھر دیں۔

بخلاف حمد کے اس کا شریعت نے مطلقاً حکم دیا ہے:

مَنْ لَمْ يَحْمَدِ النَّاسَ لَمْ يَحْمَدِ اللَّهَ۔^(۱)

جو لوگوں کی تعریف نہیں کرتے وہ اللہ کی بھی تعریف نہیں کرتے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے حمد اور مدح کے درمیان چھ فرق ذکر کئے ہیں، اہل علم حضرات تفصیلاً دیکھیں:

(روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۲، ۹۵)

حمد اور شکر کے درمیان فرق

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمد باعتبار مورد کے خاص ہے اور باعتبار متعلق کے عام ہے، جب کہ شکر باعتبار مورد کے عام اور باعتبار متعلق کے خاص ہے:

مورد الحمد في المشهور خاص ومتعلقه عام والشكر بالعكس
موردا ومتعلقا۔^(۲)

حمد و مدح اور شکر کے درمیان باعتبار استعمال کے یہ فرق ہے کہ حمد و مدح دونوں کے مقابلے میں ذم آتا ہے جبکہ شکر کے مقابلے میں کفر آتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حمد و مدح کہتے ہیں ذکر محاسن کو، اور ذم کہتے ہیں ذکر قبائح کو اور ظاہر ہے کہ محاسن اور قبائح میں تقابل ہے، اور شکر کہتے ہیں اظہار نعمت ”باتیان الفعل الذی ینبئ عن تعظیم المنعم“ اور کفر کہتے ہیں کتمان نعمت کو اور ظاہر ہے کہ اظہار و کتمان میں تقابل ہے۔

چنانچہ علامہ زمشتری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمد کی نقیض ذم ہے اور شکر کی نقیض کفرانِ نعمت ہے:

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۱۹۰

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۶

والحمد نقيضه الذم والشكر نقيضه الكفران۔^(۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

والذم نقيض الحمد و الكفران نقيض الشكر۔^(۲)

حمد اور مدح کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے

حمد اور مدح کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے حمد خاص ہے اور مدح عام ہے، پس جہاں حمد صادق آئے تو وہاں مدح بھی صادق آئے گی لیکن اس کا عکس نہیں ہوگا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ مدح حمد سے عام ہے، اس لئے کہ مدح زندہ، مردہ، بے جان، جاندار، ہر ایک کی کی جاتی ہے (بخلاف حمد کے) جیسا کہ کھانا، مال اور اس کے مثل چیزوں کی مدح کی جائے:

أما المدح فهو أعم من الحمد، لأنه يكون للحي وللमित وللجماد

أيضا كما يمدح الطعام والمال ونحو ذلك۔^(۳)

حمد اور شکر کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے

حمد اور شکر کے درمیان نسبت عموم و خصوص من وجہ کی ہے، عموم و خصوص من وجہ کی نسبت پائے جانے کے لئے تین مادوں کا ہونا ضروری ہے، ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوں۔ مادہ اجتماعی جہاں دونوں پائے جائیں جیسے کسی نے دعوت کی اور مدعو نے زبان سے کہہ دیا ”آپ کا شکر یہ“ یہاں حمد بھی پائی گئی کیونکہ ثناء زبان سے ہوئی اور شکر بھی پایا گیا کیونکہ نعمت کے مقابلے میں ہے، دوسرا مادہ جہاں حمد پائی جائے اور شکر نہ پایا جائے جیسے آپ نے یوں ہی کسی کی زبان سے تعریف کر دی، تیسرا مادہ یہ ہے کہ آپ نے کسی کی

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۲

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۱

دعوت کی اور اس نے ہاتھ پاؤں کے ذریعہ آپ کی خدمت کردی:

وعلى كل حال بينه وبين الحمد عموم وخصوص من وجه۔^(۱)

لفظ ”لله“ میں لام تخصیص کے لئے ہے

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ لام جو لفظ اللہ پر داخل ہے یہ لام اختصاص کے لئے ہے:

واللام الداخلة على الإسم الشريف هي لام الاختصاص۔^(۲)

خطیب شربنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”لله“ میں لام اختصاص کے لئے ہے:

لأن لام لله للاختصاص۔^(۳)

ساتویں بحث: ”الحمد لله“ کے جملے میں چار وجہ

سے حصر کا معنی پایا جاتا ہے

..... تفسیر القرآن بالقرآن کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم کے

دوسرے مقامات پر حصر کے جملوں کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ جیسے:

لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ (القصص: ۷۰)

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ (الروم)

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الجاثية)

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۶

(۲) فتح القدير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۹

(۳) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸

۲..... الحمد معرف باللام الجنس مبتداء ہے اور یہ ترکیب حصر المبتدأ علی الخبر کے لئے مفید ہوتی ہے:

لأن المبتداء المعرف باللام الجنس يكون مقصودا في الخبر - (۱)
 ۳..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”لہ“ میں لام اختصاص کے لئے ہے (جیسے) کہا جاتا ہے ”الدار لزید“ گھر زید کے لئے خاص ہے، (کوئی اور اس کی ملکیت میں شریک نہیں ہے) (الحمد مبتدأ اور اللہ خبر ہے) یہ جملہ خبریہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے:

اللام للاختصاص يقال الدار لزید والجملة الخبرية الاسمية دالة
 علی الاستمرار - (۲)

۴..... یہ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے، بخلاف جملہ فعلیہ کے کہ اس میں تجدد اور حدوث کا معنی پایا جاتا ہے:

الجملة الإسمية علی الثبوت والدوام بخلاف الفعلية فإنها تدل
 علی التجدد والحدوث - (۳)

آٹھویں بحث: ”الحمد لله“ میں جملہ فعلیہ سے

اسمیہ کی طرف عدول کیوں کیا؟

نحات نے قاعدہ بیان کیا ہے اگر مصدر کے بعد فعل کا فاعل یا مفعول بطور اضافت یا حرف جر کے ساتھ مذکور ہو اور وہ مفعول مطلق بیان نوع کے لئے نہ ہو تو ایسی صورت میں فعل

(۱) حاشیة علی شرح الجامی: ص ۱۱ (۲) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۵

(۳) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۱

کا حذف کرنا قیاساً واجب ہے۔ تو ”الحمد لله“ اصل میں ”نحمد الله حمدا لله“ تھا ”حمدا“ مفعول مطلق ہے اور لفظ ”الله“ مفعول ہے، اور وہ مصدر کے بعد ہے بطور حرف جر کے لہذا اس کے فعل ”نحمد“ کا حذف کرنا واجب ہے۔ نصب سے رفع کی طرف عدول کرنے کے دو فائدے ہیں۔ ثبوتِ حمد، عمومِ حمد، پس جملہ اسمیہ ثبوتِ حمد پر اسمیہ ہونے کی وجہ سے اور عمومِ حمد پر الف لام ہونے کی وجہ سے دلالت کرتا ہے۔ جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے کہ اس میں تجدد اور حدوث کا معنی ہوتا ہے۔ فعل میں عموم اور ثبوت نہیں ہوتا، عموم تو اس لئے نہیں ہوتا کہ اس میں نسبت الی الفاعل ہوتی ہے جو متعین ہے اس لئے اس میں عموم نہیں ہوتا، فعل میں ثبوت اور دوام اس لئے نہیں ہوتا کیونکہ فعل زمانہ متعین کے ساتھ مقترن ہوتا ہے جبکہ جملہ اسمیہ زمانے سے خالی ہوتا ہے اسی وجہ سے ”الحمد لله“ میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے:

والعدل بها عن النصب إلى الرفع على الابتداء للدلالة على ثبات
المعنى واستقراره۔^(۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ”الحمد“ کی اصل حالت نصب ہے چنانچہ ایک قراءت نصب کی بھی ہے اور نصب سے رفع کی طرف عدول اس لئے کیا گیا تا کہ جملہ عمومِ حمد اور ثباتِ حمد پر دلالت کرے، حدوث و تجدد پر دلالت نہ کرے، اور یہ ”الحمد“ ایسے مصادر کے قبیل سے ہے جو افعالِ محذوفہ کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں، اور افعال کے ساتھ مذکور ہو کر مستعمل نہیں ہوتے:

وأصله النصب وقد قرئ به وإنما عدل إلى الرفع ليدل على عموم
الحمد وثباته له دون تجدد وحدوثه وهو من المصادر التي
تنصب بأفعال مضمرة لا تكاد تستعمل معها۔^(۲)

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۲

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ نصب سے رفع کی طرف عدول اس لئے کیا تا کہ یہ معنی کے ثبوت اور استقرار پر دلالت کرے:

والعدول عن النصب إلى الرفع للدلالة على ثبات المعنى
واستقراره۔ (۱)

حمد کے ساتھ لفظ اللہ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

”الحمد لله“ فرمایا حمد کے ساتھ دیگر صفات خالقیت، رزاقیت کو ذکر نہیں کیا، اس کی حکمت یہ ہے کہ تا کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ حمد کسی صفت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ حمد ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

خطیب شربنی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ حمد کے ساتھ لفظ اللہ کو کیوں خاص کیا؟ ”الحمد للخالق“ یا دیگر صفات میں سے کوئی صفت حمد کے ساتھ کیوں ذکر نہیں کی؟

جواب یہ دیا گیا کہ تا کہ یہ وہم نہ ہو حمد کا اختصاص (اللہ کے لئے) کسی خاص وصف کے استحقاق کی وجہ سے ہے نہ کہ دیگر وصف کی وجہ سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حمد کا اختصاص کسی خاص صفت مثلاً خالقیت، رزاقیت وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے، کہ اللہ کے لئے تعریف اس لئے خاص ہے کہ وہ خالق ہے یا رازق ہے، نہیں بلکہ حمد ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات کی وجہ سے خاص ہے، اس کے اوصاف کی وجہ سے نہیں ہے:

فإن قيل: لم خص الحمد باللّه ولم يقل الحمد للخالق أو نحو من

بقية الصفات؟ اجيب: بأن لا يتوهم اختصاص استحقاق الحمد

بوصف دون وصف۔ (۲)

(۱) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

(۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

الحمد لله کی فضیلت سے متعلق روایات

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے ”الحمد لله“ کی فضیلت سے متعلق تیرہ (۱۳) روایات نقل کی ہیں، اہل علم حضرات اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں، دیکھئے:

(فتح القدیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۰)

نویں بحث: الحمد لله جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ”الحمد لله“ یہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟ کبار اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے جیسا کہ ظاہر کلام اس بات کا متقاضی ہے:

اختلف في جملة الحمد هل هي إخبارية أم إنشائية فالذي عليه

معظم العلماء أنها إخبارية كما يقتضيه الظاهر۔^(۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں ہے:

ولكني أقول ان الجملة هنا إخبارية۔^(۲)

الحمد لله سے پہلے لفظ ”قولوا“ محذوف نکالنا

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”الحمد لله“ سے پہلے لفظ قولوا محذوف نکالنا میرے نزدیک ضعیف ہے، حضرت نے اس کے ضعف کی تین وجہیں نقل کیں۔
۱..... ”الحمد لله“ کے جملہ میں اس بات کی خبر دینا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے ساتھ خاص ہیں، یہ جملہ تام ہے یہاں محذوف نکالنے کی کوئی حاجت نہیں ہے (کلام کے اندر حذف خلاف اولی ہوتا ہے، جب بغیر محذوف نکالے جملہ مکمل ہے تو حذف کی ضرورت نہیں)۔

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۲

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۳

۲.....” الحمد لله “ یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفات کا مستحق ہے اپنی ذات اور اپنے افعال کی وجہ سے، چاہے مخلوق اس کی تعریف کرے یا نہ کرے، اور جو استحقاقِ حمد ذات کی وجہ سے ہو وہ بلند و بالا اور عظمت شان پر دلالت کرتی ہے (بہ نسبت اس تعریف کے جو آدمی غیر کو حکم دے کہ وہ تعریف کرے، تعریف کا صیغہ امر کے ذریعے غیر کو حکم دینا گویا ایک گنا جبر ہے کہ تم نے تعریف کرنی ہے، بخلاف استحقاقِ حمد کی صورت میں وہاں انسان خود مجبور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات اور نظام کائنات پر غور و فکر کرنے کی وجہ سے، انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ تمام تعریفات اللہ کے لئے ہیں)۔

۳..... اگر لفظ ”قولوا“ محذوف نکالیں تو صیغہ امر کی وجہ سے حمد کرنا ضروری ہوگا اور نہ کرنے والا سزا اور عتاب کا مستحق ہوگا، بخلاف اس کے کہ محذوف عبارت نہ نکالی جائے تو اس صورت میں حمد کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ کرنے والے پر عتاب اس قدر نہ ہوگا جیسے کہ حذف کی صورت میں ہے، جیسے اگر والد اپنے بیٹے کو کہے ”اعمل کذا و کذا“ یہ کام کرو، فلاں کام کرو تو اس صورت میں کرنا ضروری اور لازمی ہوگا نہ کرنے کی صورت میں عاصی اور گناہ گار ہوگا کیونکہ حکم کی بجا آوری کی مخالفت ہے، بخلاف اس کے کہ باپ اپنے بیٹے سے کہے ”ان کذا و کذا“ اگر تم یہ کام کرو تو بہتر ہے، اس صورت میں بیٹا اگر فرماں بردار ہے اور حکم کی بجا آوری کرے تو تعریف اور ثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر کہنا نہ مانے تو اس کا گناہ پہلی صورت سے بہت کم ہوگا اس طرح یہاں بھی:

من الناس من قال: تقدير الكلام قولوا الحمد لله، وهذا عندى
ضعيف، الأول: ان قوله الحمد لله إخبار عن كون الحمد حقاله
وملكاله، وهذا كلام تام فى نفسه، فلا حاجة إلى الإضمار، الثانى:
ان قوله الحمد لله يدل على كونه تعالى مستحقا للحمد بحسب
ذاته وبحسب أفعاله سواء حمدوه أو لم يحمدوه، لأن ما بالذات
أعلى وأجل مما بالغير، الثالث: ذكروا مسألة فى الواقعات وهى انه

لا ينبغي للوالد أن يقول لولده إعمل كذا وكذا، لأنه يجوز أن لا يمتثل أمره فيأثم، بل يقول إن كذا وكذا يجب أن يفعل، ثم إذا كان الولد كريماً فإنه يجيبه ويطيعه، وإن كان عاقلاً لم يشافهه بالرد، فيكون إثمه أقل، فكذلك ههنا۔^(۱)

”الحمد لله“ کے ساتھ ”رب العالمین“ کی صفت

لانے میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جتنے بھی حوادث و ممکنات ہیں وہ اپنے وجود میں واجب الوجود کی طرف محتاج ہیں، اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا اپنے باقی رہنے میں بھی غیر کی طرف محتاج ہیں یا نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے لفظ رب استعمال فرما کر اس بات کی تنبیہ کر دی کہ حوادث جتنے بھی ہیں وہ اپنے وجود میں ذات باری تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح باقی رہنے میں بھی محتاج ہیں:

أنه تعالى لم يقل الحمد لله خالق العالمين، بل قال: الحمد لله رب العالمين والسبب فيه أن الناس أطبقوا على أن الحوادث مفتقرة إلى الموجد والمحدث حال حدوثها، لكنهم اختلفوا في أنها حال بقائها هل تبقى محتاجة إلى المبقى أم لا؟ فخصه سبحانه بالذكر تنبيهاً على أن كل ما سوى الله فإنه لا يستغنى عنه لا في حال حدوثه ولا في حال بقائه۔^(۲)

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۱۹۵، ۱۹۶

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۶۱، ۱۶۲

دسویں بحث: لفظ رب کے متعلق تحقیق

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ رب اصل میں تربیت کرنے کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کی آہستہ آہستہ اس طور پر تربیت و نشوونما کی جائے کہ وہ اپنے حد کمال کو پہنچ جائے:

الرب في الأصل التربية و هو إنشاء الشيء حالا فحالا إلى حد
التمام۔^(۱)

علامہ ابن منظور رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۱ھ) نے لفظ رب کے چھ معانی نقل کئے ہیں، لفظ رب کا اطلاق لغت میں مالک، سید، مدبر، تربیت کرنے والا، نگرانی کرنے والا، انعامات دینے والا، ان چھ معانی پر ہوتا ہے:

الرَّبُّ يُطْلَقُ فِي اللِّغَةِ عَلَى الْمَالِكِ وَالسَّيِّدِ وَالْمُدَبِّرِ وَالْمُرَبِّيِ
وَالْقَيِّمِ وَالْمُنْعِمِ۔^(۲)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ ”رب“ کے چار معانی نقل کئے ہیں:
۱..... مالک، صحاح میں ہے کہ ”رب“ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور جب یہ ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال ہو تو اس میں کسی خاص چیز کی طرف اضافت ضروری ہے (یعنی غیر اللہ کے لئے اضافت کے بغیر استعمال درست نہیں ہے)۔

۲..... رب آقا کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”أذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ“ (یوسف: ۴۲) یعنی اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا، اور حدیث میں ہے ”أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةَ رَبَّتَهَا“ کہ کنیز اپنی مالکن کو جنم دے گی۔

(۱) المفردات فی غریب القرآن: کتاب الرءاء، رب، ص ۱۹۰

(۲) لسان العرب: حرف الرءاء، رب، ج ۱ ص ۳۹۹

۳..... اصلاح کرنے والا، کام کی تدبیر کرنے والا، طاقت کا مالک، باقی رہنے والا سب شامل ہیں۔

۴..... رب کا ایک معنی معبود بھی ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے: وہ کیا معبود ہو سکتا ہے جس کے سر پر لومڑیاں آ کر پیشاب کر جائیں، وہ تو بہت حقیر ہوتا ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کر جائیں:

فالرب: المالك، وفي الصحاح: والرب اسم من أسماء الله تعالى ولا يقال في غيره إلا بالإضافة، والرب: السيد، ومن قوله تعالى: اذْكَرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ، وفي الحديث: "أن تلد الأمة ربتها" أي سيدتها والرب: المصلح والمدبر والجابر والقائم۔ والرب: المعبود ومنه

قول الشاعر:

أَرَبُّ يَبُولُ الثَّعْلَبَانَ بِرَأْسِهِ لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ^(۱)
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ رب تین معانی میں استعمال ہوتا ہے:

۱..... ایسا مالک (جو امور میں) تصرف کرنے والا ہو۔ ۲..... لغت میں لفظ رب کا اطلاق سید (آقا) پر ہوتا ہے۔ ۳..... کاموں کی درستگی کے لئے تصرف کرنے والا۔ یہ تمام معانی اللہ تعالیٰ کے حق میں مراد لینا درست ہے:

والرب هو: المالك المتصرف، ويطلق في اللغة على السيد، وعلى

المتصرف للإصلاح، وكل ذلك صحيح في حق الله تعالى۔^(۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ "رب" اصل میں مصدر

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۲

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۳

ہے اور اس کا معنی تربیت کرنا ہے، رب کہتے ہیں جو کسی شی کو اپنی ازلی استعداد کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کے کمال تک پہنچائے:

الرب في الأصل مصدر بمعنى التربية وهي تبلغ الشيء إلى كماله

بحسب إستعدادة الأزلي شيئا فشيئا۔^(۱)

لفظ رب کے متعلق اہل علم کی تین آراء ہیں

۱..... مصدر ۲..... صفت مشبہ کا صیغہ ۳..... اسم فاعل کا صیغہ

اگر لفظ رب کو مصدر قرار دیا جائے تو اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ لفظ اللہ علم ذاتی ہے اور

مصدر کا حمل ذات پر کرنا جائز نہیں؟

جواب: یہاں مصدر کا حمل ذات پر مبالغہ ہے۔

جیسے ”زید صوم“ گویا اللہ تعالیٰ ربوبیت کے اتنے اعلیٰ مقام پر ہیں کہ سراپا

ربوبیت ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رب صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ”رب یرب“

باب نصر سے ہے جیسے کہ ”نم ینم فہو نم“ صفت مشبہ ہے باب نصر سے، چونکہ باب نصر

سے صفت مشبہ کا آنا نادر تھا اس لئے اس کی ایک نظیر بیان کر دی۔ اب اس پر اشکال وارد

ہوتا ہے کہ ”رب یرب“ باب نصر سے متعدی ہے اور صفت مشبہ متعدی سے نہیں آتا لہذا

اب یہ صفت مشبہ کیسے ہوگا؟

جواب: اس کو بمنزلہ فعل طبعی مان کر باب ”کرم“ کی طرف منتقل کر لیا گیا اور باب

”کرم“ لازمی ہے، لہذا اب اس سے صفت مشبہ کا آنا درست ہے:

ثم وصف به للمبالغة كالصوم و العدل وقيل: هو نعت من ربه

یربه فہو رب كقولك نم ینم فہو نم۔^(۲)

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۳

(۲) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

ويجوز أن يكون وصفاً بالمصدر للمبالغة كما وصف بالعدل۔^(۱)
 وصف به الفاعل مبالغة كالعدل وقيل صفة مشبهة من ربه ير به
 مثل نم ينم بعد جعله لازماً بنقله إلى فعل بالضم كما هو
 المشهور۔^(۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ رب اسم فاعل سے مبالغہ
 کا صیغہ ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے، انہوں نے صفت مشبہ والے قول کو لفظ ”قیل“ سے ذکر
 کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ
 لفظ ”رب“ صفت مشبہ کا صیغہ ہے ”شرح التسهيل“ میں ہے کہ یہ مراد لینا درست
 نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یا تو اسم فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اصل
 میں ”راب“ تھا پس الف کو حذف کیا گیا جیسے کہ عرب کے لوگ کہتے ہیں ”رجل بار وبر“
 یہ آدمی بہت نیکو کار ہے، تو الف کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہیں اور حذف الف کے ساتھ بھی۔
 یہی بات امام ابو حیان رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ
 یہاں اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے:

وقيل هو صفة مشبهة وفي شرح التسهيل أنه ممنوع والظاهر أنه
 من مبالغة اسم الفاعل أو هو اسم فاعل وأصله راب فحذفت الفه
 كما قالوا رجل بار وبر قاله أبو حيان ويؤيده إضافة إلى
 المفعول۔^(۳)

(۱) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

(۲) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

(۳) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۳

تر بیت دو قسم پر ہے

۱..... جسمانی ۲..... روحانی

جسمانی تربیت کا دار و مدار عمدہ غذا کے استعمال اور صاف و شفاف غذاؤں کے ساتھ موسم کے مطابق پھل فروٹ کے استعمال پر ہے۔ روحانی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی عاداتِ رذیلہ چھوٹ جائیں اور بہترین صفات سے انسان آراستہ ہو جائے اور اچھی عادات اس کو حاصل ہو جائیں، مثلاً بجل دور ہو کر سخاوت آئے، تکبر کی جگہ تواضع آئے، اس کا تعلق کتبِ سماویہ اور انبیاء کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے:

اللَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۙ (الرحمن)

تر بیت کے لئے دور کن نہایت اہم ہیں۔

۱..... شی کو اس کے مُضَرَّات سے بچانا، مثلاً درخت کو کیڑا نہ لگے۔ ۲..... اس کے منافع ضروریہ اس کو پہنچانا، مثلاً پودے کو پانی دینا، کھاد دینا، تو اللہ تعالیٰ نقصان سے بچانے والا بھی اور نفع پہنچانے والا بھی ہے۔

خالق اور مخلوق کی پرورش میں پانچ فرق

۱..... ایک انسان دوسرے انسان کی کسی نہ کسی غرض کی وجہ سے پرورش کرتا ہے، اگر ماں باپ اولاد کی پرورش کرتے ہیں تو اس غرض سے کہ یہ بڑھاپے میں ہمارا سہارا بن سکیں۔ مالدار غریبوں کی پرورش کرتے ہیں تو اس غرض سے کہ لوگ ہمیں سخی کہیں یا اللہ کے ہاں ہمیں اس کا اجر ملے۔ بادشاہ اپنے ماتحتوں کی، آقا اپنے غلاموں کی پرورش اس لئے کرتے ہیں تاکہ ان سے اپنی اغراض و مقاصد حاصل کر سکیں۔ صرف اللہ ہی کی ذات ایسی ہے جو بغیر کسی اغراض کے مخلوق کی پرورش کرتی ہے۔

۲..... بندہ کسی کی پرورش کرتا ہے تو اس کے مال میں کمی ہوتی ہے، ختم ہونے کے خوف سے بڑی احتیاط سے کام کرتا ہے، اگر آمدنی کم ہو جائے تو بہت سے خادموں کو نوکری

سے نکال دیتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ کے خزانے میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اسی لئے حق تعالیٰ کی پرورش سے کبھی کوئی نہیں نکلا۔

۳..... مخلوق جب کسی کی پرورش کرتی ہے تو اس پر احسان جتلاتی ہے بغیر مانگے اس کو نہیں دیتی مگر حق تعالیٰ بغیر مانگے عطا فرماتے ہیں بغیر احسان جتلائے سب کچھ دیتے ہیں، وہ تو ایسی کریم ذات ہے جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے اور ہمیں مانگنے کا شعور بھی نہ تھا تب بھی وہ ہماری پرورش کر رہا تھا۔

۴..... مخلوق سب کی پرورش نہیں کر سکتی جبکہ ذات باری تعالیٰ سب کو نوازتا ہے ہر ایک کی سن کر اس کو عطا کرتا ہے۔

۵..... کوئی شخص کتنا ہی سخی کیوں نہ ہو، لیکن زیادہ مانگنے والوں سے آخر تک آجاتا ہے لیکن رب کریم سے جتنا ہی زیادہ مانگا جائے اتنا ہی وہ خوش ہوتے بلکہ نہ مانگنے والوں سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

جن اشیاء سے جسم کو فائدہ ہوتا ہے ان سے عموماً روح کو نقصان ہوتا ہے جن چیزوں سے جسم کی تربیت ہوتی ہے اس سے روح کو نقصان پہنچتا ہے، مثلاً عمدہ قسم کے کھانے، مرغن غذائیں کھانا اس بظاہر جسم کو فائدہ ہوتا ہے لیکن اس سے روح مردہ ہو جاتی ہے، روح زندہ ہوتی ہے کثرت عبادت سے لیکن اس سے جسم کمزور ہوتا ہے جسم کو نقصان ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ دونوں کی تربیت کرتا ہے، شریعت نے دونوں کی حدیں مقرر کیں، نہ حد سے زیادہ کھایا جائے نہ بہت کثرت سے عبادت کی جائے کہ جس سے جسم کو نقصان ہو، نیز جسم کی تربیت والدین اور اطباء کے ذریعے ہوتی ہے جبکہ روح کی تربیت انبیاء و اولیاء کے ذریعے ہوتی ہے۔

ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اللہ کی محتاج ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”رب العالمین“ میں اس بات

کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو بھی ہے وہ سب اپنے وجود اور باقی رہنے میں اللہ کے محتاج ہیں:

رَبِّ الْعَالَمِينَ إِشَارَةً إِلَى أَنْ كُلَّ مَا سِوَاهُ فَهُوَ مُفْتَقِرٌ إِلَيْهِ مُحْتَاجٌ فِي

وَجُودِهِ إِلَى إِيجَادِهِ، وَفِي بَقَائِهِ إِلَى إِبْقَائِهِ۔ (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ آیت اس سلسلہ میں دلیل ہے کہ ممکنات جس طرح اپنے موجود ہونے میں ایک ایسی ذات کی طرف محتاج ہیں جو انہیں وجود بخشنے، اسی طرح اپنی بقا میں اس ذات کی طرف محتاج ہیں جو انہیں باقی رکھے:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَمَكِنَاتِ كَمَا هِيَ مُفْتَقِرَةٌ إِلَى الْمَحْدُثِ حَالِ

حَدُوثِهَا فَهِيَ مُفْتَقِرَةٌ إِلَى الْمَبْقِي حَالِ بَقَائِهَا۔ (۲)

فرعون کا ربوبیت سے متعلق سوال پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جامع جواب

جب فرعون نے کہا ”وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۗ“ (الشعراء) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ”رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ“ یعنی رب وہ ہے جس کی تربیت سبع سماوات اور سبع ارضیں اور کل عالم کو محیط ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد شاید فرعون کو یہ تردد ہوا کہ تربیت کو صرف ذات خداوندی میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ہم والدین اور آقا ب اور ماہتاب کی تربیتوں کا بھی روزانہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، اس لئے موسیٰ علیہ السلام دوبارہ جواب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا ”رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأُولِينَ ۗ“ یعنی تمہارے آباء و اجداد کی تربیت اصلی اور ذاتی نہیں بلکہ عطیہ الہی ہے تمہارا اور تمہارے تمام آباء اولین کا حقیقی رب اور پروردگار وہی

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۶۱

(۲) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۲

ہے، اور تیسری بار فرمایا ”رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾“ یعنی آفتاب و ماہتاب کو اپنی کھیتوں کا مربی سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے کہ خود آفتاب و ماہتاب اور ان کے نور کو اسی رب العالمین نے پیدا کیا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے پہلی آیت میں یعنی ”رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ“ میں اللہ کی ربوبیت کا تمام ممکنہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا، اور دوسری آیت ”رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأُولَىٰ ۗ“ میں اس کی ربوبیت کا ماضی اور حال اور مستقبل کے تمام اوقات اور ازمنہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا، اور تیسری بار ”رَبُّ الْمَشْرِقِ“ فرما کر اس کی ربوبیت کا تمام اوضاع اور حالات تمام تغیرات اور کیفیات کو محیط ہونا بیان فرمایا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت کسی شخص اور کسی زمان کسی مکان اور کسی حالت اور وضع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب کو عام اور محیط ہے اسی لئے وہی لائق عبادت اور مستحق حمد و ثناء ہے۔ (۱)

نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال

جو رب العالمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف ہمارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے، اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سرا اس کے سامنے جھکا جا جائے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُونَ ﴿البقرة﴾

نظامِ ربوبیت سے وحی اور رسالت کی ضرورت پر استدلال

جس رب العالمین نے ہماری پرورش کے لئے ربوبیت کا ایسا انتظام قائم کر رکھا ہو کیا ممکن ہے کہ اس نے ہماری روحانی فلاح و سعادت کے لئے کوئی قانون کوئی نظام کوئی قاعدہ

مقرر نہ کیا ہو۔ جس طرح ہماری جسم کی ضرورتیں ہیں اس طرح ہماری روح کی بھی ضرورتیں ہیں، پھر کیسے ممکن کہ جسم کی نشوونما کے لئے تو اس کے پاس سب کچھ ہو لیکن روح کی نشوونما کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، جو پروردگار اجسام کی پرورش کے لئے آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے لیکن ارواح کی پرورش کے لئے ایک قطرہ فیض بھی نہ رکھے کیا یہ ممکن ہے؟ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے پھر کیا ہماری روح کو زندگی سے نہیں بدل سکتا، جو ستاروں کی روشن علامتوں سے خشکی و تری کی ظلمتوں میں ہماری رہنمائی کر سکتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ہماری روحانی زندگی کی تاریکیوں کے لئے اس کے پاس کوئی روشنی نہ ہو۔

گیارہویں بحث: لفظ رب کا اطلاق بغیر اضافت کے

غیر اللہ کے لئے جائز نہیں

۱..... امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ اگر لفظ ”رب“ کو مطلقاً (بغیر اضافت) کے ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ پر ہوگا (مخلوق پر اطلاق کے لئے اضافت ضروری ہے جیسے ”رب الدار“ وغیرہ):

ولا يقال الرب مطلقاً إلا لله تعالى۔^(۱)

۲..... قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ بغیر اضافت کے اس کا اطلاق نہیں کیا جائے گا مگر صرف اللہ تعالیٰ پر:

ولا يُطلق غير مُضافٍ إلا على الله عزّ وجل۔^(۲)

۳..... علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں: لفظ ”رب“ کا اطلاق نہیں کیا جائے گا مگر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔ بندے پر

(۱) المفردات: کتاب الرء، رب، ص ۱۹۰

(۲) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

اطلاق کے لئے اضافت ضروری ہے جیسے ”إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ“ یعنی یہ میرا آقا ہے جس نے مجھے بہترین ٹھکانہ دیا:

ولم يطلقوا الرب إلا في الله وحده وهو في العبد مع التقييد إنه
ربي احسن مثواي۔ (۱)

۴..... علامہ ابن منظور رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”رب“ کا اطلاق بغیر اضافت کے صرف اللہ پر ہوگا:

ولا يُطلق غير مُضافٍ إلا على الله عزّ وجل۔ (۲)

۵..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لفظ ”رب“ کو غیر اللہ کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا، البتہ اضافت کے ساتھ کرنا درست ہے، جیسے ”رب الدار“ ”رب كذا“ وغیرہ۔

ولا يستعمل الرب لغير الله، بل بإضافة تقول: رب الدار رب
كذا۔ (۳)

بارہویں بحث: قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی وہ

دعائیں جن میں لفظ ”رب“ مذکور ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعائیں جو قرآن کریم میں حکایۃً وارد ہیں یا تعلیمًا فرمائی گئی ہیں ان سب میں یہی اسم ”رب“ مذکور ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام کی دعا ہے:

(۱) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

(۲) لسان العرب: حرف الراء، رب، ج ۱ ص ۳۹۹

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۴

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ (الاعراف)

اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے کہ انہوں نے موذی قوم کی ایذا سے

بچنے کے لئے دعا کی:

فَدَعَا رَبَّهُ أَتَى مَعْلُوبٌ فَاتَّصِرُ ﴿۱۴﴾ (القمر)

پس اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بے بس ہوں پس تو میری مدد کر۔

نیز فرمایا:

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونَ۔ (المؤمن: ۲۶)

یعنی اے پروردگار! میری مدد فرما کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

نیز ان کو یہ دعاء سکھائی کہ کشتی سے سلامتی سے اترنے کے لئے یوں دعاء کرنا:

وَ قُلْ رَبِّ انزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبْرَكًا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِيْنَ ﴿۱۵﴾ (المومنون)

اے پروردگار! اتار مجھ کو اتارنا برکت کا اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

طلب ولد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۱۶﴾ (الانبیاء)

اے رب! مت چھوڑ مجھے اکیلا اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے شریروں کے مقابلے میں یوں دعا کی:

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۷﴾ (العنكبوت)

پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمائیے۔

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو یہ دعاء فرمائی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۸﴾ (البقرة)

پروردگار! ہم سے یہ عمل قبول فرما بیشک تو دعاؤں کو سننے والا (اور نیتوں اور کیفیتوں کا) جاننے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جب سب مقاصد پورے ہو چکے تو خاتمہ بالخیر کے لئے یوں دعا کی:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِي مِمَّا تَأْوِيلُ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَنْتَ وَلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ تَوَقَّنِي مُسْلِمًا ۚ
الْحَقِّي بِالصَّالِحِينَ ﴿۳۵﴾ (یوسف)

اے پروردگار! تو نے مجھے کسی قدر حکومت بھی بخشی اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی سکھایا ہے، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا پروردگار ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھے ایمان کی حالت میں موت دے اور زمرہ صالحین میں شامل فرما۔

جب بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے تنگ آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا اور یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۳۶﴾ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
الْكٰفِرِينَ ﴿۳۷﴾ (یونس)

پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے۔

حضرت داود علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاسْتَعْفَرَ رَبَّهُ وَ خَذَ رَاكِعًا وَاَنَابَ ﴿۳۸﴾ (ص)

اس لئے انہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعایوں بیان فرمائی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَبْئُتُنِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۗ (ص: ۳۵)

اے میرے رب! میری بخشش فرمادے، اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ
میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے سخت مصیبت اور بیماری کے وقت یوں دعا فرمائی:
وَإِيُوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۰۱﴾ (الانبیاء)
اور ایوب نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو سب
سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے متعلق فرمایا:

لَوْلَا أَنْ تَدَارَكُهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّي لَكُنْتُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۱۰۱﴾ (القلم)
اگر ان کے پروردگار کے فضل نے انہیں سنبھال نہ لیا ہوتا تو انہیں بُری حالت
کے ساتھ اس کھلے میدان میں پھینک دیا جاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نزول ماندہ کے لئے یوں دعا کی:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا
عِيدًا لِّأَوْلَادِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۰۱﴾ (المائدہ)
اے اللہ! ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لئے
یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات
ہو جاوے، اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے اور آپ ہم کو عطا
فرمائیے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

یہ وہ دعائیں ہیں جو قرآن کریم میں انبیاء سابقین کی مذکور ہیں، اور یہ مندرجہ ذیل
حاجات کے متعلق ہیں۔

۱..... گناہ کی معافی کے لئے۔ ۲..... دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے۔

۳..... اولاد کی طلب کے لئے۔ ۴..... عمل کی قبولیت کے لئے۔

۵..... بیماری سے شفاء پانے کے لئے۔

۶..... مصیبت سے نجات پانے کے لئے۔

۷..... کشتی سے سلامتی کے ساتھ کنارے اترنے کے لئے۔

۸..... خاتمہ بالخیر کے لئے۔ ۹..... حصول ملک کے لئے۔

۱۰..... طلبِ رزق کے لئے۔

تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی حاجات کے وقت صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امت کے لوگوں کو بھی یہ حاجتیں پیش آئیں تو وہ بھی صرف اللہ ہی کو پکاریں کیونکہ وہ رب العالمین ہے، پس جو اللہ کو اپنا حقیق رب سمجھے گا وہ شرک سے باز رہے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دعائیں تعلیم دی گئیں وہ بھی اکثر لفظ رب سے شروع ہوتی ہے، مثلاً فرمایا:

وَ قُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ۝۱۰ وَ اَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

يُحْضِرُونِ ۝۱۱ (المؤمنون)

اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئے۔

جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۳۱۳ جانثاروں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کے متعلق فرمایا:

اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ

الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ۝۳۱ (آل عمران)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی یاد کرو جب تم مؤمنوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرے۔

اور مؤمن نزولِ امداد کے لئے اپنے پروردگار سے جو التجائیں کرتے تھے اس کا نقشہ

یوں کھینچا:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ (الأنفال: ۹)

اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی دعاؤں میں لفظ ”رب“ مذکور ہے۔

تیر ہویں بحث: لفظ ”رب“ قرآن کریم میں پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے

۱..... وَ قَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنسَهُ

الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۝ (یوسف)

اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اس سے یوسف نے کہا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔ پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اس کو یہ بات بھلا دی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا، چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے۔

اس آیت میں لفظ ”رب“ سردار و آقا کے معنی میں ہے۔

۲..... إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَ لَهُ كُلُّ

شَيْءٍ ۚ وَ أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (النمل)

(اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝ (القریش)

اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔

ان دونوں آیات میں لفظ ”رب“ بمعنی مالک کے استعمال ہوا ہے۔

۳..... اِتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمُورُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿التوبة﴾

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے اُحبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنا لیا، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ ان کی شرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔

اس آیت میں لفظ ”رب“ بمعنی شارع کے ہے۔

۴..... قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿يوسف﴾

یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا ربی ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے، سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔

اس آیت میں لفظ ”رب“ بمعنی ربی کے استعمال ہوا ہے۔

۵... إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُواهُ ۗ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿آل عمران﴾
بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے کہ (صرف اسی کی عبادت کرو)

اس آیت میں لفظ ”رب“ بمعنی معبود کے استعمال ہوا ہے۔

لفظ رب پر جب الف لام داخل ہو جائے تو یہ ذات باری کے ساتھ

خاص ہو جاتا ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”رب“ پر جب الف لام

داخل ہو جائے تو پھر یہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتا ہے، پھر اس کا اطلاق مخلوق پر کرنا جائز نہیں اس صورت میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہوگا، اور اگر الف لام کو حذف کر دیا جائے تو اس صورت میں لفظ رب خالق اور مخلوق کے درمیان مشترک ہو جائے گا، البتہ جب مخلوق کے لئے استعمال ہو تو اضافت کے ساتھ ہوگا:

متى ادخلت الألف واللام على رب اختص الله تعالى به، لأنها

للعهد وإن حذفنا منه صار مشتركا بين الله وبين عباده۔^(۱)

لفظ رب کے متعلق ایک اہم نکتہ

علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ لفظ رب کے اندر ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیگر اسماء میں نہیں پائی جاتی، وہ یہ کہ اگر آپ لفظ رب کو پلٹ دیں تب بھی یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہوگا (یعنی بَرٌّ) جبکہ اگر دیگر اسمائے باری تعالیٰ کو پلٹ دیں تو پھر وہ اسمائے باری تعالیٰ میں سے نہیں رہتے:

دقيقة في لفظ رب خصوصية لا توجد في غيره من اسمائه تعالى

وهو أنك إذا قرأته طردا كان من اسمائه تعالى وإن قلبته كان

من اسمائه تعالى۔^(۲)

چودھویں بحث: لفظِ عالمین کی تحقیق

یہ ”عَالَمٌ“ کی جمع ہے، عالم کا لغوی معنی ”ما یعلم به الشيء“ جیسے خاتم کا معنی ”مایختم به“ عرف میں عالم کا معنی ”ما یعلم به الصانع“ عرفی معنی میں تخصیص ہے جیسا کہ لغوی معنی میں تعمیم ہے، تو عالم سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے وجود سے خالق کائنات

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۲

(۲) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

کے وجود پر استدلال کیا جاسکے خواہ وہ انسان ہوں یا دیگر حیوانات، نباتات ہوں یا جمادات ہوں:
و العالم اسم لما يعلم به كالأخاتم۔^(۱)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اجسام، جواہر، اعراض اور ہر وہ موجود چیز جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے وہ عالم ہے، عالم کو عالم اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر علامت ہیں:

و العالم هو ما علم به الخالق من الأجسام والجواهر والأعراض
او كل موجود سوى الله تعالى سمي به لأنه علم على وجوده۔^(۲)

عالم کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں

۱..... یہ خاتم کی طرح اسم آلہ کا صیغہ ہے۔

۲..... یہ جمع ہے لیکن اس کے لئے کوئی واحد نہیں ہے، اس کے لحاظ سے تو گویا لفظاً مفرد ہے، اور معناً جمع ہے جیسے قوم ورھط وغیرہ۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اہل تاویل کا لفظ ”عالمین“ کے بارے میں بہت اختلاف ہے، امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم کی جمع ہے اور اللہ کے سوا ہر موجود شی عالم ہے، لفظ عالم کا کوئی واحد نہیں جیسا کہ ”رھط“ اور ”قوم“ وغیرہ کا واحد نہیں آتا:

اختلف أهل التأويل في العالمين اختلافاً كثيراً، فقال قتادة:

العالمون جمع عالم وهو كل موجود سوى الله تعالى ولا واحد له

من لفظه مثل رھط وقوم۔^(۳)

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

(۳) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۳

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ”عالمین“ عالم کی جمع ہے، اللہ کے سوا ہر موجودی عالم ہے، عالمین جمع ہے اور اس کے لفظ سے اس کا کوئی مفرد نہیں ہے:

والعالمین: جمع عالم، وهو كل موجود سوى الله عز وجل، والعالم

جمع لا واحد له من لفظه۔^(۱)

پندرہویں بحث: لفظ عالمین کے مصداق کے متعلق

اہل علم کے اقوال

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ عالم کے مصداق کے بارے میں اہل علم کے چھ (۶) اقوال نقل کئے ہیں۔

۱..... امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”عالمین“ عالم کی جمع ہے اور اللہ کے سوا ہر موجودی عالم ہے۔

۲..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عالمین سے مراد جنات اور انسان ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا“ تاکہ وہ سارے دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کو ڈرانے والے بن کر نہیں آئے (صرف جن وانس کی طرف مبعوث ہوئے)

۳..... امام فررار اور امام ابو عبیدہ رحمہما اللہ کے نزدیک عالم ذوی العقول کو کہتے ہیں اور وہ چار جنسیں ہیں: انسان، جنات، فرشتے اور شیاطین۔

۴..... وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) عالم پیدا کئے ہیں جن میں سے ایک دنیا ہے۔

۵..... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرق سے مغرب تک دنیا

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۴

ایک عالم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ایسے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) عالم پیدا کئے ہیں۔
 ۶..... امام مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل اسی ہزار (۸۰۰۰۰) عالم ہیں جن میں
 سے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) خشکی میں اور چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سمندر میں ہیں:
 قال قتادة: العالمون جمع عالم وهو كل موجود سوى الله تعالى،
 وقال ابن عباس: العالمون الجن والإنس، دليبه قوله تعالى: ليكون
 للعالمين نذيرا ولم يكن نذيرا للبهائم، وقال الفراء وأبو عبيدة:
 العالم عبارة عن يعقل، وهم أربعة أمم: الإنس والجن والملائكة
 والشياطين، وقال وهب بن منبه: إن لله عز وجل ثمانية عشر ألف
 عالم، الدنيا عالم منها، وقال أبو سعيد الخدري: إن لله أربعين ألف
 عالم، الدنيا من شرقها إلى غربها عالم واحد، وقال مقاتل:
 العالمون ثمانون ألف عالم، أربعون ألف عالم في البر
 وأربعون ألف عالم في البحر۔^(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) نے عالم کے مصداق کے بارے میں اہل
 علم کے دس (۱۰) اقوال نقل کئے ہیں، اہل علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت
 فرمائیں۔^(۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) عالم کے مصداق کے متعلق اہل علم کے اقوال
 نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مناسب یہ ہے کہ ”عالمین“ کو عام رکھا
 جائے، اور عالم اتنی کثرت کے ساتھ ہیں انہیں کوئی شمار نہیں کر سکتا:

والمناسب للمقام هنا العموم والعوالم كثيرة لا تحصيها الأرقام۔^(۳)

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۳، ۱۸۴

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۳

(۳) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۷

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ ”العالمین“ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومِ بعثت کی طرف اشارہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی اپنی قوم کی روحانی تربیت کرتے تھے یعنی ان کی بعثت خصوصی تھی، جب نبی آخر الزماں آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تا کہ آپ یہاں سے جماعت تیار کر کے اپنا دست بازو بنا کر پھر باہر جا کر دعوت و تبلیغ شروع کریں، پھر اسی جماعت نے روم و فارس کو فتح کیا، تو آپ کی بعثت اقوامِ عالم کی طرف تھی، آپ کی بعثت کوئی علاقائی یا صوبائی نہیں تھی، اس لئے حضرت نے ترجمہ کیا وہ پالنے والا ہے ساری قوموں کا تا کہ حضور علیہ السلام کی ختم نبوت اور آپ علیہ السلام کی عمومِ بعثت کی طرف اشارہ ہو کہ آپ سب کی طرف رسول بن کر آئے ہیں۔

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ لانے میں کیا حکمت ہے؟

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر فرمایا تا کہ وہ اپنے ماتحت مختلف قسم کی اجناس کو شامل ہو، اور ان اجناس مختلفہ میں عقلاء کو غلبہ دیتے ہوئے عالم کو یاء نون کے ساتھ جمع لائے جس طرح عقلاء کے دوسرے اوصاف کی یاء نون کے ساتھ جمع آتی ہے:

وإنما جمعه ليشمل ما تحته من الأجناس المختلفة، وغلب العقلاء

منهم فجمعه بالياء والنون كسائر اوصافهم۔^(۱)

لفظ عالمین کو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا جبکہ مقام

جمع کثرت کا تھا؟

عالمین کو جمع قلت کے ساتھ ذکر کیا حالانکہ مقام اس بات کا تھا کہ اس کو جمع کثرت کے صیغے کے ساتھ لاتے، تو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ ذکر کرنا اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ

عالم کتنے ہی کثیر کیوں نہ ہوں لیکن ذات باری تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے یہ اقل
القلیل ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں:

فإن قيل: لم جمع جمع قلة مع أن المقام يستدعي الإتيان بجميع
الكثرة، أجيب: بأن فيه تنبيهاً على أنهم وإن كثروا قليلون في
جنب عظمته وكبريائه تعالى۔ (۱)

وإنما كان الجمع الواو والنون مع أنه في المشهور جمع قلة
والظاهر مستدع لجمع الكثرة تنبيهاً على أن العوالم وإن كثرت
قليلة بل أقل من القليل في جنب عظمة الله تعالى وكبريائه۔ (۲)

لفظ عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے پھر واو
نون کے ساتھ اس کی جمع کیوں لائی گئی؟

جواب: یہاں جمع لانے میں عقلاء کو ان کی شرافت کی وجہ سے غلبہ دیا گیا ہے غیر
عقلاء پر، لہذا جس طرح عقلاء کی دیگر صفات کی جمع واو نون کے ساتھ لائی جاتی ہے اسی
طرح عالم کی جمع بھی واو نون کے ساتھ لائی گئی:

وغلب العقلاء منهم فجمعه بالياء والنون كسائر أوصافهم۔ (۳)

لفظ عالمین میں الف لام کونسا ہے؟

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ”العالمین“ میں الف
لام استغراق کا ہے، اور قرینہ اس پر یہ مقام خطاب ہے کہ الف لام عہد خارجی کا نہیں ہے،
اور نہ ہی یہ الف لام جنس پر محمول ہو سکتا ہے اور نہ عہد ذہنی پر، تو اب یہ متعین ہو گیا کہ یہ الف

(۱) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۸

(۳) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

لام استغراق کا ہے مقصود اس سے تمام افراد کا احاطہ کرنا ہے:

والتعريف فيه للاستغراق بقريئة المقام الخطابى فانه إذا لم يكن

عهد خارجى ولم يكن معنى للحملى على الحقيقة ولا على المعهود

الذهنى تمحض التعريف للاستغراق لجميع الأفراد۔ (۱)

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر کیا؟

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ عالم کو جمع کے صیغے کے

ساتھ لایا اس لئے کہ اگر اس کو مفرد کے صیغے کے ساتھ لاتے تو یہ وہم ہوتا ہے کہ الف لام

عهد خارجى کے لئے یا جنس کے لئے ہے، تو مطلب یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ معہود جنس عالم یا

مخصوص جنس کارب ہے، تو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا تا کہ تصریح ہو اس بات پر کہ یہ صیغہ جمع

استغراق کے لئے ہے تاکہ تمام مخلوقات کو شامل ہو:

وإنما جمع العالم ولم يؤت به مفردا لأن الجمع قرينة على

الاستغراق۔ (۲)

سولہویں بحث: لفظ عالمین قرآن کریم میں تین معانی

میں استعمال ہوا ہے

لفظ عالم قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔

..... تَبْرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ

نَذِيرًا ۝ (الفرقان)

بڑی شان ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے

(۱) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶۸

(۲) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶۸

والی یہ کتاب نازل کی تاکہ وہ دنیا جہاں کے لوگوں کو خبردار کر دے۔
اس آیت میں عالمین سے مراد جنات اور انسان ہیں۔

۲..... قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۰﴾ (الشعراء)

فرعون نے کہا: اور یہ رب العالمین کیا ہے؟

اس آیت میں عالم سے مراد کل ماسوی اللہ ہے۔

۳..... أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾ (الشعراء)

کیا دنیا جہاں کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو۔

يَبْنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ كُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

الْعَالَمِينَ ﴿۲۲﴾ (البقرة)

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات

(یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی۔

ان دونوں آیتوں میں عالم سے مراد اہل العصر الواحد یعنی ایک زمانے کے لوگ ہیں۔

افعال کا خالق کون ہے؟

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بناء پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور ان نعمتوں میں سے ایک ایمان بھی ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ایمان بھی دیگر نعمتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کی مخلوق ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ”رَبِّ الْعَالَمِينَ“ میں اس کی دلیل موجود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کو پالنے والا ہے تو سارے جہاں اس کی مخلوق ہیں، انہی میں سے ایمان بھی ہے۔ اس سے فرقہ قدریہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان انسان کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے۔

الرحمن الرحيم کا ما قبل کے ساتھ ربط

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی

صفت ”رب العلمین“ ذکر فرمانے کے بعد ”الرحمن الرحیم“ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ”رب العلمین“ میں ملکیت و ربوبیت کا ذکر سن کر ایک طرح کا خوف پیدا ہوتا ہے جبکہ ”الرحمن الرحیم“ میں اس خوف کو کم کرنے اور رغبت دلانے کا پہلو نمایاں ہے، یہاں ان دونوں صفات کو یکجا فرمادیا تاکہ اطاعت کا شوق پیدا کرنے اور نافرمانی سے بچنے میں بہترین معاون ثابت ہو۔ یہی اسلوب درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ میں بھی اختیار کیا گیا:

نَبِيٌّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ

الْأَلِيمُ۔ (السجدة: ۴۹، ۵۰)

میرے بندوں کو خبر کر دیجئے کہ میں یقیناً بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں، اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (المؤمن: ۳)

اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا ہے، توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے

والا ہے، اور بڑی طاقت والا ہے۔

قوله تعالیٰ: الرحمن الرحيم وصف نفسه تعالى بعد رب العالمين، بأنه الرحمن الرحيم، لأنه لما كان في اتصافه برب العالمين ترهيب قرنه بالرحمن الرحيم، لما تضمن من الترغيب، ليجمع في صفاته بين الرهبة منه والرغبة إليه، فيكون أعون على طاعته و أمنع، كما قال: نبي عبادي اني انا الغفور الرحيم وان عذابي هو العذاب الاليم، وقال: غافر الذنب وقابل التوب شديد العقاب

ذی الطول۔ (۱)

قال القرطبي انما وصف نفسه بالرحمن الرحيم بعد قوله رب العالمين ليكون باب الترغيب بعد الترهيب۔^(۱)

ستر ہویں بحث: پچیس (۲۵) آیات جن میں حمد اور

ربوبیت کو اکٹھا کر کیا گیا ہے

وہ آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا کر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کریم میں حمد اور ربوبیت کی اس مناسبت کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً چھ (۶) مقامات پر حکم ہوا ہے۔

۱..... فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۱۵﴾ (الحجر)

تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو۔

۲..... فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿۱۶﴾ (النصر)

تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

۳..... فَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

تَرْضَىٰ ﴿۱۷﴾ (طہ)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔

۴..... فَأَصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ (المومن)

(اے پیغمبر!) صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے قصور پر استغفار کرتے رہو، اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

۵..... فَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَ

قَبْلِ الْغُرُوبِ ۝ (ق)

(اے پیغمبر!) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں تم اس پر صبر کرو اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔

۶..... وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ

تَقُومُ ۝ (الطور)

اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو اور جب تم اٹھتے ہو اس وقت اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کرو۔
تین مقامات پر فرشتوں کے متعلق ذکر کیا کہ وہ بھی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں:

۷..... وَ تَرَى الْمَلَائِكَةَ حَاقِقِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۝

وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الزمر)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۸..... الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ

يُؤْمِنُونَ بِهِ وَ يُسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَ
 عِلْمًا فَاعْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَ اتَّبِعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ⑨ (المومن)
 وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں وہ
 سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور اس پر ایمان
 رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے
 ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر حاوی ہے، اس لئے
 جن لوگوں نے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستے پر چل پڑے ہیں ان کی بخشش
 فرمادے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

۹..... تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ

رَبِّهِمْ (الشوری: ۵)

ایسا لگتا ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد
 کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔
 ۱۰..... تہجد گزار عابدوں کے متعلق فرمایا:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
 وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ⑩ (السجدة)

ہماری آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور
 اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔
 ۱۱..... خود اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے بارے میں فرمایا:

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَ رَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑪ (الجماعیة)
 غرض تعریف تمام تر اس کی ہے جو سارے آسمانوں کا بھی مالک ہے، زمین کا
 بھی مالک، اور تمام جہانوں کا بھی مالک۔

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور رحمت کو اکٹھا ذکر

فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں ربوبیت اور رحمت کی مناسبت و ربط کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سارا سلسلہ تربیت محض رحمت کے تقاضے سے ہے کسی کے سابقہ استحقاق یا اس سے آئندہ کی توقع کی نظر سے نہیں۔ چنانچہ ہم چند مقامات یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۲..... حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کے متعلق فرمایا:

فَتَلَكَّىٰ اٰدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٠﴾ (البقرة)

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ (الاعراف)

دونوں بول اٹھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

۱۳..... حضرت نوح علیہ السلام کی دعایوں ذکر کی:

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَاِلا تَغْفِرْ لِيْ وَ

تَرْحَمْنِيْ اَكُوْنُ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ (هود)

نوح نے کہا: میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں، اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو برباد ہو گئے ہیں۔

۱۴..... حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا

یوں بیان فرمائی:

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۗ وَ آٰرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَ تُبَّ عَلَيْنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵﴾ (البقرة)
اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنالے اور ہماری نسل
سے بھی ایسی اُمت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو۔ اور ہم کو ہماری عبادتوں
کے طریقے سکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرمالے، بے شک تو اور صرف تو ہی
معاف کردینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے۔

۱۵..... حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لئے دعا کرنے کا وعدہ کیا:

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۗ اِنَّهُ هُوَ الْعَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ (یوسف)
یعقوب نے کہا: میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا،
بے شک وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

۱۶..... حضرت یوسف علیہ السلام نے اظہار تواضع و انکساری کے طور پر فرمایا:

وَ مَا اُبْرِيْ نَفْسِي ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَآ مَآرَاةٌ بِالسُّوْءِ ۗ اِلَّا مَا رَاحِمَ رَبِّي ۗ اِنَّ
رَبِّيَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷﴾ (یوسف)

اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ نفس تو
برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا رب رحم فرمادے تو بات اور ہے (کہ
اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا) بے شک میرا رب بہت بخشنے والا،
بڑا مہربان ہے۔

۱۷..... حضرت خضر علیہ السلام نے یتیم بچوں کی دیوار جب درست کر دی تو حقیقت بتائی:

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ ۗ وَ كَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا
وَ كَانَ اَبُوهُمَا صَالِحًا فَآرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشْدَهُمَا ۗ وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۗ
رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۗ وَ مَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِي ۗ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ

عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۱۷﴾ (الكهف)

رہی یہ دیوار تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے پیچھے ان کا ایک خزانہ گڑھا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا، اس لئے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہوسکا۔

۱۸..... بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر زوال وارد کرنے کے سلسلے میں فرمایا:

وَ إِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُوءُهُمْ سَاءً
الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۗ وَ إِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸﴾ (الأعراف)
اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی ایسا شخص مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچائے گا۔ بے شک تمہارا رب جلد ہی سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان بھی ہے۔

۱۹..... حضرت ذوالقرنین نے یا جوج ماجوج کی روک تھام کے لئے جو دیوار بنائی تو

اللہ کا شکر کر کے فرمایا:

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ
رَبِّي حَقًّا ﴿۱۹﴾ (الكهف)

ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

۲۰..... حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۗ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿٢٠﴾ (ہود)
تم اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو، یقین رکھو کہ میرا رب
بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے۔

۲۱..... حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے بڑھاپے میں اولاد بخشنے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

ذَكَرَ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِيًّا ﴿٢١﴾ (مریم)

یہ تذکرہ ہے اس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔

۲۲... اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے فائدے کے لئے دیگر حیوانات کو پیدا کر کے احسان جتلیا:

وَ تَحْمِلُ أُنْفُسَكُمْ إِلَىٰ بَلَدِكُمْ لَمَّا تَكُونُوا بِلْغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۗ إِنَّ رَبَّكُمْ
لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾ (النحل)

اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم جان مشقت
میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بہت شفیق،
بڑا مہربان ہے۔

۲۳..... کشتی دریا میں اور جہاز سمندر میں محض خدا کی رحمت سے چلتے ہے:

رَبُّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ
رَحِيمًا ﴿٢٣﴾ (بنی اسرائیل)

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا
فضل تلاش کرو، یقیناً وہ تمہارے ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ کرنے والا ہے۔

۲۴..... اللہ تعالیٰ گناہگاروں کی گرفت میں محض بتقاضائے ربوبیت اور رحمت جلدی

نہیں کرتے:

وَرَبُّكَ الْعَفْوُ ذُو الرَّحْمَةِ ۗ لَوْ يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبْتُمْ لَعَجَلْ لَهُمُ الْعَذَابُ ۗ
بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٢٤﴾ (الكهف)

اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے، جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

جنتیوں کو جنت میں تحفہ ملے گا:

سَلَّمَ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ۝ (یسین)

رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔

۲۵..... ان امور کی جامع ایک ہی آیت کافی ہے جس میں ربوبیت اور رحمت کو جمع

کیا ہے اور اس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ میری رحمت بھی میرے اپنے وعدے کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور سبب سے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (الأنعام)

تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر یہ رحمت کا معاملہ کرنا لازم کر لیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اٹھارہویں بحث: ”الرحمن الرحيم“ کو مکرر کیوں ذکر کیا؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن الرحيم“ کو پہلے تسمیہ میں پھر سورہ فاتحہ میں دوبارہ ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری رحمت کی کثرت تمام امور سے بڑھ کر ہے، تو تکرار کے ساتھ وسعت رحمت کو بیان کیا، تو گویا میں الہ اور رب ایک مرتبہ ہوں اور رحمن و رحیم دو مرتبہ ہوں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ میری رحمت کی وسعت تمام امور سے بڑھ کر

ہے، لیکن یہ بھی فرمادیا کہ میری کثرتِ رحمت کز دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑ جانا میں روز جزاء کا مالک بھی ہوں:

فإن قيل: إنه تعالى ذكر الرحمن الرحيم في التسمية مرة واحدة، وفي السورة مرة ثانية فالتكرير فيهما حاصل وغير حاصل في الأسماء الثلاثة فما الحكمة؟ قلنا: التقدير كأنه قيل: أذكر أني إله ورب مرة واحدة، وأذكر أني رحمن رحيم مرتين لتعلم أن العناية بالرحمة أكثر منها بسائر الأمور، ثم لما بين الرحمة المضاعفة فكأنه قال: لا تغتروا بذلك فإني مالك يوم الدين-^(۱)

فإن قيل: إنه تعالى ذكر الرحمن الرحيم في التسمية ثم ذكرهما مرة ثانية دون الأسماء الثلاثة الباقية، فما الحكمة في ذلك؟ أجيب: بأن الحكمة في ذلك كأنه قال تعالى: أذكر أني إله ورب مرة واحدة وأذكر أني رحمن رحيم مرتين لتعلم أن العناية بالرحمة أكثر منه بسائر الأمور-^(۲)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن الرحيم“ کو مکرر لانا دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں، اس لئے کہ اگر تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتا تو ان کا اعادہ نہ ہوتا اس لئے کہ یہ اعادہ افادے سے خالی ہے:

وهو دليل على أن التسمية ليست من الفاتحة إذ لو كانت منها لما أعادها لخلو الإعادة عن الإفادة-^(۳)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۸

(۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

(۳) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

الرحیم“ کو مکرر لانا سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے:

فیه دلیل علی أن البسملة لیست من الفاتحة کیلا یلزم التکرار۔^(۱)
 علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن الرحیم“ کے تکرار سے ہمارے بعض اکابر حنفیہ کا استدلال کرنا کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے یہ استدلال قوی نہیں ہے، بلکہ ان صفات کا تکرار خاص فائدے کی وجہ سے ہے ”الرحمن الرحیم“ کو تسمیہ میں اس لئے ذکر کیا تا کہ کلام کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان نام اور صفات کے ساتھ ہو، اور سورہ فاتحہ میں اس لئے ذکر کیا کہ یہ علت ہیں استحقاقِ حمد اور اختصاصِ حمد کے لئے:

واستدل بعض ساداتنا بتکرارهما علی أن البسملة لیست آية من الفاتحة وليس بالقوی لأن التکرار لفائدة ف ذکرهما فی البسملة تعلیل للابتداء باسمه عز شأنه و ذکرهما هنا تعلیل لاستحقاقه تعالیٰ الحمد۔^(۲)

انیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے ”الرحمن الرحیم“

کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں گھر میں تھا اچانک میرے دل میں خیال آیا، میں گھر سے نکلا اور دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ یکا یک میں نے ایک موٹا

(۱) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۰

تازہ بچھو دیکھا جو ساحل کی طرف جا رہا تھا، جب وہ کنارے پر پہنچا تو پانی میں سے ایک مینڈک نکلا اور سطح پر تیرنے لگا، بچھو نے جب اسے دیکھا تو کود کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا، مینڈک اسے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف لے چلا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کشتی میں سوار ہوا، اور ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ دریا کے اس پار پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر بچھو مینڈک کی پیٹھ سے اترا اور خشکی پر چڑھ گیا، میں بھی دریا سے نکل کر اس کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں ایک نوخیز لڑکا گہری نیند سو رہا ہے، میں نے دل میں کہا کہ بچھو دوسری جانب سے اس نوجوان کو کاٹنے آیا ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک زہریلا سانپ دکھائی دیا جو اس سوئے ہوئے لڑکے کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن ابھی وہ لڑکے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بچھو آگے بڑھا اور سانپ کے سر سے چمٹ گیا یہاں تک کہ تھوڑی ہی دیر میں سانپ کو مارا اور خود بھی مر گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو ان سے بچایا:

وروی ذی النون أنه قال: كنت في البيت إذ وقعت ولولة في قلبي، فخرجت من البيت وانتهيت إلى شط النيل، فرأيت عقرباً قويا يعدو فتبعته فوصل إلى طرف النيل فرأيت ضفدعاً واقفاً على طرف الوادي، فوثب العقرب على ظهر الضفدع وأخذ الضفدع يسبح ويذهب، فركبت السفينة وتبعته فوصل الضفدع إلى الطرف الآخر من النيل، ونزل العقرب من ظهره، وأخذ يعدو فتبعته، فرأيت شاباً نائماً تحت شجرة، ورأيت أفعى يقصده فلما قربت الأفعى من ذلك الشاب وصل العقرب إلى الأفعى فوثب العقرب على الأفعى فلدغه، والأفعى أيضاً لدغ العقرب، فماتاً معاً، وسلم ذلك الإنسان منهما۔^(۱)

(۱) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۱

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کے ہاں مہمان ٹھہرا جب کھانے کا وقت آیا تو دسترخوان لگایا گیا، کیا دیکھا کہ اچانک ایک کوا آیا اور ایک روٹی اپنی چونچ میں اٹھا کر لے اڑا، یہ منظر دیکھ کر میں اس کے پیچھے چلنے لگا آخر یہ کیا ماجرا ہے، تو دیکھا وہ کوا ایک جگہ اتر ا جہاں ایک شخص جس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، زندگی سے مجبور ہو کر بے حس پڑا ہوا ہے، تو کوا نے روٹی کو اس کے چہرے پر ڈال دیا، تو وہ شخص روٹی کھانے لگا۔ اس واقعہ سے اللہ کی بے انتہاء قدرت اور وسعت رحمت کا اندازہ ہوتا ہے:

حکى عن ابراهيم بن ادھم انه قال كنت ضيفا لبعض القوم فقدم
المائدة، فنزل غراب وسلب رغيفا، فاتبعته تعجبا، فنزل فى بعض
التلال، وإذا هو برجل مقيد مشدود اليدين فألقى الغراب ذلك
الرغيف على وجهه. (۱)

کواے کی نشوونما کے ابتدائی مراحل

جب کوا کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آتا ہے تو اس کے جسم پر کوئی پر نہیں ہوتا، پس اس وقت وہ گوشت کے سرخ لوتھڑے کی مانند ہوتا ہے، پس اس وقت اس بچے کی ماں اس کے قریب نہیں آتی اور نہ ہی اس کی تربیت کرتی ہے۔ اب حشرات الارض، کیڑے مکوڑے، مچھر وغیرہ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں کہ یہ مردہ گوشت کا ٹکڑا ہے جیسے ہی قریب آتے ہیں تو کواے کا یہ بچہ ان کو اپنی غذا بنا لیتا ہے۔ کئی دنوں تک اس کی یہی حالت رہتی ہے یہاں تک کہ اس کے جسم پر پر آ جاتے ہیں اور پروں کی بدولت اس کے جسم کا گوشت چھپ جاتا ہے، تو اب اس کی ماں لوٹ کر آتی ہے، اس وجہ سے عرب کے لوگ یہ الفاظ کہتے ہیں ”یا رزاق النعاب فى عيشه“

(۱) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۱

ويحكى أن ولد الغراب لما يخرج من قشر البيضة يخرج من غير ريش فيكون كأنه قطعة لحم أحمر، والغراب يفر منه ولا يقوم بتربيته، ثم أن البعوض يجتمع عليه لأنه يشبه قطعة لحم ميت، فإذا وصلت البعوض إليه التقم تلك البعوض واغتذى بها، ولا يزال على هذه الحال إلى أن يقوى وينبت ريشه ويخفى لحمه تحت ريشه، فعند ذلك تعود أمه إليه، ولهذا السبب جاء في أدعية العرب: يارازق النعاب في عشه۔^(۱)

بیسویں بحث: مَالِك اور مَلِك میں فرق

مالک کہتے ہیں جو اعیان مملوکہ میں اپنی مرضی سے تصرف کرے اور یہ ماخوذ ہے ملک بکسر الحمیم سے، اور ملک کہتے ہیں جو مامورین میں امر اور نہی کے ذریعے تصرف کرے اور یہ ماخوذ ہے ملک بضم الحمیم سے:

المالك: هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف يشاء من الملك

والملك: هو المتصرف بالأمر والنهي في الأمور من الملك۔^(۲)

امام بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ ملک وہ قادر ذات ہے جو اعیان کو عدم سے وجود بخشنے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے:

المالك والملك هو القادر على اختراع الأعيان من العدم إلى

الوجود ولا يقدر عليه أحد غير الله۔^(۳)

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۱

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

(۳) معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۴

مَالِكٍ اور مَلِكٍ دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ بعض قراء ”مَلِكٍ يَوْمِ الدِّينِ“ پڑھتے ہیں اور بعض ”مَالِكٍ يَوْمِ الدِّينِ“ پڑھتے ہیں یہ دونوں قراءتیں صحیح ہیں اور قراءات سبع میں متواتر ہیں:

قرأ بعض القراء: مَلِكٍ يَوْمِ الدِّينِ وقرأ آخرون: مَالِكٍ، وكلاهما

صحيح متواتر في السبع۔^(۱)

والمتواتر منها قراءة مالك ومالك۔^(۲)

علامہ زخشری اور قاضی بیضاوی رحمہما اللہ کے نزدیک راجح قراءت

علامہ جارا اللہ زخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ بعض قراء ”مَلِكٍ“ اور بعض قراء ”مَلِكٍ“ پڑھتے ہیں اور یہ دوسری قراءت پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اہل حرمین کی یہی قراءت ہے، نیز اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ“ اور ”مَلِكِ النَّاسِ“ (ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو یوم جزاء میں صفت ملک کے ساتھ متصف کیا ہے، لہذا ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ کے اندر بھی ایسی قراءت اختیار کی جائے جس کی وجہ سے ذات باری صفت ملک کے ساتھ متصف ہو جائے، تاکہ دونوں آیتوں میں تناسب معنوی ہو جائے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ ”مَلِكٍ“ پڑھا جائے کیونکہ ”مَلِكِ“ ”مُلْكٍ“ ہی سے مشتق ہو سکتا ہے ”مَلِكٍ“ سے نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ راجح قراءت مَلِكِ ہے، مالک نہیں)۔

ومنهم من قرأ: مالك بالرفع، ومالك: هو الاختيار، لأنه قراءة أهل

الحرمين، ولقوله: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ولقوله: مَلِكِ النَّاسِ۔^(۳)

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۵

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۲ (۳) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۴

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: باقی قراء نے ”مَلِک“ پڑھا ہے اور یہی پسندیدہ ہے کیونکہ اہل حرمین کی یہی قراءت ہے، نیز اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ“ اور اس لئے بھی کہ اس میں زیادہ تعظیم ہے:

وقرأ الباقون: مَلِکِ وهو المختار لأنه قراءة أهل الحرمين ولقوله

تعالى: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ولما فيه من التعظيم۔^(۱)

اکثر صحابہ اور تابعین کے ہاں ”مَلِک“ والی قراءت راجح ہے

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ ”مَلِک“ بروزن ”فاعل“ مجرور ہے، یہ امام عاصم اور امام کسائی رحمہما اللہ کی قراءت ہے، اور یہ اکثر صحابہ کی قراءت ہے، صحابہ میں حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم (اور یہ اکثر) تابعین کی قراءت ہے جن میں امام قتادہ اور امام اعمش رحمہما اللہ بھی ہیں:

مالك يوم الدين قرأ مالك كفاعل مخفوضا عاصم والكسائي وقراءة

كثير من الصحابة منهم ابي وابن مسعود ومعاذ وابن عباس

والتابعين منهم قتادة والاعمش۔^(۲)

امام کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ”مَلِکِ يَوْمِ الدِّينِ“ والی قراءت پڑھتا ہوں، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فضل و کرم اور وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہے:

قال الكسائي: أقرأ مالك يوم الدين لأن هذه القراءة هي الدالة

على الفضل الكثير والرحمة الواسعة۔^(۳)

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۱

(۳) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۷

اکیسویں بحث: مالک والی قراءت رائج ہونے کی

دس عمدہ وجوہات

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) نے مالک والی قراءت رائج ہونے کی دس (۱۰) وجوہات نقل کی ہیں۔

۱..... بادشاہت انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور مالکیت انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔

۲..... مالک اپنے مملوک کو فروخت کر سکتا ہے بادشاہ اپنی رعایا کو فروخت نہیں کر سکتا۔

۳..... رعیت بادشاہ کی ملک اور سلطنت سے بھاگ کر نکل سکتی ہے اور مملوک بھاگ کر مالک کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔

۴..... غلام پر مولا کی خدمت واجب ہے، رعایا پر بادشاہ کی خدمت واجب نہیں۔

۵..... غلام بغیر آقا کی اجازت اور اذن کے کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور رعیت بغیر بادشاہ کی اجازت کے کام کر سکتی ہے۔

۶..... غلام کو آقا سے توقع رحم و کرم کی ہوتی ہے اور رعیت کو بادشاہ سے عدل اور انصاف کی امید ہوتی ہے اور بندہ رحم و کرم کا زیادہ محتاج ہے۔

۷..... بادشاہت میں ہیبت زیادہ ہے اور مالکیت میں شفقت اور عنایت زیادہ ہے۔

۸..... بادشاہ کے سامنے جب لشکر پیش ہوتا ہے تو ضعیفوں اور کمزوروں اور بیماروں کو

نظر انداز کر دیتا ہے اور مالک ضعیف اور کمزور غلاموں پر مزید توجہ کرتا ہے۔

۹..... مالک کو مملوک سے تعلق زیادہ ہوتا ہے بادشاہ کو رعایا سے اتنی محبت اور تعلق نہیں

جتنا کہ آقا کو غلام سے ہوتا ہے۔

۱۰..... مالک میں ملک سے ایک حرف زائد ہے اور ایک حرف کی زیادتی سے دس

نیکیاں ملتی ہیں۔ (۱)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے مذکورہ بالا وجوہات میں سے چھ (۶) وجہیں نقل کی ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الفصل الرابع، ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵)

سوال: لفظ اللہ بہ سبب علم ہونے کے معرّفہ ہے جو کہ موصوف ہے، مگر ”مالک یوم الدین“ اضافتِ لفظی ہونے کی وجہ سے نکرہ ہے جو کہ صفت ہے دونوں میں عدم مطابقت ہے، حالانکہ موصوف صفت کے لئے مطابقت ضروری ہے؟

پہلا جواب: اضافت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ اضافتِ لفظی ۲۔ اضافتِ معنوی

۱..... اضافتِ لفظی

اضافتِ لفظی کہتے ہیں صیغہ صفت کا اپنے معمول کی طرف مضاف ہونا۔ اضافتِ لفظی صرف مفید تخفیف ہوتی ہے، یعنی مضاف الیہ سے تنوین ہٹ کر ضمہ آجاتا ہے، لیکن تعریف و تنکیر کے اعتبار سے جس طرح مضاف پہلے نکرہ تھا اسی طرح اضافت کے بعد بھی نکرہ رہتا ہے۔

۲..... اضافتِ معنوی

اضافتِ معنوی کہتے ہیں صیغہ صفت کا غیر معمول کی طرف مضاف ہونا۔ اضافتِ معنوی میں اگر مضاف الیہ معرّفہ ہو تو اضافت مفید تعریف ہوگی اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو اضافت مفید تخصیص ہوگی۔

یہاں اضافتِ لفظی نہیں کیونکہ اضافتِ لفظی میں صیغہ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف ہوتا ہے، جبکہ یہاں ”مالک“ کا جو مفعولِ حقیقی تھا یعنی ”امور“ اس کو حذف کر دیا گیا ہے، اور لفظِ یوم جو ظرف ہے اس کو توسعاً مفعول بہ کے قائم مقام مان کر مالک کو اس کی

طرف مضاف کر دیا گیا ہے۔ ورنہ اصل عبارت: ”مَالِكُ الْأُمُورِ يَوْمَ الدِّينِ“ تھی، تو یہاں ”إِضَافَةُ الصِّفَةِ إِلَى الْمَعْمُولِ“ نہیں، اب یہ اضافت معنوی ہے۔ اور اضافت معنوی مفید تعریف ہوتی ہے، لہذا اس کا صفت بنا درست ہے۔

دوسرا جواب: ”مَالِكُ“ صیغہ اسم فاعل ہے، اور اسم فاعل کے عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور یہاں ”مَالِكُ“ ماضی کے معنی میں ہے، یادوام و استمرار کے معنی میں ہے۔ اگر ماضی کے معنی میں ہو تو ترجمہ ہوگا ”مَالِكُ الْأُمُورِ يَوْمَ الدِّينِ“ کیونکہ ”مَالِكُ“ کا یوم جزاء کے اندر واقع ہونا کا متحقق ہے اسی وجہ سے اس کو بمنزلہ متحقق مان کر صیغہ اسم فاعل کو جو معنی میں مستقبل کے تھا بمنزلہ ماضی کے لیا تا کہ تحقق پر دلالت کرے، جیسے ”وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ“ اگر دوام و استمرار کے معنی میں ہو تو ترجمہ ہوگا ”لِلَّهِ الْمَلِكُ فِي يَوْمِ الْجَزَاءِ عَلَى وَجْهِ الاستمرار“ بہر صورت چاہے ماضی کے معنی میں لیں یا استمرار کے معنی میں لیں صیغہ صفت کے عمل کرنے کی شرط نہیں پائی گئی، وہ یہ ہے کہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ جب شرط نہیں پائی گئی تو ”إِضَافَةُ الصِّفَةِ إِلَى الْمَعْمُولِ“ نہیں پائی گئی، بلکہ ”إِضَافَةُ الصِّفَةِ إِلَى غَيْرِ الْمَعْمُولِ“ ہوئی، اب یہ اضافت معنوی ہے اور اضافت معنوی مفید تعریف ہوتی ہے، لہذا اس کا صفت واقع کرنا درست ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اسم فاعل (یعنی لفظ مالک) کو ظرف (یوم) کی طرف مضاف کر دیا، ظرف کو علی سبیل التوسع مفعول بہ کے قائم مقام بنانے کی وجہ سے (اور اس توسع کی نظیر) عرب کا قول ”يَا سَارِقَ اللَّيْلَةَ أَهْلَ الدَّارِ“ (اس مثال میں لفظ ”لَيْلَةَ“ کو جو کہ ظرف تھا بمنزلہ مال مسروق مان کر مفعول بہ کے قائم مقام کر دیا گیا، ورنہ اصل عبارت یوں تھی ”يَا سَارِقَ الْمَالِ فِي اللَّيْلَةِ“ اے گھر والوں سے رات میں مال کے چرانے والے) اور اضافت کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمام امور کا یوم جزاء میں مالک ہو گیا، یہ معنی اس انداز پر ہے جس طرح ”وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ“ وارد ہوا ہے (یعنی آئندہ ہونے والی بات کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا گیا) یا معنی یہ ہوں

گے کہ پروردگار کے لئے اس دن دائمی بادشاہت ہے (یہ معنی اس لئے بیان کیا گیا) تاکہ مالک کی اضافت معنوی ہو جائے، جو مالک میں معرفہ کی صفت بننے کی صلاحیت پیدا کر دے:

أضاف اسم الفاعل إلى الظرف إجراء له مجرى المفعول به على الاتساع كقولهم: يا سارق الليلة أهل الدار، ومعناه، ملك الأمور يوم الدين على طريقة ونأدى أصحاب الجنة أوله الملك في هذا اليوم، على وجه الاستمرار لتكون الإضافة حقيقية معدة لوقوعه صفة للمعرفة- (۱)

فإن قيل: إضافة اسم الفاعل غير حقيقية فلا تكون معطية معني التعريف فكيف ساغ وقوعه صفة للمعرفة؟ أجيب: بأنها إنما تكون غير حقيقية إذا أريد باسم الفاعل الحال أو الاستقبال فكان في تقدير الانفصال كقولك: مالك الساعة أو غدا فأما إذا قصد به معنى الاستمرار: أي هو موصوف بذلك دائما فتكون الإضافة حقيقية كغافر الذنب فصح وقوعه صفة للمعرفة- (۲)

روزِ جزاء کی ضرورت و اہمیت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جب کوئی ظالم ظلم کرتا ہے اور مظلوم اس سے انتقام نہیں لے سکتا، عجز کی وجہ سے یا ناواقف ہونے کی وجہ سے کہ مجھ پر ظلم کس نے کیا؟ یا مظلوم ظالم کے ظلم پر راضی ہے، ان تینوں باتوں کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا متصف ہونا محال ہے، پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم سے انتقام لے، جب دنیا میں

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

(۲) السراج المنیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰

ظالم کو اس کے ظلم کی سزا نہیں دی گئی تو ضروری ہے کہ ایک ایسا جہان ہو جہاں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے، اور مظلوم کی مدد کی جائے پس اسی جہان کو روزِ جزاء کہتے ہیں:

واعلم أن من سلط الظالم على المظلوم ثم إنه لا ينتقم منه فذاك إما للعجز أو للجهل أو لكونه راضياً بذلك الظلم، وهذه الصفات الثلاث على الله تعالى محال، فوجب أن ينتقم للمظلومين من الظالمين، ولما لم يحصل هذا الانتقام في دار الدنيا وجب أن يحصل في دار الآخرة بعد دار الدنيا، وذلك هو المراد بقوله:

مالك يَوْمِ الدِّينِ - (۱)

”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ کی تفسیر قرآن کریم سے

”إن القرآن يفسر بعضه بعضاً“ سورہ انفطار میں اللہ تعالیٰ نے ”مَالِكِ يَوْمِ

الدِّينِ“ کی وضاحت فرمائی ہے:

وَمَا آدُرُّكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ ثُمَّ مَا آدُرُّكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ يَوْمَ

لَا تَبْلُكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝ (الانفطار)

اور تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز ہے؟ ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن

کیا چیز ہے؟ یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس

میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اُس دن اللہ ہی کا چلے گا۔

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) اس آیت کی تفسیر

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس دن بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی، کسی کا کوئی حکم نہیں چلے

گا، صرف اللہ کا حکم نافذ ہوگا، پس صرف اللہ ہی اس دن فیصلہ کرنے والا ہوگا کسی اور کے

لئے کوئی اختیار نہیں ہوگا:

وَالْأَمْرُ يُؤْمِنُ لِلَّهِ أَي لَا أَمْرَ إِلَّا لِلَّهِ تَعَالَى وَحْدَهُ فَهُوَ الْقَاضِي فِيهِ

دون غیرہ۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”لله“ میں لام اختصاص کے لئے ہے، تمام اختیارات صرف اللہ کے ہوں گے کوئی بھی کسی بھی طرح سے اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، یعنی تمام امور میں ہر قسم کے تصرفات اس دن صرف اللہ کے لئے ہوں گے، نہ کہ کسی اور کے لئے:

وَاللَّامُ لِلْاِخْتِصَاصِ أَي الْأَمْرُ لَهُ تَعَالَى لَا لِغَيْرِهِ سُبْحَانَهُ لَا شَرَكَةَ وَلَا

اِسْتِقْلَالًا أَي أَنْ التَّصَرُّفَ جَمِيعَهُ فِي قَبْضَةِ قُدْرَتِهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا غَيْرَ۔ (۲)

علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ”نفس“ ”نکرہ“ ”لنفس“ ”نکرہ“ ”شیئا“ ”نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتادی کہ اس روز کسی کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

وَالْأَمْرُ يُؤْمِنُ لِلَّهِ

اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا۔ (۳)

اس آیت میں ”نفس“ ”نکرہ“ ”لنفس“ ”نکرہ“ ”شیئا“ ”نکرہ یہ تینوں الفاظ نکرہ پھر تحت النفس استعمال ہوا، اور اصول ہے کہ نکرہ تحت النفس عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز ”الأمر“ میں الف لام استغراق کے لئے ہے، اور لفظ ”لله“ میں لام اختصاص کے لئے ہے۔ اس قدر تاکیدات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس دن کوئی شخص بالاختیار نہ کسی کو نفع پہنچا سکے گا نہ نقصان، اس دن بادشاہت صرف اور صرف اللہ ہی کی ہوگی۔

(۱) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۳ ص ۶۱۲

(۲) روح المعانی: سورة الانفطار، ج ۳۰ ص ۳۸۲

(۳) تفسیر حقانی: سورة انفطار، ج ۵ ص ۸۱

”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ کا معنی

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ ”مالک، قاضی، مُجاز“ تینوں نکرہ تحت انہی کے طور پر استعمال فرمائے، پھر آگے لفظ غیر کو مطلق ذکر کیا جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں، اس بات کی وضاحت کے لئے کہ اُس دن بادشاہت اور ہر قسم کے اختیارات صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہوں گے، کوئی غیر آپ کے ساتھ کسی بھی طور پر شریک نہیں ہو سکتا:

قال: مالک يوم الدين، اى فى ذلك اليوم لا يكون مالک ولا قاض

ولا مجاز غيرة، سبحانه لا إله إلا هو۔ (۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ کا معنی یہ ہے کہ آج کے دن کوئی شخص فیصلے کا مالک نہیں ہوگا، جیسے کہ وہ دنیا میں مالک ہوتے ہیں:

عن ابن عباس: مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ يقول: لا يملك احد فى ذلك

اليوم معه حكما، كملكهم فى الدنيا۔ (۲)

لفظ مالک کی جگہ قاضی اور حاکم کے نہ لانے میں کیا حکمت ہے؟

قاضی اور حاکم لفظ مالک کا بدل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ قاضی اور حاکم باوجود وسیع اختیار ہونے کے بھی وہ قانون کے پابند ہوتے ہیں، جو ملکی، سیاسی قانون ہوں ان کے نفاذ کے پابند ہوتے ہیں، اس لئے وہ مطلق اختیار کے مالک نہیں ہوتے، جبکہ مالک کے اختیار مطلق ہوتے ہیں، وہ کسی قانون اور ضابطے کا پابند نہیں ہوتا۔ اس لئے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے مالک کا ترجمہ شہنشاہ کے ساتھ کیا۔ (۳)

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۸

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۶

(۳) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۷

خائن و تقویٰ کی حد میں ہمیشہ فرق

یہ وہ فرق ہے جس سے کہ اگر خائن کے حق میں ستم کیا کرنا منظور ہو تو مملکت کیوں نہیں ہے۔ اور تقویٰ کے حق میں ستم کیا کرنا ہو تو مملکت کیوں نہیں ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تقویٰ میں سے جو ایک ہوگا ضرور نہیں کہ مملکت (پادشاہی) بھی ہوگی جب تک مملکت کے لئے ستم کیا ہوگا تو وہ ایک بھی ہے اور مملکت بھی ہے:

وقال ابو حاتم بن مالك ايد في مدح الخلق من مملكت ومث

ايه في مدح المخلصين من مملكت، والفرق بينهما ان المملكت من

المخلصين قد يكون غير مملكت وإذا كان لله تعالى مملكت كان مملكت^(۱)

”یوم الدین“ کی جگہ ”یوم القيامة“ کیوں نہیں فرمایا،

اس میں کیا حکمت ہے؟

”یوم الدین“ اس کے فرمایا اگر ”یوم القيامة“ فرماتے تو آیت کے درمیان صحیح باتی نہ رہتا، آیت میں جو تسلسل ہے وہ ختم ہو جاتا۔ نیز لفظ دین کے اندر عموم زیادہ ہے، یہ قیامت کے تمام احوال کو شروع سے لے کر آخر تک سب کو شامل ہے، جبکہ لفظ قیامت کے مفہوم میں اس قدر وسعت نہیں ہے:

وإنما قال مملكت يوم الدين ولم يقل يوم القيامة مراعاة للفاصلة

وترجيحا للعموم فإن الدين بمعنى الجزاء يشمل جميع أحوال

القيامة من ابتداء النشور إلى السرمدة الدائم^(۲)۔

”مملكت“ اللہ کی صفت ذاتی ہے، جبکہ ”ممالك“ اللہ کی صفت فعلی ہے

امام قرظی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۶۷ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ”مملكت“ کہا جائے تو یہ اللہ کی

(۱) تفسیر القرظی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۵

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۵

صفت ذاتی ہے اور اگر ”مَلِک“ کہا جائے تو یہ اللہ کی صفت فعلی ہے:

إن وصف الله سبحانه بأنه ملك كان ذلك من صفات ذاته، وإن

وصف بأنه ملك كان ذلك من صفات فعله۔^(۱)

”مَلِک“ نام رکھنے کا حکم

ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنا نام ملک رکھ لے یا ملک ہونے کا دعویٰ کرے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُقْبِضُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاءَ

بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟^(۲)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں زمین اور آسمان لے کر پکارے

گا۔ میں ملک (بادشاہ) ہوں آج زمین کے ملوک (بادشاہ) کہاں ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللَّهِ رَجُلٌ تَسْمَى بِمَلِكِ الْمَلَائِكِ۔^(۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب سے برانا نام ملک الاملاک (بادشاہوں

کا بادشاہ) ہے۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد شہنشاہ اور اس جیسے دوسرے نام

ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیبانی سے اخنع کا معنی پوچھا تو انہوں

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۸

(۲) صحیح مسلم: کتاب صفة القيامة والجنة والنار، ج ۴ ص ۲۱۴۸، رقم الحديث: ۲۷۸۷

(۳) صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب ابغض الأسماء إلى الله، ج ۸ ص ۴۵، رقم

نے فرمایا: جو سب سے کمتر اور حقیر ہو۔^(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَغِيظُ رَجُلٍ عَلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَخْبِئُهُ وَأَغِيظُهُ عَلَيْهِ، رَجُلٌ كَانَ يُسَمِّي مَلِكَ الْأَمْلاَكِ، لَا مَلِكَ إِلَّا اللَّهُ۔^(۲)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور خبیث آدمی وہ ہوگا جس کا نام ملک الاملاک (باشاہوں کا بادشاہ) ہوگا، کیوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی ملک (بادشاہ) نہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالک نام رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کو مالک کہہ کر پکارنا جائز ہے:

لا يجوز أن يتسمى أحد بهذا الاسم ولا يدعى به إلا الله تعالى۔^(۳)

بائیسویں بحث: لفظ ”یوم“ کا استعمال

لفظ ”یوم“ تین طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

۱..... استعمال لغوی ۲..... استعمال عرفی ۳..... استعمال شرعی

لغت میں لفظ یوم مطلق وقت کے معنی استعمال ہوتا ہے، اور عرف میں طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کے لئے، شرع کی اصطلاح میں طلوع فجر ثانی اور غروب شمس کے درمیان، لیکن یہاں مطلق وقت مراد ہے:

(۱) مسند احمد: مسند ابی ہریرة، ج ۱۲ ص ۲۸۲، رقم الحدیث: ۴۲۹۹

(۲) صحیح مسلم: کتاب الآداب، باب تحریم التسمی بملك الأملاك، ج ۳ ص ۱۶۸۸، رقم

الحدیث: ۲۱۴۳

(۳) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۶

والیوم فی العرف عبارة عما بین طلوع الشمس وغروبها من الزمان وفي الشرع عما بین طلوع الفجر الثانی وغروب الشمس والمراد ههنا مطلق الوقت۔ (۱)

والیوم فی العرف عبارة عما بین طلوع الشمس وغروبها من الزمان وفي الشرع عند اهل السنة عبارة عما بین طلوع الفجر الثانی وغروب الشمس ویطلق علی مطلق الوقت۔ (۲)

تیسویں بحث: لفظ ”دین“ کے معنی کے بارے میں

لفظ دین کی لغوی تحقیق

دین اعمال کے حساب اور بدلے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما، امام ابن جریج، امام قتادہ اور دیگر کئی علماء رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ یہی مفہوم ارشاد باری تعالیٰ کا ہے:

يَوْمَئِذٍ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ (النور: ۲۵)

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے دیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کا حساب چکا دیں گے۔

اسی طرح فرمایا:

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (المومن: ۱۷)

اس دن ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔

نیز فرمایا:

(۱) تفسیر ابی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱، ص ۲۴

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱، ص ۱۱۳

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ (الجاثية)

آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور ارشاد فرمایا:

عَرَانَا لَمَدِيُونُونَ ﴿٥١﴾ (الصف)

کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا اور ہمارا محاسبہ بھی ہوگا۔

لبید کہتا ہے:

حَصَادُكَ يَوْمًا مَا زَرَعْتَ وَإِنَّمَا يُدَانُ الْفَتَى يَوْمًا كَمَا هُوَ دَائِنٌ

آج وہی فصل کاٹو گے جو کاشت کی تھی، بے شک ہر آدمی ایک دن اپنے کئے کا

بدلہ پاتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

إِذَا مَا رَمُونَا رَمِينَاهُمْ وَإِنَّا هُمْ مِثْلَ مَا يَقْرَضُونَ

جب انہوں نے ہمیں نشانہ بنایا تو ہم نے بھی انہیں نشانہ بنالیا۔ اور جیسا انہوں

نے ہم پر قرض چڑھایا ویسا ہم نے ان کا حساب چکا دیا۔

ایک شاعر کہتا ہے:

وَأَعْلَمُ يَقِينًا أَنَّ مُلْكَكَ زَائِلٌ وَأَعْلَمُ بِأَنَّ كَمَا تَدِينُ تُدَانُ

اور یقین رکھو کہ تمہاری بادشاہی ختم ہونے والی ہے، اور جان لو کہ جیسا کرو گے

ویسا بھرو گے۔^(۱)

علامہ جار اللہ زنجبیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ ”یوم الدین“

سے مراد یوم الجزاء ہے، اور اس قبیل سے مثل مشہور ہے:

”کما تدین تدان“

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

اور حماسہ کا شعر ہے

”وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ دِنَانَهُمْ كَمَا دَانُوا“

(سوائے ظلم پر صبر کرنے کے اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہا تو ہم نے بھی ان کو ایسا ہی

بدلہ دیا جس طرح کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا)

ويوم الدين يوم الجزاء ومنه قولهم كما تدين تدان وبیت

الحماسة: ولم يبق سوى العدوان دنانهم كما دانوا۔^(۱)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ دین سے مراد اعمال اور حساب

پر بدلہ دینا۔ یہی مطلب بیان کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہما اور امام ابن جریج اور امام قتادہ رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ حضرات نے:

الدين: الجزاء على الأعمال والحساب بها، كذلك قال ابن عباس

وابن مسعود وابن جريج وقتادة وغيرهم۔^(۲)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے لفظ دین کے تین معانی نقل کئے ہیں:

..... بدلے کا دن ۲..... شریعت ۳..... اطاعت

يوم الدين: يوم الجزاء وقيل: الدين الشريعة وقيل: الطاعة۔^(۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ

”يوم الدين“ سے مراد یوم الجزاء ہے:

والأرجح عندي أن الدين والجزاء بمعنى فيوم الدين هو يوم

الجزاء۔^(۴)

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۴

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۸

(۳) التفسیر البيضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

(۴) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۳

لفظ ”دین“ قرآن کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ دین قرآن کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے

۱..... توحید اور شہادت ۲..... حساب اور مناقشہ ۳..... شریعت کا حکم ۴..... سیاست
۵..... ملت ۶..... دین اسلام

والدین ورد فی القرآن بمعنی التَّوْحِيدِ وَالشَّهَادَةِ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ، أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ، أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ أَى التَّوْحِيدِ وَهُوَ نِظَائِرٌ، وَبِمَعْنَى الْحِسَابِ وَالْمُنَاقَشَةِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمِ الدِّينِ أَى الْحِسَابِ وَهُوَ نِظَائِرٌ أَيْضًا، وَبِمَعْنَى حُكْمِ الشَّرِيعَةِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَافَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ أَى فِي حُكْمِهِ، وَبِمَعْنَى السِّيَاسَةِ فِي دِينِ الْمَلِكِ أَى فِي سِيَاسَتِهِ، وَبِمَعْنَى الْمِلَّةِ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ أَى الْمِلَّةُ الْمُسْتَقِيمَةُ، وَبِمَعْنَى الْإِسْلَامِ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ۔^(۱)

روزِ جزا کے متعلق قرآن کریم میں استعمال کئے گئے بتیس (۳۲) کلمات

دین سے مراد یومِ قیامت ہے جسے روزِ جزا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس دن کوئی شخص بھی اپنے نیک و بد اعمال پر جزا و سزا کے بغیر نہیں رہے گا، اس دن کے لئے قرآن مجید میں مختلف اصطلاحات بیان ہوئی ہیں، جن میں سے ہر ایک کے ذریعے یومِ قیامت کے مختلف احوال و کیفیات اور اس کے مناظر و حیثیات کا پتہ چلتا ہے، ہم ان میں سے چند کا ذکر یہاں کرتے ہیں:

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الكتاب العزیز: الباب التاسع، ج ۲ ص ۶۱۷

۱.....یوم الدین (جزا اور انصاف کا دن)

وَمَا آذُنُكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۳۱﴾ (الانفطار)

اور آپ کو کیا معلوم وہ انصاف کا دن کیا ہے۔

۲.....یوم القيامة (قیامت کا دن)

فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۲﴾ (البقرة)

پس اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس معاملے میں (خود ہی) فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔

۳.....یوم الحشر (گھیرے جانے کا دن)

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ ذُرْقًا ﴿۳۳﴾ (طہ)

اور اس دن ہم مجرموں کو یوں گھیر لائیں گے کہ ان کے جسم اور آنکھیں نیلگوں (شدتِ خوف اور اندھے پن کے باعث) ہوں گی۔

۴.....یوم البعث (جی اٹھنے کا دن)

فَهَذَا يَوْمُ الْبُعْثِ وَلَكِنَّمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ (الروم)

اور یہ قیامت کا دن ہے (جی اٹھنے کا دن ہے) اور البتہ تم کو اس کا یقین نہ تھا۔

۵.....یوم الجمع (جمع ہونے کا دن)

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ (التغابن: ۹)

جس دن وہ تم کو جمع ہونے (یعنی قیامت) کے دن اکٹھا کرے گا۔

۶.....یوم الحساب (حساب و کتاب کا دن)

إِنِّي عُدْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مَنْ كُلٌّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ-

(المؤمن: ۲۷)

میں تو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں آچکا ہوں ہر (اس) متکبر سے جو حساب کے دن پر یقین نہ رکھے۔

۷.....اليوم الآخر (آخرت کا دن)

وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ مَا هُمْ

بِمُؤْمِنِينَ ۝ (البقرة)

اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ (ہرگز) مؤمن نہیں ہیں۔

۸.....یوم عظیم (بڑا دن)

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (الانعام)

آپ فرمادیجئے کہ بے شک میں (تو) عذاب کے بڑے دن سے ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں (سو یہ کیسے ممکن ہے)۔

۹.....یوم الیم (دردناک دن)

أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۗ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝ (ہود)

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب (کی آمد) کا خوف رکھتا ہوں۔

۱۰.....یوم عصب (سختی کا دن)

سَيَعَاءُ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَمْرًا ۗ وَ قَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ (ہود)

وہ ان کے آنے سے پریشان ہوئے اور ان کے باعث (ان کی) طاقت کمزور پڑ گئی اور کہنے لگے یہ بہت سخت دن ہے۔

۱۱.....یوم محیط (احاطہ کرنے والا دن)

إِنِّي أَرْسَلْتُكُمْ بِخَيْرٍ ۗ وَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ (ہود)

بے شک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف (محسوس) کرتا ہوں جو (تمہارا) احاطہ کرنے والا ہے۔

۱۲.....یوم المجموع (سب کے جمع کئے جانے کا دن)

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ^{۱۳} (ہود: ۱۰۳)

یہ (روزِ قیامت) وہ دن ہے جس کے لئے سب لوگ جمع کئے جائیں گے۔

۱۳..... یوم مشہود (حاضری کا دن)

لَهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ^{۱۴} (ہود)

اور یہی وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔

۱۴..... یوم العذاب (عذاب کا دن)

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ (ابراہیم: ۴۴)

اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جب ان پر عذاب آپہنچے گا۔

۱۵..... یوم الوقت المعلوم (معین وقت کا دن)

قَالَ قَائِلٌ مِّنَ الْمُتَنَبِّئِينَ^{۱۶} اِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ^{۱۷} (الحجر)

اللہ نے فرمایا بے شک تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے، وقت معین کے دن تک۔

۱۶..... یوم الحسرة (حسرت کا دن)

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ (مریم: ۳۹)

اور آپ انہیں حسرت (و ندامت) کے دن سے ڈرائیے جب (ہر) بات کا

فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۱۷..... یوم الصور (صور پھونکے جانے کا دن)

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّورِ (طہ: ۱۰۲)

جس دن صور پھونکا جائے گا۔

۱۸..... یوم عقیم (کفار کے لئے بے برکت دن)

حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَّوْمٍ عَقِيْمٍ^{۱۹} (الحج)

یہاں تک کہ اچانک قیامت ان پر آپہنچے یا اس دن کا عذاب آجائے جس میں

ان کے لئے کوئی خیر و برکت نہ ہو۔

۱۹..... یوم معلوم (مقررہ دن)

لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۵﴾ (الواقعة)

سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ دن کے مقررہ وقت پر۔

۲۰..... یوم الساعة (قیامت کی گھڑی کا دن)

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۱﴾ (الروم)

اور جس دن قیامت برپا ہوگی، مجرم آس توڑ کر رہ جائیں گے۔

۲۱..... یوم الفتح (فیصلے کا دن)

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ

يُنظَرُونَ ﴿۱۱﴾ (السجدة)

آپ فرمادیجئے اس فیصلے کے دن کافروں کا ایمان لانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا

اور نہ اس دن ان کو مہلت دی جائے گی۔

۲۲..... یوم الفصل (فیصلے کا دن)

هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۱۱﴾ (الصفات)

یہی وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۲۳..... یوم التلاق (ملاقات کا دن)

يَلْتَقِي الرُّوحُ مِنْ أَمْرِهَا عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ

التَّلَاقِ ﴿۱۱﴾ (المومن)

وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو)

ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

۲۴..... یوم التناد (پکار کا دن)

وَيَقُومِ اِنَّيَ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۱۱﴾ (المومن)

اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں پکار کے دن کا اندیشہ ہے۔

۲۵.....یوم البطشة الكبرى (سخت گرفت کا دن)

يَوْمَ نَبِّطُشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۗ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿۱۱﴾ (الدخان)

جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم بدلہ لے کر چھوڑیں گے۔

۲۶.....یوم الوعيد (وعید کا دن)

و نُفِخَ فِي الصُّورِ ۗ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ﴿۱۰﴾ (ق)

اور صور پھونکا جائے گا، یہی وعید کا دن ہوگا۔

۲۷.....یوم الخروج (خروج کا دن)

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۱۱﴾ (ق)

یہی نکلنے کا دن ہوگا۔

۲۸.....یوم عسر (سخت دن)

مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۗ يَقُولُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۱۰﴾ (القمر)

اس پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور) کافر کہتے

ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔

۲۹.....یوم التغابن (ہارجیت کا دن)

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابِنِ ۗ (التغابن: ۹)

وہ ہارجیت کا دن ہوگا۔

۳۰.....یوم عسیر (بہت ہی سخت دن)

فَذٰلِكَ يَوْمِئِذٍ يَوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۱۰﴾ (المدثر)

سو وہ دن بڑا ہی سخت دن ہوگا۔

۳۱.....اليوم الحق (حق و صداقت کا دن)

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۗ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ مَا بَا ۗ ﴿۱۰﴾ (النبأ)

یہ دن حق ہے پس جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

۳۲..... اليوم الموعود (وعدے کا دن)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ (البروج)

اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت کو یومِ آخرت کے ساتھ کیوں مختص کیا؟

دنیا کے اندر اگرچہ حقیقتاً ملکیت اللہ ہی کی ہے مگر بظاہر انسان بھی مالک نظر آتا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ انسان بھی ملکیت میں شریک ہے، اس کے برخلاف آخرت میں کہ وہاں تنہا اللہ کا حکم نافذ ہوگا، حقیقت میں بھی اور ظاہر میں بھی، اسی تفرد کی بناء پر مالکیت کی نسبت خاص طور سے یومِ آخرت کی طرف کی۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ ”یوم الدین“ کی تخصیص اس لئے کہ اس دن مخلوق کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہوگا:

إنما خص يوم الدين لأنه ينفرد يومئذ بالحكم في خلقه۔^(۱)

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر روزِ

جزاء کا ذکر کیوں فرمایا جبکہ وہ تو ہر چیز کا مالک ہے؟

دنیا میں تو فرعون نمرود وغیرہ اور ان جیسے دوسرے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بادشاہت کا دعویٰ کرتے تھے مگر روزِ جزا کے دن اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بادشاہت کا دعویٰ کوئی بھی نہیں ہوگا، ہر کوئی اس کے سامنے عاجز ہوگا، اس روز اللہ تعالیٰ پوچھیں گے ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ“ آج کے دن بادشاہت کس کی ہے؟ تو تمام مخلوق جواب دے گی ”لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ اس اللہ کی ہے جو یکتا اور غالب ہے، اسی بناء پر ارشاد فرمایا ”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ اس دن اس کے بغیر نہ کوئی مالک ہوگا، نہ کوئی فیصلہ کرنے والا، اور نہ ہی کوئی بدلہ دینے والا ہوگا، اس کی ذات پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں:

فیقال لم خصص يوم الدين وهو مالك يوم الدين وغيره؟ قيل له: لأن في الدنيا كانوا منازعين في الملك، مثل فرعون ونمرود وغيرهما، وفي ذلك اليوم لا ينازعه أحد في ملكه، وكلهم خضعوا له، كما قال تعالى: لمن الملك اليوم فأجاب جميع الخلق: لله الواحد القهار فلذلك قال: مالك يوم الدين، أي في ذلك اليوم لا يكون مالك ولا قاض ولا مجاز غيرة، سبحانه لا إله إلا هو۔^(۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ یوم کی دین کی طرف اضافت کر کے تخصیص کی، یہ اضافت یا تو عظمت کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ اس دن تمام معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ کے فیصلے نافذ ہوں گے:

وتخصيص اليوم بالإضافة: إما لتعظيمه أو لتفردة تعالى بنفوذ

الأمر فيه۔^(۲)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ ”یوم الدين“ کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے اس دن تمام معاملات میں صرف اللہ کا فیصلہ نافذ ہوگا:

والتخصيص بيوم الدين لأن الأمر فيه لله وحده۔^(۳)

وقوع قیامت سے پہلے روز جزاء کی ملکیت کا کیا مطلب؟

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ سوال یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ”مالک يوم الدين“ کیسے فرمایا حالانکہ قیامت تو ابھی تک قائم نہیں ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”مَالِكٌ“ ”مَلِكٌ يَمْلِكُ“ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل کی

(۱) تفسیر قرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۸

(۲) التفسیر البيضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۴

(۳) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

اضافت کلام عرب میں بعد میں آنے والی چیز کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اور یہ فعل مستقبل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، عربوں کے نزدیک یہ اسلوب بالکل معقول اور صحیح ہے، جیسا کہ کہا جاتا ”ضَارِبُ زَيْدٍ غَدًا“ یہ شخص زید کو کل مارے گا۔ اسی طرح ”حَاجٌّ بَيْتَ اللَّهِ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ“ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی آئندہ سال حج کرے گا۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ فعل کبھی فاعل سے صادر ہونے سے پہلے ہی اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا صدور مستقبل میں ہوگا۔ اسی طرح ”مَالِكٌ يَوْمَ الدِّينِ“ بھی مستقبل کے معنی میں ہے:

إن قال قائل: كيف قال مالك يوم الدين ويوم الدين لم يوجد بعد، فكيف وصف نفسه بملك ما لم يوجد قیل له: اعلم أن مالكا اسم فاعل من ملك يملك، واسم الفاعل في كلام العرب قد يضاف إلى ما بعده وهو بمعنى الفعل المستقبل ويكون ذلك عندهم كلاما سديدا معقولا صحيحا، كقولك: هذا ضارب زيد غدا أي سيضرب زيدا، وكذلك: هذا حاج بيت الله في العام المقبل، تأويله سيحج في العام المقبل، أفلا ترى أن الفعل قد ينسب إليه وهو لم يفعله بعد، وإنما أريد به الاستقبال، فكذلك قوله عز وجل: مالك يوم الدين۔^(۱)

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ نام ذکر کئے ہیں
امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں
اپنے پانچ نام ذکر کئے ہیں۔

۱..... اللہ ۲..... رب ۳..... الرحمن ۴..... الرحیم ۵..... مالک۔

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۷

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں نے تمہیں پیدا کیا، پس میں تمہارا معبود ہوں، پھر میں نے تمہاری تربیت کی، پس میں تمہارا رب ہوں۔ اے بندے! تو نے نافرمانی کی، میں نے تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا، پس میں رحمن ہوں، تو نے توبہ کی میں نے تیرے گناہوں کو معاف کیا، پس میں رحیم ہوں، پھر ضروری ہے کہ تجھے تیرے اعمال کا بدلہ دیا جائے، پس میں روز جزا کا مالک ہوں:

انه تعالى ذكر في هذه السورة من أسماء نفسه خمسة: الله، والرب، والرحمن والرحيم، والمالك۔ والسبب فيه كأنه يقول: خلقتك أولاً فأنا إله۔ ثم رببتك بوجوه النعم فأنا رب، ثم عصيت فسترت عليك فأنا رحمن، ثم تبت فغفرت لك فأنا رحيم، ثم لا بد من إيصال الجزاء إليك فأنا مالك يوم الدين۔^(۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عمدہ حسن سلوک سے ایک مجوسی مسلمان ہو گیا امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک مجوسی کے ذمے کچھ رقم تھی، امام صاحب اس کے مطالبے کے لئے اس کے گھر کی طرف جا رہے تھے، جب دروازے کے قریب پہنچے تو آپ کے جوتے سے معمولی نجاست اٹھ کر مجوسی کی دیوار پر لگ گئی، امام صاحب پریشان ہو گئے کہ اب کیا کیا جائے؟ اگر اس نجاست کو چھوڑ دیا جائے تو دیوار قبیح نظر آئے گی، اور اگر اس کو ہٹایا جائے تو ضرورت سے زائد مٹی گر جائے گی۔ اسی پریشانی کے عالم میں امام صاحب نے مجوسی کے دروازے پر دستک دی، مجوسی یہ سمجھا کہ شاید امام صاحب اپنی رقم کے مطالبے کے لئے آئے ہیں۔ امام صاحب نے پیغام بھیجا کہ اُس سے اہم مسئلہ درپیش آیا، جب مجوسی گھر سے باہر آیا تو امام صاحب نے

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۸

سارا قصہ اس کو سنایا اور فرمایا کہ اب کیسے ممکن ہے کہ اس دیوار کو پہلے کی طرح صاف ستھرا کیا جائے اور نجاست کو ہٹایا جائے؟ مجوسی نے امام صاحب کے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر کہا کہ پہلے میں اپنے آپ کو پاک کرتا ہوں، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا:

روی ان أبا حنيفة كان له على بعض المجوس مال فذهب إلى داره ليطلبه به، فلما وصل إلى باب داره وقع على نعله نجاسة، فنفض نعله فارتفعت النجاسة عن فعله ووقعت على حائط دار المجوسي فتحير أبو حنيفة وقال: إن تركتها كان ذلك سبباً لقبح جدار هذا المجوسي، وإن حككتها انحدر التراب من الحائط، فدق الباب فخرج إليه وظن أنه يطلبه بالمال، فأخذ يعتذر، فقال أبو حنيفة، ههنا ما هو أولى، وذكر قصة الجدار، وأنه كيف السبيل إلى تطهيره فقال المجوسي: فأنا أبدأ بتطهير نفسي فأسلم في الحال، والنكته فيه أن أبا حنيفة لما احترز عن ظلم المجوسي في ذلك القدر القليل من الظلم فلأجل تركه ذلك انتقل المجوسي من الكفر إلى الإيمان-^(۱)

چوبیسویں بحث: عبادت کا لغوی و اصطلاحی معنی

عبادت کی لغوی تحقیق

یہ ”عبد“ سے مشتق ہے اسی سے عبودیت ہے، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی

۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

العبودية إظهار التذلل، والعبادة أبلغ منها لأنها غاية التذلل ولا

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۴

يستحقها إلا من له غاية الإفضال، وهو الله تعالى ولهذا قال: إلا

تعبدوا إلا إياه۔^(۱)

عبودیت، عاجزی اور خشوع و خضوع کے اظہار کو کہتے ہیں اور عبادت کا لفظ اس سے زیادہ بلوغ ہے کیونکہ یہ عاجزی اور فروتنی کی انتہاء کا نام ہے اور اس کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو بلندی اور فضل و کمال کی انتہاء کا مالک ہو اور وہ ہستی صرف باری تعالیٰ کی ہے، اس لئے اس نے ارشاد فرمایا کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

عبادت انتہائی درجہ کا خشوع اور خضوع اور انتہائی ذلت کو ظاہر کرنا۔ اسی مناسبت کی وجہ سے اس راستے کو جو بہت زیادہ استعمال ہو ”طریق معبد“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ معبد کے معنی مذلل کے ہیں یعنی پیروں سے روندنا ہو اور ذلیل کیا ہو اور راستہ، چونکہ عبادت کے معنی انتہائی تذلیل کے ہیں اسی وجہ سے لفظ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے شرعاً اور عقلاً بالکل اس کا استعمال جائز نہیں، اس لئے کہ انتہائی خشوع اور خضوع کی مستحق وہ ذات ہے جو بڑے بڑے انعامات عطا کرنے والی ہے۔ مثلاً وجود و حیات جیسی نعمتوں کا انعام کرنا اور ان انعامات کا منعم صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ لہذا عبادت کی مستحق بھی صرف ذات باری تعالیٰ ہے، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے سجدہ ریز ہونا حرام ہے اس لئے کہ سجدہ کہتے ہیں ”وضع الجبهة والأنف على الأرض“ یعنی پیشانی اور ناک کو زمین پر ٹیک دینا، گویا سجدہ کے اندر اشرف الاعضاء کو زمین پر رکھا جاتا ہے۔ پس اگر غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو تو اشرف الاعضاء کا ارذل اشیاء کے سامنے جھکانا لازم آئے گا جو عقلاً اور شرعاً درست نہیں۔

علامہ زنجیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت کہا جاتا ہے انتہائی درجے کے خشوع اور خضوع کو:

(۱) المفردات فی غریب القرآن: کتاب العین، ص ۲۲۲

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل۔ (۱)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت کہا جاتا ہے انتہائی درجے کے خضوع و خشوع کو:

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل۔ (۲)

امام خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) نے عبادت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

العبادة غاية التذلل من العبد ونهاية التعظيم للرب۔ (۳)

بندے کی طرف سے انتہائی عاجزی اور رب کریم کے لئے انتہائی تعظیم کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت خشوع و خضوع کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، شرعاً اور عقلاً عبادت جائز نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے، اس لئے کہ وہی ذات عبادت کی مستحق ہے کیونکہ اس نے تمام بڑی نعمتیں عطا کیں جن میں حیات و وجود اور ان کے مثل نعمتیں، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ اس میں اشرف الاعضاء (پیشانی) کو اہون الاشياء مٹی پر رکھنا ہے، اور اس مٹی کو قدموں اور جوتوں سے روندنا جاتا ہے، (تو اس حقیر شی پر انسان اپنے جسم کے معزز عضو پیشانی کو رکھتا ہے تب جا کر عبادت ادا ہوتی ہے) اور یہ انتہائی خشوع و خضوع والی کیفیت ہے:

والعبادة أعلى مراتب الخضوع ولا يجوز شرعاً ولا عقلاً فعلها إلا

لله تعالى لأنه المستحق لذلك لكونه مولياً لأعظم النعم من الحياة

والوجود وتوابعهما ولذلك يحرم السجود لغيره سبحانه لأن وضع

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

(۲) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

(۳) تفسیر الخازن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۰

أشرف الأعضاء على أهون الأشياء وهو التراب موطيء الأقدام
والنعال غاية الخضوع۔^(۱)

عبادت کا اصطلاحی معنی

هو فعل اختیاری يكون النفس كلهة له لتحصيل مجرد رضاء الباری۔
یعنی عبادت وہ فعل اختیاری ہے جو خلاف نفس ہو محض ذات باری تعالیٰ کو
حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت عبارت ہے اس فعل سے
جس کو ادا کیا جائے غیر کی تعظیم کی وجہ سے:

العبادة عبارة عن الفعل الذي يؤتى به لغرض تعظيم الغير۔^(۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) عبادت کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ عبادت کمال محبت، خوف خدا، خشوع اور خضوع کے مجموعے کا نام ہے:
وفي الشرع: عبارة عما يجمع كمال المحبة والخضوع والخوف۔^(۳)

عبادت کی جامع تعریف

العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بأن للمعبود سلطة يقدر بها
على النفع والضرر فكل ثناء وتعظيم يصاحبه هذا الاعتقاد
والشعور فهي عبادة۔

یعنی عبادت اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے
جس کی وجہ سے وہ نفع و نقصان پر قادر ہے اس لئے ہر تعریف اور ہر پکار اور ہر
تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد و شعور کے ساتھ ہو وہ عبادت ہے۔

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۶

(۲) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۸

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۸

غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟

غائب سے خطاب کی طرف عدول اس لئے کیا کہ عرب والے عادتاً کلام میں تفنن کو پسند کرتے ہیں، یعنی مختلف اسالیب بیان سے کلام کو تعبیر کرنا اور ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا، اور اس انتقال کے دو فائدے ہیں:

۱..... کلام میں جدت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مقولہ ہے ”کل جدید لذین“

۲..... سامع کو کلام سننے میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔

علامہ جار اللہ زنجیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟ میں کہتا ہوں اسے علم بیان کی اصطلاح میں ”التفات“ کہا جاتا ہے، اور یہ التفات کبھی غائب سے خطاب کی طرف، اور کبھی خطاب سے غائب کی طرف، اور غائب سے تکلم کی:

فإن قلت لم عدل عن لفظ الغيبة إلى لفظ الخطاب قلت هذا

يسمى الالتفات في علم البيان قد يكون من الغيبة إلى الخطاب

ومن الخطاب إلى الغيبة ومن الغيبة إلى التكلم۔^(۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ کلام میں تفنن ہے، ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا کلام میں جدت پیدا کرنے اور سامع کو راغب کرنے کے لئے ہے:

وهي التفنن في الكلام والعدول من أسلوب إلى آخر تطرية له

وتنشيطا للسامع۔^(۲)

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۰

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا معنی

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کے معنی ہیں: اے ہمارے رب! ہم خاص آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے ڈرتے ہیں اور آپ ہی سے امید رکھتے ہیں۔ ”وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا معنی ہے: اے ہمارے رب! ہم اپنے تمام کاموں میں آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں:

عن ابن عباس: إياك نعبد يعني: إياك نوحى ونخاف ونرجو يا

ربنا لا غيرك وإياك نستعين على طاعتك وعلى أمورنا كلها۔^(۱)

علامہ جار اللہ زنجیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم خاص صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں:

والمعنى نخصك بالعبادة ونخصك بطلب المعونة۔^(۲)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جان لیں کہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کا معنی ہے میں آپ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں کرتا۔

واعلم أن قولك إياك نعبد معنا لا اعبد احدا سواك۔^(۳)

عبادت اور استعانت کے ذریعے باطل فرقوں سے نجات

”نَعْبُدُ“ کا مفہوم ہے ہم اطاعت کرتے ہیں۔ عبادت اطاعت اور عاجزی ہی کو کہتے ہیں اور ”طریق معبد“ اس راستے کو کہتے ہیں جسے چلنے کے لئے برابر کیا گیا ہو، یہ امام ہر وی رحمہ اللہ کا قول ہے اور ایک مکلف آدمی جب ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کہتا ہے تو وہ اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور حق عبادت کا اقرار ہوتا ہے، جب کہ بہت سے لوگ اللہ کے سوا بتوں وغیرہ کو بھی پوجتے ہیں۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۸

(۲) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

(۳) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۸

”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا معنی یہ ہے کہ ہم تجھ ہی سے مدد، تائید اور توفیق مانگتے ہیں۔ امام سلمی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”حقائق التفسیر“ میں لکھتے ہیں کہ میں نے محمد بن عبد اللہ بن شاذان سے سنا اور انہوں نے ابو حفص فرغانی سے سنا کہ جس نے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا اقرار کر لیا اس نے جبر و قدر کے (باطل فرقوں کے عقائد) سے نجات پالی۔^(۱)

سورۃ فاتحہ کا لب لباب

انہی پر عبدیت (بندگی) اور توحید کا دار و مدار ہے، اسی بنا پر کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں اتاری ہیں۔ جن کا خلاصہ تورات، انجیل اور زبور میں اور ان تینوں کے معانی قرآن میں یکجا جمع ہیں، اور پھر پورے قرآن کا مضمون مفصل (حجرات تا والناس) میں موجود ہے۔ ان تمام کے معانی سورۃ فاتحہ میں ہیں اور سورۃ فاتحہ کا لب لباب ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ میں آ گیا ہے۔ یہ دونوں کلمے رب اور بندے کے درمیان منقسم (بٹے ہوئے) ہیں۔ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ رب کے لئے ہے اور ”وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ بندے کے لیے۔^(۲)

عبادت کا مفہوم دو بنیادوں پر قائم ہے

۱..... انتہائی عاجزی اور غایت درجہ کی محبت، اہل عرب کا قول ہے ”طریق معبد ای مذلل“ یعنی ذلیل پامال راستہ۔ عبادت میں خضوع (جھکاؤ) کا ہونا لازمی ہے۔ اگر آپ نیکی سے رشتہ محبت بغیر خضوع کے قائم کیا تو اسے عبادت کہیں گے، اس طرح خضوع بلا محبت عبادت نہیں ہو سکتا۔

۲..... مشرکین عرب تو حیدر بوبیت کے قائل تھے لیکن پھر بھی ان کی توحید اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوئی۔ کیوں کہ جب اس کی محبت ہی کا انکار کر دیا، تو پھر اس کی الوہیت کا بھی

(۱) تفسر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۳۵

(۲) مدارج السالکین: فصل سر الخلق والأمر والشرائع، ج ۱ ص ۹۵

انکار ہو گیا۔ اب رب ماننا اور نہ ماننا یکساں ہے۔

استعانت اپنے اندر دو اصولوں کو سمیٹے ہوئے ہے:

۱..... اللہ کی ذات پر بھروسہ اور اطمینان۔ ۲..... اللہ پر اعتماد

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی شخص سے مطمئن تو ہوتا ہے لیکن اپنے معاملات میں اس پر اعتماد کرنے کا اسے موقعہ ہی پیش نہیں آتا۔ بعض اوقات مجبوری کی وجہ سے اسے ایسے شخص پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جو بھروسہ کے لائق نہیں ہے۔ توکل میں ثقہ (بھروسہ، اطمینان) اور اعتماد دونوں داخل ہیں۔ یہی اس آیت کی حقیقت ہے۔^(۱)

”إِيَّاكَ“ مفعول بہ کی تقدیم حصر اور اختصاص کے لئے ہے

نحوی قاعدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو ”إِيَّاكَ“ کو موخر ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ لفظ ”إِيَّاكَ“ ”نَعْبُدُ“ کا مفعول بہ ہے اور ظاہر ہے کہ معمول عامل سے موخر ہوتا ہے لیکن یہاں ”إِيَّاكَ“ کو اس لئے مقدم کیا گیا تاکہ یہ حصر کے معنی پر دلالت کرے، کیونکہ قاعدہ ہے ”تقدیم ما حقه التأخیر یفید الحصر والاختصاص“ نیز ”إِيَّاكَ“ سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں لہذا تعظیم کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ باری تعالیٰ تمام کائنات کا مبداء ہے اور جب مبداء کائنات ہے تو وجود کے اعتبار سے مقدم ہوگا، لہذا ذکر میں بھی مقدم کر دیا گیا تاکہ وجود ذکر کی وجود طبعی کے موافق ہو جائے ”إِيَّاكَ“ کو مقدم کر کے عابد کو اس بات پر تشبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ اولاً اور بالذات نظر معبود پر ہونی چاہئے عبادت پر نہیں، ہاں معبود سے منتقل ہو کر عبادت کی طرف صرف اس حیثیت سے ہونی چاہئے کہ یہ ایک نسبت اور تعلق ہے ہمارے اور معبود کے درمیان اس حیثیت سے ہونی چاہئے کہ وہ ہم سے صادر ہو رہی ہے، اور اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ عارف کو درجہ وصول تک پہنچانا مقصود ہے اور وصول اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جبکہ ذات باری تعالیٰ سے ملاحظہ میں بالکل استغراق

ہو جائے اور اپنی اور دوسروں کی ذات و احوال سے بالکل بے خبر ہو جائے۔
 علامہ جار اللہ زبختری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ مفعول کو مقدم کرنا
 اختصاص اور حصر کی وجہ سے ہے:

تقديم المفعول لقصد الاختصاص۔^(۱)

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ قصر اور
 اختصاص کی وجہ سے ”إِيَّاكَ“ جو مفعول بہ اسے دو مرتبہ مقدم کیا:

تقديم المفعول فيهما لما ذكر من القصر والتخصيص۔^(۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ”إِيَّاكَ“ جو مفعول بہ اسے
 مقدم کیا، اہتمام اور حصر کی وجہ سے اسے مکرر لایا اب معنی ہوگا: ہم عبادت نہیں کرتے مگر
 صرف آپ کی، اور ہم بھروسہ نہیں کرتے مگر صرف آپ پر، یہ کمال اطاعت ہے، دین مکمل
 انہی دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے:

وقدم المفعول وهو إياك، وكرر للاهتمام والحصر، أي: لا نعبد

إلا إياك، ولا نتوكل إلا عليك، وهذا هو كمال الطاعة، والدين

يرجع كله إلى هذين المعنيين۔^(۳)

مفعول کی تقدیم اور فعل کی تاخیر میں حکمت

اگر کوئی کہے کہ فعل سے مفعول پہلے کیوں لایا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفعول کی
 اہمیت واضح کرنے کے لئے ایسا کیا گیا کیوں کہ اہل عرب اہم چیز کو پہلے ذکر کرتے ہیں، کہا
 جاتا ہے کہ ایک دیہاتی نے کسی کو گالی دی تو گالی سننے والے نے کچھ پرواہ نہیں کی۔ اس پر
 گالی دینے والے نے کہا ”إِيَّاكَ عَنِّي“ یعنی میں تجھ ہی کو گالی دیتا ہوں۔ سننے والے نے

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

(۲) تفسیر ابی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۸

جواب دیا: وَعَنْكَ أَعْرَضُ (میں تجھ سے منہ موڑتا ہوں) یہاں دونوں نے اہم بات کو پہلے ذکر کیا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ بندے اور بندگی کا ذکر معبود سے پہلے نہ ہو اس لئے یہ جائز نہیں کہ کوئی ”نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِينُكَ“ یا ”نَعْبُدُ إِيَّاكَ وَنَسْتَعِينُ إِيَّاكَ“ کہے اور فعل کو مفعول پر مقدم کر لے بلکہ یہاں اسلوب قرآن کی پیروی ضروری ہے۔ عجاج شاعر کہتا ہے:

إِيَّاكَ أَدْعُو أَفْتَقِبُّ مُلْقَىٰ وَأَعْفِرُ خَطَايَايَ وَكَثْرَ وِرْقِي
آپ ہی سے دعا کرتا ہوں، میری عاجزی قبول کیجئے اور میرے رزق میں
برکت دیجئے۔ (۱)

پچیسویں بحث: صیغہ ”نعبد“ جمع متکلم ذکر کرنے کی حکمت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ”أَعْبُدُ“ فرماتے تو اس صورت میں معنی ہوتا: میں ہی اللہ کی عبادت کرنے والا ہوں، تو اس میں تکبر کی آمیزش ہوتی اس لئے ”نَعْبُدُ“ فرمایا کہ میں آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں اس میں تواضع ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام عطا کرتے ہیں:

لو قال إياك أعبد لكان ذلك تكبراً ومعناه انى انا العابد اما لما قال

إياك نعبد كان معناه انى واحد من عبيدك، فالأول تكبر،

والثانى تواضع، ومن تواضع لله رفعه الله۔ (۲)

”نعبد“ جمع متکلم ذکر فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ اپنی عبادت کو مؤحدین مؤمنین کی عبادت میں شامل کیا جائے۔ اپنی حاجت کو ان کی حاجت کے ساتھ ملایا جائے تاکہ ان کی

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۴۵

(۲) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ص ۲۱۲

عبادت و حاجت کی برکت سے ہماری بھی عبادت و حاجت قبول ہو جائے۔ وہ اس طور پر کہ جب تمام کی عبادتوں میں اپنی عبادت کو شامل کر کے دربار الہی میں پیش کرے گا یا تو اللہ تعالیٰ سب کو رد فرمائے گا یا سب کو قبول فرمائے گا اور یا بعض کو قبول فرمائے گا اور بعض کو رد کر دے گا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب کو رد کر دے، کیونکہ ان میں اللہ کے ایسے برگزیدہ بندے بھی ہیں جن کی حاجات اور دعاؤں کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور بعض کو رد فرمائیں اور بعض کو قبول فرمائیں یہ بھی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ یہ شانِ رحیمی و کریمی سے بعید ہے کہ اچھوں اور بروں میں امتیاز کر کے صرف نیکو کاروں کی عبادت کو قبول کیا جائے اور گناہ گاروں کی عبادت کو رد کیا جائے، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ بندے کو حکمِ شرعی ہے صفحہ واحدہ کے تحت بائع نے دس کپڑوں کو فروخت کیا اب ان میں سے بعض عیب دار نکلے تو اب مشتری کو یہ حق نہیں کہ عیب دار کو واپس کرے اور صحیح کو اپنے پاس رکھے کیونکہ صفحہ واحدہ کے تحت بیع ہوئی ہے یا تو سب کو خریدے یا سب کو چھوڑ دے۔ تو پھر ذاتِ باری تعالیٰ جو کہ اکرم الاکرمین ہے، جو دو سخا کا خزینہ ہے، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اس طرح امتیاز کی نظر ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اگرچہ وہ قادر اس پر بھی ہے، پس جب دونوں شقیں باطل ہو گئیں تو ساری دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہو گیا، پس جب بندہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وِإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کہتا ہے کہ خدا یا میری عبادت انتہائی ناقص ہے جس طرح عبادت کا حق تھا اس طرح مجھ سے نہ ہو سکی مگر میں نے اپنی عبادت کو تیرے پیارے بندوں کی عبادت میں شامل کر دیا۔ آپ کی شانِ رحیمی سے یہ بات بہت بعید ہے کہ تو ہماری عبادت کے نقص پر نظر ڈالے بلکہ تو ان اولیاء و صالحین کے طفیل ہماری عبادت کو بھی قبول فرما۔ اسی نکتہ کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز کو مشروع کیا گیا تاکہ بندے اکٹھے ہو کر عبادت و دعا کریں اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ قاری (پڑھنے والے) نے

اپنی عبادت کو دوسرے مؤمنین کی عبادتوں کے ساتھ شامل کیا اور اپنی حاجت کو ان کی

حاجت کے ساتھ ملا دیا شاید کہ اس کی عبادت ان کی عبادت کی برکت کی وجہ سے قبول ہو جائے اور ان کی حاجات کے ساتھ اس کی حاجت بھی پوری کر دی جائے، اور اسی حکمت کے پیش نظر نماز باجماعت مشروع ہوئی:

أدرج عبادته في تضاعيف عباداتهم وخلط حاجته بحاجتهم لعلها

تقبل ببركتها ويجاب إليها ولهذا شرعت الجماعة۔^(۱)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بندہ کہتا ہے الہی اگر میری عبادت قبولیت کے لائق نہیں تو آپ میری عبادت کو رد نہ کریں اس لئے کہ اس عبادت میں میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ بہت سارے لوگ اس میں میرے ساتھ شریک ہیں، پس میری عبادت اجابت اور قبولیت کے لائق نہیں تو میں تمام عبادت گزاروں کی عبادت کے سبب آپ کی بارگاہِ صمدیت میں اپنی عبادت پیش کرتا ہوں آپ اسے قبول کریں:

والتقدير كأن العبد يقول: إلهي إن لم تكن عبادتي مقبولة فلا تردني

لأنني لست بوحيد في هذه العبادة بل نحن كثيرون فإن لم استحق

الإجابة والقبول فأتشفع إليك بعبادات سائر المتعبدين فأجبنى۔^(۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ”إِيَّاكَ أَعْبُدُ“ (میں

آپ ہی کی عبادت کرتا ہوں) کہا جاتا تو اس کا معنی ہوتا میں عبادت کرنے والا ہوں، لیکن

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کا معنی ہے میں آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ ان دونوں

عبادتوں کے درمیان فرق کو آپ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے واقعے سے

ملاحظہ فرمائیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بوقت ذبح اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ

السلام سے فرمایا: سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ان شاء الله آپ مجھے صبر کرنے

والوں میں سے پاؤ گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ”سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۶

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۳

صَابِرًا“ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تواضع کی وجہ سے اپنے آپ کو صابریں کی جماعت میں سے ایک فرد کے طور پر ذکر کیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو تنہا صبر کرنے والوں میں ذکر کیا (اس لئے وہ تینوں واقعات جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے تھے) ان پر صبر نہ کر سکے، باوجودیکہ دونوں حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں:

لو قال إياك أعبد لكان ذلك بمعنى أنا العابد ولما قال إياك نعبد
كان المعنى أنى واحد من عبيدك وفرق بين الأمرين كما
يرشدك إليه قوله تعالى حكاية عن الذبيح عليه السلام ستجدنى إن
شاء الله من الصابرين وقوله تعالى حكاية عن موسى ستجدنى إن
شاء الله صابرا فصبر الذبيح لتواضعه بعد نفسه واحدا من جمع ولم
يصبر الكلیم لإفراة نفسه مع أن كلا منهما عليهما السلام۔^(۱)

”نَعْبُدُ“ و ”نَسْتَعِينُ“ کی ضمیر جمع کے مصداق کی تعیین

جمع متکلم کی ضمیر کثرت افراد کے لئے ہے تو اب اس موقع پر کثرت افراد کس طور پر ہوں گے، تو اس کی صورت یہ ہے کہ قاری دو حال سے خالی نہیں یا تو خارجِ صلوة ہوگا یا داخلِ صلوة، اگر خارجِ صلوة ہے تو ضمیر جمع کا مصداق خود متکلم اور تمام موحّدین و مؤمنین ہوں گے، اب مؤمنین کے اندر بشر اور حفاظت کرنے والے فرشتے بھی داخل ہوں گے، اور اگر داخلِ صلوة ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں منفرد ہے یا جماعت کے ساتھ اگر منفرد ہے تو ضمیر جمع کا مصداق خود اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہوں گے، اور اگر جماعت کے ساتھ ہے تو خود اور حاضرین جماعت ہوں گے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”نَعْبُدُ“ صیغہ متکلم سے مراد وہ

متکلم اور تمام فرشتے جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں:

فكان المراد بقوله نعبد هو وجميع الملائكة الذين يعبدون الله۔^(۱)
 قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ”نَعْبُدُ“ اور ”نَسْتَعِينُ“
 میں جو ضمیر متکلم پوشیدہ ہے اس سے خود پڑھنے والا اور فرشتے جو اس پر نگران مقرر ہیں اور
 حاضرین جماعت مراد ہیں:

والضمير المستكن في الفعلين للقارى ومن معه من الحفظة،
 وحاضري صلاة الجماعة۔^(۲)

الضمير في الفعلين للقارى ومن معه من الحفظة وحاضري
 الجماعة۔^(۳)

حمد میں ”لله“ کی تاخیر اور ”إِيَّاكَ“ کی تقدیم میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی خوبیوں پر اس کی
 تعریف کرنا جائز ہے لیکن غیر اللہ کے لئے عبادت کرنا بالکل جائز نہیں ہے، تو ”إِيَّاكَ“ کو
 مقدم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ عبادت غیر اللہ کے لئے بالکل جائز نہیں اسی
 وجہ سے معمول کو عامل پر مقدم کیا جبکہ مدح دوسرے کے لئے جائز ہے اسی وجہ سے وہاں
 معمول کو موخر کیا:

والنكتة أن الحمد لما جاز لغير الله في ظاهر الأمر كما جاز لله، لا
 جرم حسن تقدم الحمد اما ههنا فالعبادة لما لم تجز لغير الله لا
 جرم قدم قوله إياك على نعبد۔^(۴)

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۲

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۶

(۳) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۹

(۴) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۲

معبود کے لئے دو صفات کا ہونا ضروری ہے

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں دو صفتیں ہوں:

۱..... وہ عالم الغیب ہو کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر و باطن سر و علانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔

۲..... وہ مالک و مختار متصرف فی الامور اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنے لیے استحقاق عبادت و پکار کا ذکر فرمایا وہاں انہی دونوں صفتوں کو اس کی علت قرار دیا، اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت اور پکار کی نفی کی ہے وہاں غیر اللہ سے انہی دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے۔^(۱)

عبودیت کا مقام بہت اعلیٰ ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

۱..... اگر عبودیت کا مقام اعلیٰ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے مقام پر عبودیت کے مقام کے ساتھ متصف نہ فرماتے۔

۲..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے جس بات پر تکلم فرمایا وہ ہے ”اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ“ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں، یہی کلمہ ان کی والدہ سے تہمت کے ازالے کا سبب بنا، ہر بھلائی کا کام کرنے کے لئے اور آفات سے بچنے کے لئے یہ کلمہ بمنزلہ مفتاح کے ہے۔

۳..... حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ فرمادیں کہ بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی معبود نہیں پس آپ میری ہی عبادت کریں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد عبودیت کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ توحید اصل ہے اور عبودیت فرع ہے، توحید شجرہ ہے اور عبودیت اس کا ثمرہ ہے، پس یہ آیات عبودیت کے مقام و مرتبے پر

(۱) جواہر القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۸

دلالت کرتی ہیں:

فی شرف العبودیة: قوله تعالى: سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا
ولولا أن العبودیة أشرف المقامات، وإلا لما وصفه الله بهذه الصفة
فی أعلى مقامات المعراج الآیة الثالثة: فی شرف العبودیة: أن
عیسی اول ما نطق قال: إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ و صار ذكره لهذه الكلمة سببا
لطهارة أمه، وبراءة وجوده عن الطعن، و صار مفتاحا لكل
الخیرات، و دافعا لكل الآفات، الآیة الرابعة: قوله تعالى لموسی
عليه السلام إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي أمره بعد التوحید
بالعبودیة، لأن التوحید اصل، و العبودیة فرع، و التوحید شجرة،
و العبودیة ثمرة، فهذه الآیات دالة على شرف العبودیة۔^(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب
پیغمبر کو عبد کے لقب سے انہی موقعوں پر پکارا جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر فرمایا، مثلاً
قرآن پاک کے نزول کے موقع پر، دعوت الی اللہ کے موقع پر، معراج کے موقع پر:

وقد سمي الله رسوله بعبد في أشرف مقاماته الحمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيَّ
عَبْدِيهِ الْكِتَابَ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ
لَيْلًا فسماه عبداً عند إنزاله عليه وقيامه في الدعوة وإسرائه به۔^(۲)

کیا مقامِ عبودیت مقامِ رسالت سے افضل ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ
مقامِ عبودیت مقامِ رسالت سے اعلیٰ ہے کیونکہ عبادت میں نسبت مخلوق سے خالق کی طرف

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۴

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

ہوتی ہے اور رسالت میں نسبت خالق سے مخلوق کی طرف ہوتی ہے:

ومنہم من قال: العبودیۃ اشرف من الرسالة، لأن بالعبودیۃ ینصرف

من الخلق إلى الحق، وبالرسالة ینصرف من الحق إلى الخلق۔^(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض حضرات سے یہ بات نقل کی ہے کہ مقام عبودیت مقام رسالت سے اعلیٰ ہے، یہ قول درست نہیں اور اس کی توجیہ کرنا بھی ضعیف ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، (لیکن تعجب ہے کہ) امام رازی رحمہ اللہ نے اس قول کو نہ ضعیف قرار دیا اور نہ اس کو رد کیا:

وقد حکى فخر الدين فى تفسیره عن بعضهم: أن مقام العبودیۃ

اشرف من مقام الرسالة، وهذا القول خطأ، والتوجیہ أيضاً ضعیف

لا حاصل له، ولم يتعرض له فخر الدين بتضعیف ولا رده۔^(۲)

عابدین کی چار قسمیں ہیں

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

عبادت میں دو باتیں مطلوب ہیں: ۱..... اخلاص ۲..... اتباع

اخلاص سے مراد یہ ہے کہ عابد ایسا موحد ہو کہ شرک سے کوسوں دور ہو، اتباع سے مراد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کامل اطاعت ہو جو بدعات رسم و رواج سے بالکل پاک ہو۔

عابدین کی چار قسم ہیں:

پہلی قسم: وہ عبادت گزار جن میں اخلاص اور اتباع دونوں صفات کامل درجے کی پائی

جائیں جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

دوسری قسم: جن میں نہ اخلاص ہو اور نہ اتباع، جیسے مشرکین، یہود و نصاریٰ۔

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۳

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

تیسری قسم: وہ عابد جن میں اخلاص ہو لیکن اتباع نہ ہو جیسے جاہل عبادت گزار۔
 چوتھی قسم: جو بظاہر متبع ہوں لیکن مخلص نہ ہوں بلکہ ریاکار ہوں جیسے منافقین، یہ لوگ
 قلبی طور پر مؤمن نہیں تھے صرف زبان سے دعویٰ کرتے تھے، پس یہاں ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“
 میں عابدین کی پہلی قسم مطلوب ہے جو مخلص بھی ہوں اور متبع سنت بھی ہوں۔^(۱)

چھبیسویں بحث: عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی

دس اہم وجوہات

۱..... عبادت کو استعانت پر مقدم کر کے اس بات کو بتلانا ہے کہ سائل کو سوال کرنے
 سے پہلے مسؤل عنہ کے پاس کوئی وسیلہ یعنی ایسی چیز جس سے مسؤل عنہ خوش ہو، مثلاً ہدیہ،
 ثناء وغیرہ بھیجنا چاہئے کیونکہ تحفے کو پہلے بھیجنا اپنی مراد کی مقبولیت کے واسطے زیادہ داعی ہے،
 یہاں پر عبادت وسیلہ ہے اور استعانت سوال ہے اور وسیلہ کو سوال پر مقدم کیا جاتا ہے، لہذا
 اسی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا گیا ہے۔

۲..... عبادت اور استعانت سے نہ تو باری تعالیٰ کا معبود ہونا ظاہر کرنا ہے اور نہ
 مستعان ہونا ظاہر کرنا ہے، بلکہ اپنی تذلل اور خاکساری کو ظاہر کرنا ہے، اور صورت اس
 تذلل کی بندے نے یہ اختیار کی کہ عبادت کی نسبت اپنی طرف کر کے اپنے آپ کو عابد اور
 اللہ کو معبود بنایا۔ اب اس سے بندے کے دل میں یہ ایک وہم ہو سکتا تھا کہ میں نے عبادت
 جیسی بڑی چیز کو بارگاہ الہی میں پیش کیا اور اس کی وجہ سے میں بڑے انعام کا مستحق ہو گیا گویا
 اس قسم کا تکبر دل میں آسکتا تھا، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے بعد میں فرمایا ”إِيَّاكَ
 نَسْتَعِينُ“ کہ عبادت بھی ہماری مدد سے ہے، یعنی عبادت بھی بغیر معونت باری تعالیٰ کے
 مکمل نہیں ہو سکتی، پس اسی نکتے کی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا۔

(۱) مدارج السالکین: فصل لا یكون العبد متحققا بإيّاك نعبد إلا بمتابعة الرسول، ج ۱

۳..... عبادت امانت ہے جیسے قرآن کریم میں ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا
وَ أَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۗ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿۷۰﴾ (الاحزاب)

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کا بوجھ اٹھا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔

تو اس مہتمم بالشان عمل کی ادائیگی کے لئے اس کو مقدم کیا گیا۔

۴..... عبادت کے ذریعے جس قدر اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور انسان اللہ کے

قریب ہوتا ہے استعانت میں اس طرح نہیں ہے۔

۵..... عبادت اللہ کو مطلوب ہے جبکہ استعانت بندے کو مطلوب ہے، تو بندے کو

چاہئے کہ اس چیز کو مقدم کرے جو ذات باری تعالیٰ کو مطلوب ہو وہ عبادت ہے۔

۶..... عبادت انسان پر ہمیشہ لازم ہے کبھی اس سے سبکدوشی نہیں ہر حال میں اس کی

ادائیگی ضروری ہے، جیسے نماز کہ کسی صورت میں اس کا چھوڑنا جائز نہیں اگر کھڑے ہو کر نماز

پڑھنے پر قادر نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھے، اور اگر بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ

کر پڑھنے کا حکم ہے۔ لہذا عبادت کی ادائیگی ضروری ہے اور عبادت ہی کی غرض سے اللہ

تعالیٰ نے انسان اور جنات کو پیدا کیا:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۷۰﴾ (الذاریات)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا

کہ وہ میری عبادت کریں۔

۷..... عبادت کی یوم جزاء کے ساتھ خصوصی مناسبت ہے اسی وجہ سے اس کو یوم

الجزاء کے فوراً بعد ذکر کیا، پہلے شرک و بدعت سے خلاصی کے لئے توحید اور عبادت ہے پھر

روح کے لئے استعانت ہے۔

۸..... سالکین کے مقام کی انتہا ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ پر ہوتی ہے اس کے بعد اس پر تمکین طلب کی جاتی ہے ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کے ذریعے۔

۹..... اسلام نے ابتداء عبادت کا حکم دیا ہے استعانت کا حکم بعد الرسوخ ہے۔

۱۰..... عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا تاکہ رؤس آیات کی موافقت ہو جائے۔ رؤس آیات کہتے ہیں آیت کے ان آخری حروف کو جو ایک خاص کیفیت کے ساتھ متصف ہوں، اور یہاں خاص کیفیت آخری حرف سے پہلے یا ساکن ہونا ہے، اگر عبادت کو مؤخر کرتے اور استعانت کو مقدم کرتے تو آیات کے درمیان جو تسلسل اور روانی ہے وہ باقی نہ رہتی اسی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا۔^(۱)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نگاہ میں تقدیم کی وجوہات

سورۃ فاتحہ میں عبادت استعانت پر چند وجوہ کی بناء پر مقدم ہے:

۱..... عبادت اصل غرض و غایت ہے، انسان کی پیدائش ہی اسی مقصد کے لئے ہوئی ہے اور استعانت عبادت کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے یہاں غایت کو وسیلہ پر مقدم رکھا گیا ہے۔

۲..... ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کا تعلق صفت الوہیت سے ہے اور اس کا نام اللہ ہے، اور ”وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا تعلق صفت ربوبیت سے ہے اس کا نام رب ہے۔ کیونکہ ابتدائے سورت میں اللہ رب پر مقدم ہے اس لئے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا گیا۔

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے۔ اس لئے اس کا شمار و اتصال حمد و ثنا کے ساتھ ہی مناسب ہے۔ ”وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ یہ بندے کا حصہ ہے اس بنا پر اس کا ذکر ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ“ کے ساتھ موزوں ہے۔

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۲ ص ۱۱۹ / تفسیر ابی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶ /

التحریر والتنویر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۶

۳..... عبادت مطلقہ (کاملہ) کا مفہوم اپنے اندر استعانت کو بھی لئے ہوئے ہے۔
لیکن استعانت کا مفہوم اس قدر وسیع اور عام نہیں ہے کہ ہر عابد، مستعین (طالب مدد) ہے
لیکن ہر مستعین عابد نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے شہوت پرست اغراض کے بندے اللہ سے
مدد تو طلب کرتے ہیں، لیکن عبادت سے ان کی زندگی خالی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے
عبادت کامل حیثیت رکھتی ہے اور اس وجہ سے اس کو اللہ کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

۴..... استعانت عبادت کا ایک جز ہے اور عبادت کا درجہ کل کے برابر ہے۔

۵..... استعانت کے معنی ہیں اللہ سے طلب کرنا اور عبادت یہ اللہ کی طرف سے

مطالبہ ہے۔

۶..... عبادت کامل کا وقوع صرف مخلصوں ہی سے ہو سکتا ہے۔ باقی رہی استعانت تو

اس میں اخلاص ضروری نہیں اس کا صدور مخلص، غیر مخلص دونوں سے ہو سکتا ہے۔

۷..... عبادت اس کا حق ہے جو اس نے اپنے بندوں پر لازم ٹھہرایا ہے اور استعانت

کے معنی ہیں، عبادت پر مدد طلب کرنا۔ اس کی حیثیت صدقہ و خیرات کی سی ہے ظاہر بات
ہے کہ صدقہ کی طلب سے زیادہ فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔

۸..... عبادت اس کی نعمت پر شکر کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کا شکر ادا کیا

جائے اور استعانت تمہارے اوپر اس کی مہربانی پر توفیق کا نام ہے۔ جب تم اس کی عبودیت
(بندگی) کے پابند اور اس کی غلامی قبول کر لو گے تو پھر وہ عبادت پر تمہاری اعانت کرے گا۔
گویا اس کی عبادت و غلامی اعانت کے حصول کا سبب ہے، اب جس قدر بھی بندہ بندگی میں
مشغول ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی اعانت اس کو شامل حال ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت دو اعانتوں کے درمیان گری ہوئی ہے۔ ایک اعانت

عبادت کی ادائیگی اور پابندی پر اور دوسری اعانت آئندہ کی عبادت پر۔ اسی طرح عبادت
واعانت کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ پیغامِ اجل آپہنچتا۔

عبادت کا تعلق اس کی رضا اور محبت سے ہے اور استعانت کا معاملہ اس کی مشیت کے

ساتھ ہے، یہ سارا جہاں اس کی مشیت کے ماتحت ہے۔ فرشتے، شیاطین، مؤمن، کافر اور ان کی اطاعت و معصیت سب کا تعلق اسی مشیت سے ہے۔ لیکن مؤمنین کے ایمان اور اطاعت کے ساتھ مشیت کے علاوہ اللہ کی محبت و رضا بھی وابستہ ہے اس بنا پر کفار اہل مشیت اور مؤمنین اہم محبت ہوئے۔

مذکورہ لطائف و نکات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کی تقدیم ”وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ پر اپنے اندر کس قدر خوبی اور جمال لئے ہوئے ہے۔^(۱)

”إِيَّاكَ“ کی تقدیم فعل پر

إِيَّاكَ (معبود) کو فعل ”نَعْبُدُ“ اور ”نَسْتَعِينُ“ پر مقدم کرنے کے چند اسباب ہیں:
۱..... باری تعالیٰ کا ادب ملحوظ ہے۔

۲..... اس کی طرف انتہائی توجہ اور تعلق کا اظہار ہے۔

۳..... کلام میں تخصیص پیدا کرنا مقصود ہے۔

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کے معنی ہیں ”لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاكَ“ اسی طرح ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ یعنی ”لَا نَسْتَعِينُ إِلَّا إِيَّاكَ“ (ہم نہیں عبادت کرتے مگر تیری اور ہم نہیں مدد چاہتے مگر تجھ سے)۔ اس قسم کے محاورات سمجھنے کے لئے ذوق عربیت کی ضرورت ہے۔ اگر کسی نے دس غلام آزاد کئے ہوں تو وہ صرف ایک کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ”إِيَّاكَ أَعْتَقْتُ“ (صرف تجھ ہی کو میں نے آزاد کیا ہے۔)

اسی قاعدہ کی روشنی میں ”إِيَّايَ فَاتَّقُونَ“ اور ”إِيَّايَ فَارْهَبُونَ“ میں غور کیجئے ان کے معنی ہیں کہ مجھ ہی سے ڈرو اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ میرے سوا کسی دوسرے کا ڈرو اور تقویٰ نہ رکھو۔

”إِيَّاكَ“ سے اصل ذات اور حقیقت کی طرف اشارہ ہے ”إِيَّاكَ أَحْبَبْتُكَ“ کے

(۱) مدارج السالکین: الفاتحة و اشتمالها علی جمیع معانی القرآن، ج ۱ ص ۵۹، ۶۰

معنی ہیں کہ میں نے تیری ذات ہی کو چاہا۔ یہ بات ”أَحْبَبْتُكَ“ سے نہیں پیدا ہو سکتی، بس یہی فرق ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ اور ”نَعْبُدُكَ“ میں سمجھ لیجیے۔ دوبارہ ”إِيَّاكَ“ لانے سے کلام میں قوت اور زور پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً آپ نے کسی بادشاہ سے کہا:

إِيَّاكَ أَحِبُّ وَإِيَّاكَ أَخَافُ۔

میں تجھ ہی کو چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے ڈرتا ہوں۔

اس اندازِ بیان میں خوف و محبت کا بادشاہ کے ساتھ مخصوص ہونے کا جو زور اور اہتمام

پایا جاتا ہے، وہ آپ کو ”أَحِبُّ إِيَّاكَ“ و ”أَخَافُ إِيَّاكَ“ میں نہیں مل سکتا۔^(۱)

لفظ ”إِيَّاكَ“ کو مکرر کیوں ذکر فرمایا؟

لفظ ”إِيَّاكَ“ کو مکرر اس لئے ذکر فرمایا تاکہ اس بات کی تصریح ہو جائے کہ جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ مستقلاً معبود ہے اسی طرح مستقلاً مستعان بھی ہے، کیونکہ اگر حرفِ واو کے ذریعے ذکر کرتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ معبود اور مستعان کا مجموعہ تو ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر ہے لیکن ہر ایک تنہا تنہا ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر نہیں بلکہ غیر کے اندر بھی پایا جاسکتا ہے، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے لفظ ”إِيَّاكَ“ کو مکرر ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ جس طرح مجموعہ ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر ہے اسی طرح تنہا تنہا عبادت اور استعانت بھی ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر ہے، تو ضمیر کو مکرر لاکر اس بات کی وضاحت کر دی کہ اللہ ہی مستعان ہے:

وكرر الضمير للتنصيص على انه المستعان به لا غير۔^(۲)

وتكرير الضمير المنصوب للتنصيص على تخصيصه تعالى بكل

واحدة من العبادة والإستعانة وإبراز الاستلذاذ بالمناجاة

والخطاب۔^(۳)

(۱) مدارج السالكين: الفاتحة واشتمالها على جميع معاني القرآن، ج ۱ ص ۶۰

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۷

(۳) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ میں حصر حقیقی ہے اور ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“
میں حصر ادعائی ہے

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ میں حصر حقیقی ہے جبکہ ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ میں حصر ادعائی ہے:

فالحصر في إِيَّاكَ نَعْبُدُ حَقِيقِي وَالْقَصْرُ فِي إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ادْعَائِي۔ (۱)

”نَسْتَعِينُ“ کی صرفی تحقیق

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ”نَسْتَعِينُ“ اصل میں ”نَسْتَعُونَ“ تھا واو کی حرکت عین کو منتقل کر دی گئی اور واو کو یاء سے بدل دیا، اس کا مصدر ”استعانة“ ہے:

وَأَصْلُ نَسْتَعِينُ نَسْتَعُونَ، قَلَبْتَ حَرَكَةَ الْوَاوِ إِلَى الْعَيْنِ فَصَارَتْ يَاءً،
وَالْمَصْدَرُ اسْتِعَانَةٌ۔ (۲)

استعانت کا مفہوم

۱..... ما فوق الاسباب ۲..... ما تحت الاسباب

۱..... ما فوق الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ عالم اسباب کی چیزوں سے قطع نظر کر کے اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچے تو وہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوگا، مثلاً اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو زہر دے کر مار دیا یا تلوار یا بندوق سے اسے قتل کر دیا یا دریا میں ڈبو دیا، یا آگ میں جھونک دیا اور وہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ عالم اسباب کے ماتحت ہوا، اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا یا پیاسے کو پانی دے دینا یا بیمار کو دوائی دے دینا اور اس کی بظاہر مایوس کن

(۱) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۶

(۲) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۱

حالت سنور گئی تو یہی کہا جائے گا کہ سلسلہ اسباب و مسببات کے مطابق ہوا ہے، مگر ان تمام تر چیزوں کی عدم موجودگی میں جب کوئی بظاہر سبب نظر نہ آتا ہو اور ہم دیکھیں کہ کسی کو نفع یا نقصان ہو رہا ہے یا ہم اپنی تدبیر کے موافق منافع اور سود مند چیزیں ہی استعمال اور اختیار کرتے ہیں لیکن وہ تمام ہمارے خلاف واقع ہو تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں ایک ایسی زبردست قدرت کا ہاتھ ہے جس کے سامنے کسی کا بس و چارہ نہیں اور یہ معاملہ مافوق الاسباب ہوگا۔

۲..... ماتحت الاسباب استعانت کا جواز شرعی نصوص سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی زندہ کے پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز کی طلب کرے جو عادتاً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں جیسے سورہ مائدہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوَىٰ (المائدة: ۲)

یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

ستائیسویں بحث: استعانت کی پانچ اقسام

حضرت مولانا خیر محمد جالندہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: استعانت کی پانچ صورتیں ہیں۔ دو خالصتاً کفر اور شرک ہیں، اور دو حرام ہیں مگر چوتھی صورت میں کفر کا شبہ قوی ہے اور پانچویں صورت مباح و جائز ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

استعانت کی پہلی اور دوسری صورت کفر اور شرک ہے

۱..... کسی غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر مدد چاہنا۔

۲..... کسی کو قادر بعباء الہی مان کر مستقل بالعرض سمجھ کر مدد چاہنا۔ یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ

خدا تعالیٰ نے اس مخلوق کو ایسی قدرت اور اختیار دیا ہے کہ جو امور طاقت بشریہ سے باہر ہے ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے محروم کر دے،

وہ بعد عطاء الہی کے ان امور میں مستقل اور مختار ہے۔ حق تعالیٰ کے علم و ارادہ کو اب اس میں کچھ دخل نہیں یہ دونوں صورتیں کفر اور شرک ہیں۔ مشرکین عرب بھی ملائکہ اور بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ۗ (الزمر: ۳)

یعنی ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا مقرب

بنادے۔

استعانت کی تیسری اور چوتھی صورت حرام ہے

۳..... عقیدے میں اس غیر کونہ مستقل بالذات سمجھے اور نہ مستقل بالعرض لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا کرے، مثلاً اس کو یا اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کے نام کی نذر مانے۔

۴..... استعانت بالغیر میں اس غیر کے مستقل سمجھنے کا ایہام ہوتا ہو، جیسے روحانیت سے مدد مانگنا اگرچہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو لیکن چونکہ مشرکین ارواح کو فاعل مستقل سمجھ کر مدد مانگتے ہیں اسی لئے ان کے شعار کا اظہار اور تائید ہوگی، یہ دو صورتیں حرام ہیں بلکہ چوتھی صورت کے کفر ہونے کا قوی شبہ ہے۔

استعانت کی پانچویں صورت مباح و جائز ہے

جو امور طاقت بشریہ کے تحت داخل ہوں اور کارخانہ عالم کے اسباب کے ساتھ مربوط و متعلق ہوں اور کسی شخص کو ان کے فاعل مستقل ہونے کا تو ہم بھی نہ ہوتا ہو، خواہ امور عادیہ سے ہوں جیسے روٹی کی امداد سے بھوک رفع کرنا، اور پانی کی امداد سے پیاس رفع کرنا، اور دواء سے مرض کا علاج کرنا وغیرہ، اور خواہ امور شرعیہ سے ہوں جیسے دعا و رقیہ اور تعویذ اور صبر و نماز وغیرہ یہ صورت استعانت کی جائز و مباح ہے۔^(۱)

اس موضوع پر سیر حاصل بحث لئے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ کے رسائل چاند پوری میں رسالہ ”سبیل السداد فی مسئلۃ الاستمداد“ ج ۲ ص ۷۱ سے ۱۱۰ تک کا مطالعہ کریں۔

اٹھائیسویں بحث: اہل بدعت کا استعانت بالغیر پر

استدلال اور اس کا کئی وجوہ سے ابطال

مولوی نعیم الدین مراد آبادی اپنی تفسیر میں ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کے تحت لکھتا ہے کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہر طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ عون الہی کے مظہر ہیں، بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے، اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربان حق کی امداد، امداد الہی ہے استعانت بالغیر نہیں ہے، اگر اس آیت کے وہ معانی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے ہیں تو قرآن پاک ”فَاعِينُونِي بِقُوَّةٍ“ اور ”اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ“ کیوں وارد ہوتا؟ احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی؟ (۱)

یہ تفسیر کئی وجوہ کی بناء پر باطل ہے

۱..... پہلی وجہ تو یہ ہے کہ عربی کا ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں ”نَسْتَعِينُ“ کا مفعول اور معمول ”إِيَّاكَ“ ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے مقدم ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور صفات میں مختص ہو جائے، ابتدائی جملوں میں خود مولوی نعیم الدین نے بھی کافی حد تک اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ مگر اس سے ان کی بریلویت اور بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس سے ان کے

(۱) کنز الایمان: ص ۱، مکتبہ رضویہ کراچی

عقیدے پر ضرب لگتی ہے تو فوراً پینتر ابدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر میں تحریف کر کے اپنے لئے چور دروازہ کھولا ہے۔

۲..... دوسری وجہ یہ ہے کہ مولوی نعیم الدین نے جو تفسیری احتمال ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا بیان کیا ہے وہی احتمال بعینہم ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ میں بھی جاری ہو سکتا ہے، مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز و روزہ یا قربانی وغیرہ ان کے نام کی کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بلا واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں صحیح نہیں؟ اور کس دلیل سے؟ اور اگر یہ غلط ہے تو پھر غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کس طرح صحیح ہے؟ تو جس طرح عبادت غیر اللہ کی باطل ہے اسی طرح ما فوق الاسباب استعانت بھی باطل ہے۔

۳..... تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ اقسام شرک میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے، مثلاً بیمار کی شفاء یا بی اور فقیر کی غناء وغیرہ اور ان کے لئے نذریں مانتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے تھے، اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کر دیا کہ وہ اپنی نماز میں ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ پڑھے اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو، اور دُعا سے یہاں عبادت مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم صرف اس کو پکارو گے پس وہ ہی تمہاری تکلیف کو دور کرے گا۔^(۱)

اس عبارت سے واضح ہوا ہے کہ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے۔ باقی ”فَاعِينُونِي“

بِسْقُوَّةٍ“ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے سد سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر لوگوں کی درخواست سنی کہ یا جوج ماجوج انہیں ستاتے ہیں تو انہوں نے ایک بند قائم کیا تاکہ لوگ یا جوج ماجوج کی تکلیف سے بچ جائیں، اور ان لوگوں نے آپ کے لئے مالی امداد کا بھی کہا تو حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ مجھے مال کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ عطا فرمایا ہے البتہ تم بدنی طور پر میری امداد کرو، ”فَاعِينُونِي بِقُوَّةٍ“ میں وہ امداد نہیں جو شرک و بدعت کے شیدائی کہتے ہیں، اس ظاہری استعانت سے مطلق یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا عوام الناس کو مغالطہ دینا ہے۔

”اِسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ“ سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں حرفِ باء سبب کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ صبر اور صلاۃ کے ذریعے سے استعانت طلب کرو، یہ تو صرف ذریعہ ہے مستعان ہرگز نہیں، مستعان تو صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ جیسا کہ ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، اور وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ“ اور ”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ“ وغیرہ۔ الغرض کتبِ احادیث میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس سے مافوق الاسباب اہل اللہ سے استعانت کا ذکر ہو، اگر اس دعویٰ میں کوئی صداقت ہو تو کوئی ثبوت لایا جائے۔ یہ محض عوام کو دھوکہ دینا ہے۔

اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے اہل علم حضرات محقق العصر امام اہلسنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی تصنیف ”تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین“ صفحہ ۲۲ سے ۳۳ تک مطالعہ فرمائیں۔

انتیسویں بحث: لفظ عبد اور عبادت قرآن کریم میں

تیس (۳۰) طرح سے استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”عبد و عبادت“ قرآن کریم میں تیس (۳۰) مختلف طرح سے استعمال ہوا، اہل علم حضرات کے

استفادہ کے لئے انہیں ذکر کیا جاتا ہے:

- ۱..... مؤمنین اور کفار دونوں کے لئے۔
- ۲..... صرف مؤمنین کے لئے۔
- ۳..... صرف کفار کے لئے۔
- ۴..... غلاموں کے لئے۔
- ۵..... اطاعت گزاروں کے لئے۔
- ۶..... نافرمان مجرمین کے لئے۔
- ۷..... نیکوکار اور پسندیدہ لوگوں کے لئے۔
- ۸..... لوگوں میں سے چُنے ہوئے منتخب اور برگزیدہ بندے جیسے ابراہیم علیہم السلام اور ان کے علاوہ۔

- ۹..... مقرب اور معزز لوگ۔
- ۱۰..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔
- ۱۱..... موسیٰ علیہ السلام کی امت۔
- ۱۲..... متقی اور پرہیزگار لوگ۔
- ۱۳..... جنت والے۔
- ۱۴..... نوح علیہ السلام کی قوم۔
- ۱۵..... انبیاء علیہم السلام۔
- ۱۶..... انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جھگڑنے والے۔
- ۱۷..... ملائکہ (فرشتے)۔
- ۱۸..... مخلص معصوم لوگ۔
- ۱۹..... دشمنوں کے مقابلے میں مدد کئے ہوئے۔
- ۲۰..... علماء۔
- ۲۱..... بشارت کے مستحق لوگ۔
- ۲۲..... مقرب لوگ بوقت وفات اور قیامت کے دن۔
- ۲۳..... نوح علیہ السلام۔
- ۲۴..... حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد۔
- ۲۵..... لوط علیہ السلام۔
- ۲۶..... ایوب علیہ السلام۔
- ۲۷..... طاقت ور اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے حضرت داود علیہ السلام۔
- ۲۸..... نعمت کے شکر کے مقام میں حضرت سلیمان علیہ السلام۔
- ۲۹..... عیسیٰ علیہ السلام۔

۳۰..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے:

وَرَدَّ الْعَبْدُ وَالْعِبَادَةَ فِي الْقُرْآنِ عَلَى ثَلَاثِينَ وَجْهًا:

الأول عام للمؤمن والكافر: وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ، رِزْقًا لِلْعِبَادِ، وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔ خاص بالمؤمنين؛ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ، اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ، قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا۔ خاص بالكفار: يَا حَسْرَةَ عَلَى الْعِبَادِ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ۔ بمعنى المماليك: وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ، وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ۔ بمعنى المطيعين: وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ۔ بمعنى العاصين المجرمين: وَكَفَى بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا، قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ۔ بمعنى الأبرار والأخيار: عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ۔ بمعنى المصطفين والمجتبين من الناس كالأنبياء وغيرهم۔ ثُمَّ أَوْرثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ أهل القربة والكرامة: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ۔ بمعنى أمة النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَبِيٌّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ بمعنى أمة موسى عليه السلام: وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي۔ بمعنى الأتقياء: مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا۔ بمعنى أهل الجنة: جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَانُ عِبَادَهُ۔ بمعنى قوم نوح: إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ۔ بمعنى الأنبياء: وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، يُلْقَى الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ۔ بمعنى المنازعين للأنبياء: وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ۔ بمعنى ملائكة الملكوت: وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَانِ، بَلْ

عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ۔ بمعنی المخلصین المعصومین: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ
لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔ بمعنی المنصورین علی الأعداء: وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ۔ بمعنی العلماء: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ
الْعُلَمَاءُ۔ بمعنی المستحقین للبشری: فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ
الْقَوْلَ۔ بمعنی أهل الخصوص عند الوفاة وיום القيامة: يَا عِبَادِ لَا
خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ بمعنی نوح علیہ السلام: إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا
شَكُورًا۔ بمعنی إبراهيم الخلیل وأولاده: وَادْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ۔ بمعنی لوط: كَانَتْ تَحْتِ عِبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا
صَالِحَيْنِ۔ بمعنی أيوب علیہ السلام: إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نَعْمَ الْعَبْدُ۔
وَادْكُرْ عِبْدَنَا أَيُّوبَ۔ بمعنی داود فی مقام الأوبة والإنابة: وَادْكُرْ
عِبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ بمعنی سليمان فی مقام شكر
النعمه: وَوَهَبْنَا لِداوُودَ سُلَيْمَانَ نَعْمَ الْعَبْدُ۔ بمعنی عيسى علیہ
السلام: قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي - بمعنی سيد
المرسلین: لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ، فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ، سُبْحَانَ
الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ۔^(۱)

آیت کا ما قبل سے ربط

”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ میں بندے نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی، تو اب گویا اللہ تعالیٰ
نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! میں تمہاری کس طرح اعانت و مدد کروں، تو
بندوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ یعنی اے اللہ! ہمیں سیدھی
راہ پر چلا۔ یا یہ کہ ”نَسْتَعِينُ“ میں بہت سارے مقاصد شامل تھے ان میں سے جو مقصود
اعظم تھا اس آیت میں اسے علیحدہ سے بیان کیا گیا:

(۱) بصائر ذوی التمييز فی لطائف الكتاب العزيز: الباب التاسع عشر، ج ۲ ص ۱۱

اهدنا الصراط المستقيم بيان للمعونة المطلوبة فكأنه قال: كيف اعينكم فقالوا: اهدنا، أو أفراد لما هو المقصود الأعظم۔^(۱)

إهدنا بياناً للمطلوب من المعونة كأنه قيل كيف اعينكم فقالوا
إهدنا الصراط المستقيم۔^(۲)

”الصِّرَاطُ“ کو معرفہ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

عربی بلاغت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب موصوف پر الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ موصوف اس صفت کا زیادہ حقدار ہے۔ اسی بنا پر ”جالس فقیہا او عالما“ اور ”جالس الفقیہ او العالم“ دونوں فصاحت کے لحاظ سے یکساں نہیں ہو سکتے۔ یہ ہی فرق ”اکلت طیباً“ اور ”اکلت الطیب“ میں ہے۔ حدیث میں ہے:

أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ۔ آخر میں فرمایا: وَالْجَنَّةُ حَقٌّ
وَالنَّارُ حَقٌّ۔^(۳)

مذکورہ بالا قاعدہ کی روشنی میں اس روایت کے الفاظ میں غور و فکر کریں۔ ایسی اشیاء کے ناموں کے بعد حق پر الف لام نہیں لایا گیا ہے جو غیر قدیم (حادث) ہیں، یعنی جنت اور جہنم۔ لیکن اسم رب، اس کے وعدہ اور کلام کے بعد حق پر الف لام لایا گیا ہے۔

اگر ”إِهْدِنَا صِرَاطاً مُسْتَقِيماً“ کہا جاتا تو یہ معنی ہوتے کہ ایک غیر معین راستہ کی طرف ہدایت کر دے، حالانکہ یہاں وہ معین راستہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لئے بنایا ہے اور اسی راہ پر چل کر انسان اپنے خالق کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ حق وہی دین حق ہے جس کے علاوہ کوئی دین بھی صحیح معنوں میں دین کہلانے کا

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۸

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۲

(۳) صحیح البخاری: کتاب الجمعة، باب التهجید باللیل ... إلخ، ج ۲ ص ۴۸، رقم

مستحق نہیں، یہی دین ہے جس کی معرفت، تصدیق اور تمام غلط راہوں سے اس کی امتیازی شان دل میں سمائی ہوئی ہے۔ اس بنا پر صراط کو یہاں معرفہ لایا گیا ہے۔^(۱)

”صراط“ کا ماخذ اور اس کی لغوی تحقیق

عربی زبان کا محاورہ ہے ”صراط الشیء“ یعنی میں نے اس کو آسانی سے نکل لیا۔ راستہ کو صراط اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ گزرنے والے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ باسانی منتقل کر دیتا ہے، گویا اس کو نکل جاتا ہے۔ صراط اسی راستہ کو کہیں گے جس میں یہ پانچ اوصاف پائے جائیں:

۱..... مستقیم، سیدھا راستہ۔ ۲..... آسان۔ ۳..... آباد، چلتا پھرتا۔ ۴..... کشادہ۔ ۵..... منزل مقصود تک پہنچانے والا۔

ٹیزھے، دشوار گزار اور بند راستہ کو صراط نہیں کہیں گے۔ عربی کلام کے مواقع استعمال پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى صِرَاطٍ إِذَا عَوَجَّ الْمَوَارِدُ مُسْتَقِيمٌ^(۲)

امیر المؤمنین سیدھے راستہ پر ہیں جبکہ دوسری گزرگاہیں کج اور ٹیزھی ہیں۔

”صراط“ بالصاد اصل میں ”سراط“ بالسين تھا کیونکہ اس کا ماضی ”سَـرَط“ سین کے ساتھ آتا ہے مگر سین کو صاد سے بدل دیا، بدلنے کی وجہ یہ ہے طاء حرف مہجورہ مستعلیہ میں سے ہے اور سین مہوسہ مخفضہ میں سے ہے تو گویا دونوں کی صفات متضادہ ہیں، لہذا ان کا جمع ہونا موجب ثقل ہے اس لئے سین کو صاد سے بدل دیا کیونکہ صاد کو طاء اور سین دونوں سے مناسبت حاصل ہے، طاء سے حروف مطبقة ہونے میں اور سین سے مہوسہ

(۱) بدائع التفسیر لابن القیم: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶۷

(۲) بدائع التفسیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶۸

ہونے میں۔ ”سراط“ ”سراط الطعام إذا ابتلعه“ سے ماخوذ ہے یہ اسی وقت بولتے ہیں جب کھانے والا کھانے کو نگل لے:

والسراط: من سراط الطعام إذا ابتلعه فكأنه يسرط السابلة،
ولذلك سمي لقما لأنه يلتقمهم۔ والصراط من قلب السين صادا
ليطابق الطاء في الإطباق۔^(۱)

والسراط الجادة من سراط الشيء إذا ابتلعه كأنه يسرط السابلة إذا
سلكوه والصراط من قلب السين صادا لتجانس الطاء في الإطباق
لأن الصاد والضاد والطاء والظاء من حروف الإطباق۔^(۲)

جمہور علماء کے ہاں لفظ ”صراط“ صاد کے ساتھ ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور حضرات کی قراءت
”صراط“ بالصاد کے ساتھ ہے:

قراءة الجمهور بالصاد۔^(۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صاد والی
قراءت زیادہ فصیح اور وسیع ہے:

وقرأ الجمهور بالصاد وهي عندی أفصح وأوسع۔^(۴)

اللہ تعالیٰ نے لفظ صراط کیوں فرمایا لفظ سبیل یا طریق کیوں نہیں فرمایا؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ صراط فرمایا ”سبیل“ یا
”طریق“ نہیں فرمایا اگرچہ سب کا معنی ایک ہے، (لیکن اس لفظ کے اختیار کرنے میں

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۹

(۲) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۰

(۴) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۳

حکمت یہ ہے کہ) یہ پل صراط کی یاد دہانی کروانا ہے (کہ ہر انسان نے اس سے گزرنا ہے) تو اس سے مزید خوف اور ڈر پیدا ہوتا ہے:

وإنما قال الصراط ولم يقل السبيل ولا الطريق وإن كان الكل واحدا ليكون لفظ الصراط مذكرا لصرراط جهنم فيكون الإنسان على مزيد خوف وخشية- (۱)

وللتذكير بذلك الصراط لم يقل السبيل ولا الطريق وإن كان الكل واحدا- (۲)

تیسویں بحث: ہدایت کا لغوی و اصطلاحی معنی

علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) ہدایت کا لغوی معنی بیان فرماتے ہیں کہ ہدایت لغت میں رہنمائی کرنے کو کہتے ہیں:

والهداية في اللغة الإرشاد- (۳)

علامہ محمد طاہر ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) ہدایت کا اصطلاحی معنی بیان فرماتے ہیں کہ ہدایت شرع کی اصطلاح میں منسوب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف، ہدایت کہتے ہیں کسی کی خیر کے کام کی طرف رہنمائی کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، اور اس ہدایت کا مقابل ضلالت (گمراہی) ہے:

والهداية في اصطلاح الشرع حين تسند إلى الله تعالى هي الدلالة على ما يرضى الله من فعل الخير ويقابلها الضلالة- (۴)

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۹

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۵

(۳) المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶

(۴) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۸

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ہدایت کے معنی لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں اسی وجہ سے یہ لفظ خیر کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے:

والهداية دلالة بلطف ولذلك تستعمل في الخير۔^(۱)

امام ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ ہدایت کے معنی نرمی اور پیار کے ساتھ رہنمائی کرنا جو مقصود تک پہنچائے، اسی وجہ سے اس لفظ کو خیر کے کاموں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے:

الهداية دلالة بلطف على ما يوصل إلى البغية ولذلك اختصت
بالخير۔^(۲)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ نرمی اور پیار کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا اسی وجہ سے اس لفظ کو خیر کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے:

والهداية دلالة بلطف ولذلك تستعمل في الخير۔^(۳)

”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ کی تفسیر

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ”اهْدِنَا“ میں دُعا اور بندہ کا اپنے آقا کی طرف متوجہ ہونے کا اشارہ ہے جس کا معنی ہے کہ ہمیں سیدھی راہ دکھا اور اس کی طرف ہماری رہنمائی فرما، اپنی ہدایت کا وہ راستہ ہمیں دکھا جو تیری محبت اور قرب تک پہنچانے والا ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے دعا کی عظمت اور اس کے انداز کو اس سورت کا موضوع بنایا ہے۔ آدھی سورت حمد و ثنا پر مشتمل ہے اور باقی آدھی طلبِ حاجات پر، جو دعا اس سورت میں سکھائی گئی ہے، اُسے اس دعا سے افضل قرار دیا گیا ہے جو

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۸

(۲) تفسیر ابی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۷

(۳) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۰

بندہ خود مانگتا ہے، کیوں کہ یہ رب العالمین کے کلام پر مشتمل ہے۔ اس طرح آپ رب العالمین سے ایسے الفاظ میں دعا کرتے ہیں جو اس کے اپنے ہیں اور ان سے خود ذاتِ باری تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ۔^(۱)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر شرف و کرامت والی کوئی چیز نہیں۔

اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی ہمیں سنت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ایک قول یہ ہے کہ ”إِهْدِنَا“ کا اصل معنی مائل کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُدًى نَا إِلَيْكَ ۗ (الأعراف: ۱۵۶)

ہم تیری طرف مائل ہوئے۔

اسی سے لفظ ”ہدیۃ“ ہے جس کا معنی تحفہ ہے۔ اس کو بھی ”ہدیۃ“ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت کی طرف جاتا ہے۔ قربانی کے لئے حرم کی طرف ہانکے جانے والے جانور کو ہدی کہتے ہیں۔ اس طرح ”إِهْدِنَا“ کا معنی یہ ہوا کہ ہمارے دل حق کی طرف مائل فرمادے۔^(۲)

کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر و اقسام

ہدایت جو تمام کائنات کو شامل ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں موجود ہے:

أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ۝ (طہ)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش بخشی، پھر اس کی راہنمائی کی۔

(۱) سنن الترمذی: أبواب الدعوات، باب ما جاء في فضل الدعاء، ج ۵ ص ۴۵۵، رقم

الحدیث: ۳۳۷۰

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۷۷

یعنی ہر شے کو ایسی صورت اور ساخت عطا کی کہ ایک دوسرے سے امتیاز ہو گیا، ہر عضو کو مناسب شکل سے آراستہ کیا، ہر موجود کو خاص بناوٹ سے سرفراز فرمایا۔ پھر جن کاموں کے لئے ان کو پیدا کیا تھا ان کی طرف راہنمائی کی، یہ حیوانی ہدایت ہے جس کے ذریعہ سے ہر جاندار اپنے نفع کو حاصل کرتا ہے اور نقصان سے بچتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام حیوانات، نباتات، جمادات اور اعضاء انسانی نعمت ہدایت سے مالا مال ہیں، خواہ بظاہر صورت و نوع کے لحاظ سے کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ قدموں کو چلنے، ہاتھ کو پکڑنے، زبان کو بولنے، کان کو سننے اور آنکھ کو دیکھنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ حیوانات میں سے ہر جوڑا اس فطرتی ہدایت کی بنا پر صنفی تعلق، بقائے نسل اور تربیت اولاد کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بچہ خود بخود اسی ہدایت کی بدولت ماں کی چھاتی سے غذا حاصل کرتا ہے۔ یہ ہدایت کی وہ شکلیں اور قسمیں ہیں، جن کا شمار سوائے اللہ کے اور کون کر سکتا ہے۔

شہد کی مکی کو دیکھیں، کس طرح پہاڑوں درختوں اور مکانوں میں اپنا گھر بناتی ہے اور اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنا پروگرام پورا کرتی ہے۔ اپنی راہ اور روش سے ہٹنا جانتی ہی نہیں۔ پھر غور سے دیکھیں اپنی سردار (ملکہ) کے پورے نظام کی پیروی کرتے ہوئے کس خوبی و کمال سے اپنا مضبوط خوشنما چھتا تعمیر کر لیتی ہے۔

ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر کو جو انسان بھی غور و فکر کی نگاہ سے دیکھے گا وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھتا ہے، عزت و حکمت کا اصل مالک وہی ہے۔ جب آپ نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو بے کار نہیں چھوڑا بلکہ ان کو ایسی ہدایت سے نوازا ہے۔ جس سے خود انسانی عقل اور سمجھ، عاجز و در ماندہ ہے۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان جیسی اشرف المخلوقات ہستی بے کار و مہمل چھوڑ دی جاتی، رب العالمین کی طرف سے کوئی ہدایت نامہ اس کے پاس نہ آتا۔ اس کو اعلیٰ مقصد اور انتہائی کمالات کی راہ نہ بتلائی جاتی اور ثواب و عذاب کے اسباب و تفصیلات سے آگاہ نہ کیا جاتا، ایسا ہونا رب اکبر کی حکمت و عزت کے یکسر منافی ہے۔ اس

لئے اس نے اپنے کلام پاک میں اس عیب سے براءت ظاہر کی ہے اور اس قسم کے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۰﴾ فَتَعَلَىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ
الْحَقُّ (المومنون)

ترجمہ: کیا پھر تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے، وہ سچا بادشاہ اس بات سے بلند ہے۔

اس قسم کے گمان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پاک بتلایا ہے۔ یہ خیال ہی ایسا ہے جس کے بطلان اور فساد سے کسی سلیم الفطرت، صحیح العقل انسان کو انکار ہی نہیں ہو سکتا، یہاں سے عقلی طور پر قیامت کا بھی ثبوت مل گیا۔ جس نے ہمارے اس استدلال کو سمجھ لیا اس کے لئے ذیل کی دو آیتوں میں تناسب، ربط اور تعلق معلوم کرنا مشکل نہیں:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيمٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ ﴿۱۱﴾ مَا
كَرَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿۱۲﴾ (الأنعام)

ترجمہ: اور نہیں ہے کوئی جانور زمین میں اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہو اپنے دونوں بازوؤں کے ساتھ مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ ہم نے کتاب میں سب کچھ درج کر دیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی بارگاہ میں جمع کئے جاؤ گے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ
آيَةً وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ (الأنعام)

اور کافروں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ کہہ دو بے شک اللہ تعالیٰ نشانی کے اتارنے پر قادر ہے لیکن ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

اس مقام پر منکرین نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں حیوانات کا ذکر خاص حکمت رکھتا ہے، اس انداز بیان سے اثبات نبوت کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا۔

جس خالق نے زمین پر چلنے والے فضا میں اڑنے والے جانوروں کو اپنی ہدایت سے محروم نہیں کیا بلکہ ان کو ام (گروہ درگروہ، جماعتی رنگ میں) بنایا اور ان کو مقاصد و مصالح بتلائے، وہ تم کو تمہارے مقاصد و مصالح اور راہ نجات سے کیسے نا آشنا رکھ سکتا ہے۔ یہ ہدایت کی پہلی قسم ہے۔

۲..... خیر و شر، نجات و ہلاک اور ثواب و عذاب کی راہوں کو بندوں پر واضح کر دینا اور ان کو یہ بتلا دینا کہ اس راہ میں تمہاری ابدی فلاح پوشیدہ ہے اور اس کے علاوہ دوسری راہوں میں سوائے ابدی بدبختی اور تباہی سے کچھ نہیں۔ یہ ہدایت منزل مقصود تک پہنچانے والی کامل ہدایت سے کم معنی نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جب یہ ہدایت حاصل ہو تو کامل ہدایت بھی حاصل ہو جائے، مثلاً فرمایا:

وَ اَمَّا شَمُوذُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَلَمْ حَبُّوا الْعَيْ عَلَى الْهُدٰى (حم سجدہ: ۱۷)

ترجمہ: ہم نے (قوم) شمود کو راستہ بتلا دیا لیکن انہوں نے اندھے پن (گمراہی) کو ہدایت کے مقابلے میں پسند کر لیا۔

اور یہی معنی اس آیت کے ہیں:

وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۹۳﴾ (الشوریٰ)

ترجمہ: بے شک آپ لوگوں کو سیدھی راہ بتلاتے ہیں۔

۳..... ہدایت توفیق والہام، یعنی منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ اس ہدایت کے بعد پھر راہ حق سے انسان بھٹک نہیں سکتا۔ مثلاً:

يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ﴿۹۳﴾ (النحل)

ترجمہ: گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔

اور اسی معنی میں یہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مَضِلَّ لَهٗ۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۗ (الأعراف: ۱۸۶)

ترجمہ: جس کو اللہ گمراہ کر دے اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (القصص: ۵۶)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو ہدایت تک نہیں

پہنچا سکتے۔

یہاں ہدایت بمعنی سوم کی نفی کی گئی ہے، اور دوسری آیت میں ہدایت بمعنی دوم آپ کی

طرف منسوب کی گئی ہے۔ فرمایا:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۗ (الشوریٰ)

یہ ہدایت کی چوتھی قسم، تیسری قسم کی اصل غرض و غایت ہے۔ یعنی قیامت کے روز

جنت اور جہنم کی طرف ہدایت، جب کہ مؤمن و کافر، ثواب و عذاب کی طرف ہنکائے

جائیں گے، ذیل کی آیت میں ہدایت اسی معنی میں مستعمل ہے،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ (يونس: ۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، انکارب ان کو ہدایت

کرے گا ان کے ایمان کی وجہ سے۔

اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر کہیں گے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا ۗ (الأعراف: ۴۳)

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے اس (نعمت) کی طرف ہمیں

ہدایت فرمائی۔

اہل جہنم کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ فَأَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ

الْجَحِيمِ ۗ (الصافات)

ترجمہ: ظالموں اور انکے اہل کو جمع کرو۔۔۔ پھر ان کو دوزخ کی راہ بتلا دو۔

سورہ فاتحہ میں ہدایت کے چار مراتب میں سے دوسرا اور تیسرا مراد ہے۔^(۱)

صراط اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں صراط اصل میں اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں۔

۱... مستقیم یعنی سیدھا ہو۔ ۲... موصل الی المقصود ہو یعنی مقصد تک پہنچانے والا ہو۔

۳... سب سے زیادہ قریب اور نزدیک ہو۔ ۴... وسیع اور کشادہ ہو۔ ۵... اور مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو۔

جس راستے میں یہ پانچوں باتیں پائی جائیں اس کو صراط کہتے ہیں، جب تک یہ پانچ باتیں نہ پائی جائیں اس وقت تک اس پر صراط کا اطلاق نہیں ہوگا۔^(۲)

دیاندہ سوتی کا اعتراض اور اس کا جواب

سوال: دیاندہ سوتی نے اعتراض کیا کہ مسلمان ساری زندگی صراطِ مستقیم کی دعا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زندگی بھر سیدھا راستہ نہیں ملتا۔

جواب: یہاں ہدایت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما پھر ہمیں ہمیشہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ، چونکہ دنیا میں ہمیشہ ہدایت پر قائم نہ رہنے کا خطرہ رہتا ہے کہیں انسان راہ حق سے بھٹک نہ جائے، تو اس لئے دوام اور استمرار کے لئے انسان بار بار سوال کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے ہدایت پر قائم و دائم فرما، اس تقریر سے تحصیل حاصل والا شبہ بھی ختم ہو گیا:

إهدنا: ای ثبتنا علی الهدایة التی وهبتنا منا، ونظیرة قوله تعالیٰ:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا أَيِ ثَبَتْنَا عَلَى الْهُدَايَةِ۔^(۳)

(۱) بدائع التفسیر لابن قیم: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۳، ۸۵، ۸۶

(۲) معارف القرآن کا نڈھلوی: سورة فاتحہ، ج ۱ ص ۲۵

(۳) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۹

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی ہے اے اللہ! ہماری ہدایت کو دوام بخش دے کیونکہ انسان کبھی ہدایت پانے کے بعد بھی راستے سے بھٹک جاتا ہے:

ومعناه: ادم هدايتنا، فإن الإنسان قد يهدى إلى الطريق ثم يقطع به (۱)
 علامہ نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس واضح راستے پر ثابت قدم رکھ، جیسے آپ اس شخص سے جو پہلے سے کھڑا ہو کہتے ہو "قُمْ حَتَّىٰ أَعُوذَ إِلَيْكَ" تو کھڑا رہاں تک کہ میں لوٹ کر آؤں، یعنی اس حالت پر جما رہے جس پر تو پہلے سے ہے، یا اس کا معنی ہے اے اللہ! ہمیں مستقبل میں بھی ہدایت پر (ثابت قدم رکھ) جیسے تو نے ہمیں حال (اور ماضی) میں رکھا:

أى ثبتنا على المنهاج الواضح كقولك للقائم قم حتى اعود إليك أى
 أثبت على ما أنت عليه أو اهدنا في الاستقبال كما هديتنا في
 الحال- (۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ مراد اعمال متعینہ کی ثابت قدمی، دوام اور پیشگی ہے:

لأن المراد الثبات والاستمرار والمداومة على الأعمال المعينة
 على ذلك، والله أعلم- (۳)

حصول ہدایت کے لئے چھ امور میں تکمیل ضروری ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے جواب میں کہا کہ یہاں ہدایت سے ثابت قدمی اور پیشگی مراد ہے، لیکن یہ کوئی ٹھوس جواب نہیں ہے اصل

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۳

(۲) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲

بات یہ ہے کہ بندہ ہدایت پا ہی نہیں سکتا جب تک کہ مندرجہ ذیل چھ امور حاصل نہ ہو جائیں، یہ امور وہ ہیں جن سے کوئی بندہ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا :

۱..... ان تمام باتوں کا علم جن سے اللہ ناراض یا خوش ہوتا ہے، تاکہ مرضیاتِ الہی کی طلب اور ممنوعات سے پرہیز ہو سکے۔

۲..... ان تمام کاموں کے کرنے کا پورا عزم رکھے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ان تمام باتوں سے بچنے کا پختہ ارادہ کر لے جن سے اللہ نے روکا ہے۔

۳..... اس عزم و ارادہ کو عملاً جاری رکھے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ ان تینوں امور میں جس قدر کوتاہی ہوگی، اسی قدر ہدایت کاملہ میں کمی ہوگی۔ یہ امور بطور اصول کے ہیں، باقی تین امور گویا تکملہ تہمتہ ہیں۔

۴..... جن باتوں کا علم سرسری طور پر حاصل ہوا ہے، بندہ انکی تفصیلی معرفت کا محتاج ہے۔ ۵..... کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جن کے بعض پہلو روشن ہوتے ہیں اور بعض پہلو

تاریک، بندہ اس بات کا سخت محتاج ہے کہ اس کے سامنے تمام پہلو بے نقاب ہو جائیں۔

۶..... جن مسائل و اعمال کے تمام گوشے تفصیل و وضاحت سے معلوم ہو چکے ہیں، ان پر ثابت قدم اور پابند رہنے کا بندہ محتاج ہے۔

یہ چھ امور وہ ہیں جن کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے۔ ایک ساتواں امر بھی ہے جس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے، یعنی پہلی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ۔ اس تفصیل کے جانے لینے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ بالفعل ہدایت موجود ہے، اس کے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس اعتراض کا یہ جواب کیسے کافی ہو سکتا ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد ثابت قدمی اور مداومت ہے۔ ہاں اگر یہ مذکورہ چھ امور حاصل ہوں تب ہدایت کے سوال کو ثابت قدمی اور دوام کا سوال قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ حال ہے کہ انسان جتنی باتیں جانتا ہے ان سے کہیں زیادہ ایسی باتیں ہیں جن سے وہ واقف نہیں ہے، جن اعمال کا وہ ارادہ کرتا ہے ان سے کہیں زیادہ ایسے اعمال ہیں جن کا وہ نہ ارادہ کر سکتا ہے اور نہ ان کے انجام دینے کا راستہ

پاسکتا ہے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے میں قوت فاعلیہ پیدا کر دے۔ معلوم ہوا کہ اس آیت میں سوال ہمیشہ کے لئے اصل ہدایت ہی کا ہے نہ کہ محض ثابت قدمی کے۔

حقیقت یہ ہے کہ بندہ ان تمام کاموں میں جن کو وہ انجام دیتا ہے یا چھوڑتا ہے، ہدایت ہے اور برابر اسے مزید علم کی ضرورت رہتی ہے اور رہے گی۔ اسی لئے بندہ کے لئے طلب ہدایت سے پڑھ کر کوئی چیز نفع بخش نہیں ہو سکتی۔^(۱)

”إِهْدِنَا“ میں ضمیر جمع لانے میں کیا حکمت ہے؟

بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں انسان کے ہر ہر عضو کے لحاظ سے صیغہ جمع لایا گیا ہے، گویا ہر عضو ہدایت و فلاح کا طالب ہے، لیکن یہ جواب درست نہیں ہے۔ انسان پورے مجموعہ کا نام ہے نہ کہ الگ الگ ہر عضو اور جُز کا۔ جب بندہ ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ“ کہتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی پوری ذات کے لئے مغفرت و رحمت کا طالب ہے، اس وقت اسے اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ میں نے اپنے ہر عضو کے لئے علیحدہ طور پر مغفرت و رحمت طلب کی ہے۔

اصل جواب یہ ہے کہ ”إِهْدِنَا“ میں جمع کا صیغہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ سے مطابقت کے لئے لایا گیا ہے۔

دونوں جگہ جمع کا استعمال خاص حسن و عظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنی بندگی، غلامی اور محتاجی کا اقرار کر رہا ہے اور اپنے مالک سے مدد و ہدایت کا طالب ہے۔ گویا یوں کہہ رہا ہے، ہم صرف تیرے غلام ہیں اور تیری بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی غلام اپنے باؤربا عظمیٰ بادشاہ کے دربار میں عرض کرتا ہے کہ ہم تیرے غلام ہیں، تیرے مملوک ہیں، تیرے تابعدار ہیں، تیرے حکم سے کبھی ہم سرتابی نہ کریں گے، بادشاہ کے نزدیک یہ اندازِ درخواست جو اثر اور وقعت رکھتا ہے، وہ واحد صیغہ لانے کی صورت میں حاصل نہ ہوگا۔ ”اَنَا عَبْدُكَ“ میں تیرا غلام ہوں،

اور ”نَحْنُ عِبَادُكَ“ ہم تیرے غلام ہیں، میں بڑا فرق ہے اور اگر غلام یوں کہہ دے کہ میں تنہا تیرا غلام ہوں تو بادشاہ کے عتاب سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ”نَحْنُ عِبِيدُكَ“ فقرہ بتلا رہا ہے کہ تیرے بندے اور تیرے غلام بہت سے ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں اور ہم سب کے سب تیری غلامی اور نصرت و ہدایت کی طلب میں یکساں شریک ہیں۔

یہاں جمع کا صیغہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے بندوں کی کثرت اور طالبین ہدایت کی فراوانی کو ظاہر کر رہا ہے۔ مفرد صیغہ لانے کی صورت میں یہ فوائد حاصل نہ ہوتے، قرآن مجید کی اکثر دعائیں اسی انداز پر آئی ہیں فرمایا:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرة: ۲۰۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت

میں بھی بھلائی۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ”إِهْدِنَا“ میں جمع متکلم کا صیغہ ذکر کیا ”إِهْدِنِي“ واحد متکلم کیوں ذکر نہیں کیا اس میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ دعا میں جس قدر عموم زیادہ ہوگا تو وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوگی تو ”إِهْدِنَا“ جمع متکلم میں عموم زیادہ ہے بہ نسبت واحد متکلم کے:

لم قال إهدنا ولم يقل إهدني؟ أن الدعاء كلما كان أعم كان إلى

الإجابة أقرب۔ (۲)

صراط مستقیم کی دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کیوں کی جاتی ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کے سامنے مختلف راستے ہوتے ہیں، اب دوست و احباب ایک راستے کی طرف لے جاتے ہیں، اعداء دوسرے راستے کی طرف لے

(۱) بدائع التفسیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۷، ۸۸

(۲) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخاص، ج ۱ ص ۲۱۹

جاتے ہیں، شیطان تیسرے راستے کی طرف کھینچتا ہے، ایک طرف تمام باطل فرقتے اپنی راہ پر لے جاتے ہیں، اب انسان متحیر و پریشان ہو جاتا ہے کہ کس راہ پر جائے، کونسا راستہ منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے، ان راہوں میں کس راہ کا انتخاب کیا جائے؟ جب کہ عمر قلیل ہے، عقل کمزور ہے، تجربہ ناقص ہے، اب اسی پریشانی کے عالم میں انسان کہتا ہے اے میرے رب! تو ہی صراط مستقیم کی طرف میری رہنمائی فرما، اور اس راہ کی طرف جو مجھے جنت کی طرف لے جائے:

كأن الإنسان يقول في الطريق: كثرة الأحباب يجروني إلى طريق، والأعداء إلى طريق ثانٍ، والشيطان إلى طريق ثالث، وكذا القول في الشهوة والغضب والحسد، وكذا القول في التعطيل والتشبيه والجبر والقدر والإرجاء والوعيد والرفض والخروج، والعقل ضعيف، والعمر قصير، والصناعة طويلة، والتجربة خطيرة، وقد تحيرت في الكل فاهدني إلى طريق اخرج منه إلى الجنة۔ (۱)

اكتیسویں بحث: لفظ ہدایت کا استعمال اور ہدایت کی اقسام

لفظ ہدایت ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، مفعول اول کی طرف ہمیشہ بلا واسطہ حرف جر اور مفعول ثانی کی طرف کبھی بواسطہ حرف جر مثلاً:

وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَى دَارِ السَّلَامِ ۗ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

مُسْتَقِيمٍ ۝ (يونس)

وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (الانعام)

اور کبھی بلا واسطہ حرف جر مثلاً:

وَهَدَيْنَاهَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۹﴾ (الصافات)

وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۱﴾ (الفتح)

لیکن استعمال کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں کے معنوں میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں ہدایت کے معنی ارأة الطريق، راہ نمودن یعنی راہ دکھانے کے ہیں۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی ایصال الی المطلوب یعنی منزل مقصود تک پہنچانے کے ہیں۔

”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ میں جمع متکلم کی ضمیر منصوب مفعول اول ہے اور ”الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ مفعول ثانی ہے جو بلا واسطہ حرف جر استعمال ہوا ہے اسی لئے ہدایت کے معنی یہاں ایصال الی المطلوب کے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: چلا ہم کو راہ سیدھی۔

ہدایت کی اقسام

ہدایت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱..... فطری ۲..... کسی

فطری ہدایت تو انسان اور غیر انسان سب کے لئے عام ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ذی روح کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا کی جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ﴿طه﴾

اور اس نے ہر چیز کو صورت عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی

ایک اور مقام میں فرمایا کہ:

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ﴿۱۰﴾ (الاعلیٰ)

وہ جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور رہنمائی فرمائی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے، جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی پستان مادر سے دودھ پینے لگتا ہے، آخر انہیں کون بتاتا ہے کہ یہ ہماری غذا ہے؟ اور اسے حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے؟ یہ رہنمائی صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور ہر ذی روح کی فطرت میں ودیعت ہوتی ہے۔

ہدایت کی دوسری قسم کسی ہے، جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے پھر اس کے چار درجے ہیں:

۱..... انابت: یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا، اور ضد و عناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش و جستجو کرنا، ہدایت صرف انہی لوگوں کو ملتی ہے جن میں انابت الی اللہ اور تلاش حق کا جذبہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و يَهْدِي إِلَىٰ إِلَٰهِهِ مَنِ اتَّبَعَ ۗ (الرعد)

اور دوسری جگہ فرمایا:

اللَّهُ يَهْدِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَىٰ مَن يُنِيبُ ۗ (الشورى)
یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو اس کی طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں۔

۲..... ہدایت: یعنی سیدھی راہ پانا، یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے۔
۳..... استقامت: ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ جب کسی کو ہدایت حاصل ہو جاتی ہے اور اسے صراط مستقیم مل جاتا ہے تو اب وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلتا ہے، اور اس پر قائم رہتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا

و لَا تَحْزَنُوا وَ أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۗ (حم سجدة)

اس آیت میں دوسرے اور تیسرے درجے کا بیان ہے۔ ”قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ“ میں

ہدایت آگئی اور ”ثُمَّ اسْتَقَامُوا“ میں استقامت۔

۴..... ربط القلب: راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ درجہ رسوخ ایمان اور یقین کی پختگی کا سب سے اونچا اور بلند مقام ہے، جب مؤمن کو ایمان و یقین کا یہ درجہ حاصل ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی اور نہ اس کے ایمان اور یقین کو متزلزل کر سکتی ہے، یہ درجہ بہت کم

لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اصحابِ کہف کو یہ درجہ حاصل تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّهُمْ فَتِيَّةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ (الکھف)

اس آیت میں تین درجات کا ذکر ہے ”آمَنُوا بِرَبِّهِمْ“ میں ہدایت کا، ”وَزِدْنَاهُمْ هُدًى“ میں استقامت کا، اور ”وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ“ میں ربط القلب کا ذکر ہے۔ ہدایت کا یہ درجہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَ زَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَ كَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ

الْفُسُوقَ وَ الْعُصْيَانَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الرُّشِدُونَ ۝ (الحجرات)

”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ میں ہدایت کے آخری دو درجے حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ یعنی استقامت اور ربط القلب، کیونکہ انابت اور ہدایت تو پہلے سے حاصل ہو چکی ہے۔^(۱)

لفظِ مستقیم کی صرفی تحقیق

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ”مُسْتَقِيمٌ“ اصل میں ”مُسْتَقِيمٌ“ تھا، واو کا کسرہ ما قبل قاف کو دیا اور پھر کسرہ کی مناسبت سے واو کو یاء سے تبدیل کر دیا:

وأصله مستقوم، نقلت الحركة إلى القاف وانقلبت الواو ياء

لانكسار ما قبلها۔^(۲)

بتیسویں بحث: استقامت کا مفہوم

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب استقامت کے بارے میں پوچھا گیا تو

فرمایا:

(۱) جواہر القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۱۱، ۱۲

(۲) تفسیر القرطبی: سورۃ الفاتحہ، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۳

ان لا تشرك بالله شيئا۔

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، یعنی استقامت خالص تو حید کا نام ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

تستقيم على الأمر والنهي ولا تروغ وروغان الثعالب۔
یعنی امر اور نہی پر ثابت قدم رہو اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر قلابازیاں نہ کھاؤ۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے استقامت کے متعلق فرمایا:

أخلصوا العمل لله۔

یعنی خالص رضاء الہی کے لئے ہر کام کرنا استقامت ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

داوموا الفرائض كلها۔

یعنی تمام فرائض پر دوام اور استمرار کے ساتھ قائم رہنا استقامت ہے۔
ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ استقامت کہا جاتا ہے تمام
مامورات کی ادائیگی ہو اور تمام ممنوعات سے اجتناب ہو، اگر ذرا بھی اوامر و نواہی میں فرق
آگیا تو اوجاج یعنی ٹیڑھا پن آجائے گا جو استقامت کے منافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس فرمان:

قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِيمُ۔

میں اعمالِ قلب، اعمالِ بدن، ایمان، اسلام اور احسان سب آگئے یہی وجہ ہے کہ
صوفیاء کرام نے فرمایا:

الإستقامة خیر من ألف کرامة۔

استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے:

الإستقامة امتثال كل مأمور واجتناب كل محذور فيدخل فيه
أعمال القلوب والأبدان من الإيمان والإسلام والإحسان إذ لا

تحصل الاستقامة مع شيء من الاعوجاج ولذا قالت الصوفية

الاستقامة خير من ألف كرامة- (۱)

استقامت کا حکم انبیاء علیہم السلام اور امت دونوں کو دیا گیا ہے

انبیاء علیہم السلام کو جو استقامت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان باتوں اور احکامات کی تبلیغ کریں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے، اور امت کو جو استقامت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کی اتباع کریں اور دین پر ثابت قدم رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے:

فَأَسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتُ (ہود: ۱۱۲)

فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتُ (شوری: ۱۵)

اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو استقامت کا حکم دیا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

قَالَ قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتِكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعِنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا

يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾ (یونس)

اسی طرح امت کو بھی استقامت کا حکم دیا گیا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ

وَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ۗ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ ﴿۱﴾ (حم سجده)

صراط مستقیم سے روکنے والے پانچ قسم کے افراد ہیں

.....شیطان

قَالَ فِيمَا آغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱﴾ (الاعراف)

کہنے لگا: اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں

کہ ان (انسانوں) کی گھات لگا کر کہ تیرے سیدھے راستے پر بیٹھا ہوں گا۔
 وَجَدْتُمْهَا وَتَوَمَّهَا يُسْجِدُونَ لِلشَّيْطَانِ مِنَ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
 أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷﴾ (النمل)
 میں نے اس عورت اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے
 سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کو یہ سمجھا دیا کہ ان کے اعمال بہت اچھے
 ہیں، چنانچہ اس نے انہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے اور اس طرح وہ ہدایت
 سے اتنے دور ہیں۔

۲..... سادات و کبراء

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا ﴿۱۸﴾ (الاحزاب)
 اور کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں
 اور بڑوں کا کہنا مانا اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔

۳..... احبار السوء و رہبان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُفُّونَ أَمْوَالَ
 النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيُضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴿۱۹﴾ (التوبة: ۳۴)
 اے ایمان والو! (یہودی) احبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے
 ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں اور دوسروں کو اللہ کے
 راستے سے روکتے ہیں۔

۴..... ہر کافر اور ظالم جو راہ حق سے روکے

الَّذِينَ يُضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ
 كُفْرًا ﴿۲۰﴾ (الاعراف)
 جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے تھے،
 اور جو آخرت کا بالکل انکار کرتے تھے۔

۵..... جو اپنے نبی کا مخالف ہو

وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَسْتَعْتَبُونَ فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَىٰ

النَّارِ ۖ (ابراہیم)

اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (اس کی خدائی میں) کچھ شریک بنا لئے تاکہ لوگوں کو اس راستے سے گمراہ کریں، ان سے کہو کہ (تھوڑے سے) مزے اڑا لو، کیونکہ آخر کار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔

صراط مستقیم پر چلنے کا پھل و ثمرہ تین چیزیں ہیں

۱..... التسلیة من الملائكة (ملائکہ کی طرف سے تسلی)

۲..... البشارة بالجنة (جنت کی بشارت)

۳..... الفوز بنعمة الله (اُخروی نعمتوں کی صورت میں کامیابی)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا

وَلَا تَحْزَنُوا وَابْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۖ (حم سجدة)

(دوسری طرف) جن لوگوں نے کہا کہ تمہارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر

ثابت قدم رہے تو ان پر بے شک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اتریں گے: نہ کوئی

خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم

سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الصِّرَاطِ لَاسْقَيْنَهُمْ مَاءً غَدَقًا ۖ (الجن)

اور (اے پیغمبر! اہل مکہ سے کہو کہ مجھ پر) یہ (وحی بھی آئی ہے) کہ: اگر یہ لوگ

راستے پر آکر سیدھے ہو جائیں تو ہم انہیں وافر مقدار میں پانی سے سیراب کریں۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ ۖ (الاحقاف)

یقیناً جن لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف کیا ہے
امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف فرمایا۔ ایک صفت ایجابی اور دوسری صفت سلبی ہے۔

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ میں ایجابی صفت کا ذکر ہے، کہ اے اللہ ہمیں منعم علیہم کی راہ پر چلا ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ میں سلبی صفت کا ذکر کیا کہ مولائے کریم ہمیں ان کی راہ سے بچا جنہوں نے شہوات کا ارتکاب کر کے اپنی قوتِ عملی کو فاسد کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر واجب کر دیا:

أن ذلك الصراط المستقيم وصفه بصفتين اولهما ايجابية،
والأخرى سلبية اما الإيجابية فكون ذلك الصراط صراط الذين
أنعمت الله عليهم واما السلبية فهي ان تكون بخلاف صراط
الذين فسدت قواهم العملية بارتكاب الشهوات حتى استوجبوا
غضب الله عليهم۔^(۱)

آیت کریمہ سے شیخِ کامل کی اقتداء کا ثبوت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آگے ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کو بھی ذکر فرمایا۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی کہ کسی شیخِ کامل کی اقتداء کی جائے جو اپنے مرید کی صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرے:

قال بعضهم: إنه لما قال: اهدنا الصراط المستقيم لم يقتصر عليه،

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۶۴

بل قال: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وهذا يدل على أن المريد لا سبيل له إلى الوصول إلا إذا اقتدى بشيخ يهديه إلى سواء السبيل۔^(۱)

قدریہ، معتزلہ، اور امامیہ کا رد

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قدریہ معتزلہ اور امامیہ کا رد ہے۔ ان کے نزدیک انسان کا ارادہ صدورِ فعل کے لئے کافی ہوتا ہے خواہ وہ اطاعت کا ارادہ کرے یا نافرمانی کا۔ ان کے نزدیک انسان اپنے فعل کا خود خالق ہے اور صدورِ فعل کے لئے اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کی نفی کی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت مانگ رہے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا اور وہ خود ہی نیکی بدی کا انتخاب بھی کر سکتے تو اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے کی ضرورت نہ رہتی، نہ ہی وہ ہر نماز میں اس سوال کو دہراتے۔ یہی حال ناپسندیدہ راستے سے بچنے کے لئے ان کے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے کا ہے، یہ ناپسندیدہ راستہ وہی ہے جو ہدایت کے برعکس ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

“صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۖ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝”

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، نہ ان کا جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کا۔

تو انہوں نے جس طرح ہدایت مانگی اسی طرح گمراہی سے بچنے کی دعا بھی کی۔ اسی طرح وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں:

رَبَّنَا لَا تُؤْخِرْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران: ۸)

ترجمہ: اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر:

وفى هذه الآية رد على القدرية والمعتزلة والامامية، لأنهم يعتقدون أن إرادة الإنسان كافية في صدور أفعاله منه، طاعة كانت أو معصية، لأن الإنسان عندهم خالق لأفعاله فهو غير محتاج في صدورها عنه إلى ربه، وقد أكذبهم الله تعالى في هذه الآية إذ سألوها الهداية إلى الصراط المستقيم، فلو كان الأمر إليهم والاختيار بيدهم دون ربهم لما سألوها الهداية، ولا كرروا السؤال في كل صلاة، وكذلك تضرعهم إليه في دفع المكروه، وهو ما يناقض الهداية... الخ. (۱)

تینتیسویں بحث: صراطِ مستقیم کا مصداق

۱..... علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے اس پر کہ صراطِ مستقیم سے مراد وہ واضح راستہ ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو:

فقال الإمام أبو جعفر بن جرير: أجمعت الأمة من أهل التأويل جميعاً على أن الصراط المستقيم هو الطريق الواضح الذي لا اعوجاج فيه۔ (۲)

۲..... علامہ جبار اللہ زنجشیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ مراد صراطِ مستقیم سے حق راستہ ہے، اور یہ ملتِ اسلام ہے:

والمراد طريق الحق وهو ملة الإسلام۔ (۳)

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ مراد اس سے حق راستہ ہے اور یہ ملتِ حنفیہ ہے جو بالکل واضح اور افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے:

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۴

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۰ (۳) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۸

والمراد به طريق الحق وهي الملة الحنفية السمحة المتوسطة بين

الإفراط والتفريط۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم ہر قسم کے اخلاق و اعمال میں افراط و تفريط کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ساتھ مؤکد کیا کہ ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا:

الصراط المستقيم هو الوسط بين طرفي الإفراط والتفريط في

كل الأخلاق وفي كل الأعمال وأكد ذلك بقوله تعالى وكذلك

جعلناكم أمة وسطا۔ (۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) صراط مستقیم کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد آخر میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال صحیح ہیں، اور ان کے درمیان تلازم ہے، پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کی تو تحقیق اس نے حق کی اتباع کی، اور جس نے حق کی اتباع کی پس اس نے دین اسلام کی اتباع کی، اور جس نے دین اسلام کی اتباع کی اس نے تحقیق قرآن کی اتباع کی، اور یہ اللہ کی کتاب ہے اور یہ مضبوط رسی ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے، پس یہ تمام اقوال صحیح ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں:

وكل هذه الأقوال صحيحة وهي متلازمة، فإن من اتبع النبي صلى

الله عليه وسلم واقتدى باللذنين من بعده أبي بكر وعمر، فقد

اتبع الحق، ومن اتبع الحق فقد اتبع الإسلام، ومن اتبع الإسلام

فقد اتبع القرآن، وهو كتاب الله وحبله المتين، وصراطه

المستقيم، فكلها صحيحة يصدق بعضها بعضا، والله الحمد۔ (۳)

(۱) تفسیر ابی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۵

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲

صراطِ مستقیم کی تفسیر اسلام اور قرآن سے کرنا درست نہیں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے کہا: صراطِ مستقیم سے مراد دین اسلام ہے، بعض حضرات نے کہا اس سے مراد قرآن ہے، لیکن یہ دونوں تفسیریں درست نہیں، اس لئے کہ ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ یہ بدل ہے ”الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ“ سے، اور جب بات اس طرح ہے تو اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جو پہلے گزر گئے ہیں اور تو نے ان پر انعام کیا ہے، اور جو امتیں پہلے گزر گئی ہیں ان کے پاس نہ قرآن تھا نہ دین اسلام۔ جب یہ بات باطل ہوگئی تو ثابت ہوا کہ مراد صراطِ مستقیم سے وہ راستہ ہے جو حق ہے اور اس پر چلنے والے جنت کے مستحقین ہیں:

قال بعضهم: الصراط المستقيم: الإسلام، وقال بعضهم: القرآن، وهذا لا يصح؛ لأن قوله صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بدل من الصراط المستقيم، وإذا كان كذلك كان التقدير إِهْدِنَا صِرَاطَ مَنْ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْمُتَّقِدِّمِينَ، ومن تقدمنا من الأمم ما كان لهم القرآن والإسلام، وإذا بطل ذلك ثبت أن المراد إهدنا صراط المحققين المستحقين للجنة۔^(۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دین اسلام ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ان دونوں پر رد کیا ہے، اس طور پر کہ ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ یہ دلالت کرتا ہے صراطِ مستقیم پر، یہ وہ لوگ ہیں جو پہلی امتوں میں گزرے ہیں، اور ان لوگوں کے پاس نہ قرآن تھا نہ دین اسلام (کیونکہ قرآن اور دین اسلام اسی امت محمدیہ کو ملا ہے):

وقيل ملة الإسلام وقيل القرآن وردهما الرازي قدس سره بأن قوله

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲

تعالیٰ صراط الذین انعمت علیہم یدل علی الصراط المستقیم
وہم المتقدمون من الأمم وما کان لہم القرآن والإسلام۔^(۱)

صراط کے ساتھ مستقیم کی قید کیوں ذکر کی؟

اس جگہ صراط کی صفت مستقیم ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سب سے قریبی راستہ یہی ہے، اس لئے اقلیدس کا قاعدہ ہے کہ جب دو نقطوں میں مختلف اور متعدد خطوط ملائے جائیں تو تمام خطوط میں سب سے قریب اور سب سے چھوٹا خط ہی خط مستقیم ہوگا، اور یہ سیدھا منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، نیز صراط مستقیم متغیر نہیں ہوتا جب کہ غیر مستقیم متغیر ہو جاتا ہے، اور اس ایک راستے کا تمام عالم کے مرور اور عبور کے لئے کافی ہونا اس کے وسیع ہونے کی دلیل ہے، اور خدا تک پہنچنے کے لئے یہی ایک راستہ ہے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں:

وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۗ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

سَبِيْلِهِ ۗ ذٰلِكُمْ وَصَّوْا بِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰﴾ (الانعام)

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا اس کے پیچھے

چلو اور دوسروں کے راستے کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے

الگ کر دیں گے، لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہیں تاکہ تم متقی بنو۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے راہ مستقیم اور راہ اعوجاج میں چار فرق ذکر

کئے ہیں:

۱..... تمام خطوط میں زیادہ قریب اور مختصر (طریق یہ ہے) بندہ کہتا ہے اے اللہ! میں

عاجز ہوں، پس میری کمزوری اور ضعف کے لائق نہیں ہے مگر ایسا راستہ جو بالکل سیدھا ہو۔

۲..... سیدھا راستہ ایک ہے، اس کے علاوہ جو راستے ہیں وہ ٹیڑھے ہیں بعض ان میں

سے دیگر بعض کے ساتھ اپنے اعوجاج (ٹیڑھے پن) کی وجہ سے مشابہ ہو گئے، پس صحیح

راستہ (انسان پر) مشتبہ ہو گیا، لیکن صراط مستقیم بالکل سیدھا راستہ ہے جو کسی اور راستے کے بالکل مشابہ نہیں ہے، اور (رہزنوں) کے خوف اور آفات سے کوسوں دور ہے، اور امن و امان (اور بے خوف) ہونے کے نہایت قریب ہے۔

۳..... صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، اور دیگر ٹیڑھے راستے منزل مقصود تک نہیں پہنچاتے۔

۴..... مستقیم بالکل سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اور دیگر راستوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے، پس اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کا سوال کیا جاتا ہے:

فكان العبد يقول: إهدنا الصراط المستقيم لوجوه: الأول: أنه أقرب الخطوط وأقصرها، وأنا عاجز فلا يليق بضعفى إلا الطريق المستقيم، الثانى: أن المستقيم واحد وما عداه معوجة وبعضها يشبه بعضها فى الإعوجاج فيشبهه الطريق على، أما المستقيم فلا يشابهه غيره فكان أبعد عن الخوف والآفات وأقرب إلى الأمان، الثالث: الطريق المستقيم يوصل إلى المقصود، والمعوج لا يوصل إليه، الرابع: المستقيم لا يتغير، والمعوج يتغير، فلهذه الأسباب سأل الصراط المستقيم، والله أعلم۔^(۱)

چونتیسویں بحث: لفظ استقامت قرآن کریم میں چار

طرح سے استعمال ہوا ہے

علامہ مجدد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے

ہیں کہ لفظ استقامت قرآن و سنت میں چار طرح سے استعمال ہوا ہے:

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۲۰

۱..... پیغام پہنچانا ۲..... دُعا اور دعوت ۳..... نیکی کے کاموں کی طرف متوجہ ہونا
۴..... توحید اور شہادت پر ثابت قدم رہنا:

وقد ورد في التنزيل والسنة على أربعة أوجه: الأول: بمعنى تبليغ
الرسالة: فَاسْتَقِيمْ كَمَا أُمِرْتَ وَكَذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِيمْ، الثاني: بمعنى
الدعاء، والدعوة: قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ فَاسْتَقِيمُوا، الثالث: بمعنى
الإقبال على الطاعة: اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا، الرابع: بمعنى الثبات
على التوحيد والشهادة: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا- (۱)

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کی ترکیب

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ ترکیب میں ما قبل کے ”الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ“ سے
بدل الکل ہے۔

بدل الکل کی تعریف

بدل الکل اس تابع کو کہتے ہیں جو مقصود بالنسبت ہو اور اس کا مفہوم بعینہ متبوع کا
مفہوم ہو۔

بدل الکل کا حکم

یہ حکم میں تکرارِ عامل کے ہوتا ہے۔

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ
”صراط مستقیم“ سے بدل واقع ہے اور یہ حکم میں تکرارِ عامل کے ہوتا ہے:

بدل من الصراط وهو في حكم تكرير العامل- (۲)

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الكتاب العزیز: الباب الثانی، ج ۲ ص ۱۴۶

(۲) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ یہ اس سے پہلے ”الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ سے بدل الکل واقع ہے جو تکرارِ عامل کے حکم میں ہوتا ہے، اس حیثیت سے کہ یہی مقصود بالنسبت ہوتا ہے:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بَدَلٌ مِنَ الْأَوَّلِ بَدَلِ كَلٍّ، وَهُوَ فِي حَكْمِ تَكْرِيرِ الْعَامِلِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ الْمَقْصُودُ بِالنِّسْبَةِ۔^(۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰) فرماتے ہیں کہ ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ یہ اس سے پہلے ”الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ سے بدل الکل من الکل واقع ہے:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بَدَلٌ مِنَ الصِّرَاطِ الْأَوَّلِ بَدَلِ كَلٍّ
مِنَ الْكَلِّ۔^(۲)

بدل بنانے کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کیوں نہیں فرمایا حالانکہ اس میں اختصار بھی تھا؟

جواب: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ کو بدل بنا کر ذکر کرنے کے دو فوائد ہیں۔
۱... تاکید ۲... تنصیص

پہلا فائدہ: تاکید اس طور پر کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے یعنی جس فعل کی نسبت اس کے متبوع کی طرف کی گئی ہے مقصود اس کی طرف کرنا نہیں بلکہ مقصود بدل کی طرف کرنا ہے، جب بدل مقصود بالنسبت ہو تو تقاضا بدل کا یہ ہوا کہ براہِ راست فعل کو مکرر لایا جائے، اور جب فعل مکرر ہوگا تو تاکید کا معنی حاصل ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ: تنصیص ہے یعنی اس بات کو صراحتاً بیان کرنا ہے کہ مؤمنین ہی کا راستہ

(۱) تفسیر ابی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۶

مشہود بالاستقامت ہے، اور تصریح بلیغانہ انداز میں ہے، بایں طور کہ مبدل منہ کبھی مبہم ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ بدل زیادہ واضح اور معروف و مشہور ہو، تو صراط مستقیم کے اندر خفاء تھا ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کو لا کر اس کے خفاء کو دور کر دیا کہ طریق مؤمنین ہی طریق مستقیم ہے:

وفائده التأكيد والتنصيص على أن طريق الذين أنعم الله عليهم وهم المسلمون هو العلم في الاستقامة والمشهود له بالاستواء بحيث لا يذهب الوهم عند ذكر الطريق المستقيم إلا إليه۔^(۱)

وفائدة الإبدال تأكيد النسبة بناء على أن البدل في حكم تكرير العامل والأشعار بأن الصراط المستقيم بيانه وتفسيره صراط المسلمين فيكون ذلك شهادة لإستقامة صراطهم على أبلغ وجه وأكدہ۔^(۲)

پینتیسویں بحث: انعام کی تعریف نیز انعام کو مطلق

کیوں ذکر کیا؟

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ انعام کہتے ہیں غیر کی طرف احسان کرنے کو، اور یہ صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ انسان اپنی ہی جنس کے دوسرے انسان پر احسان کرے، اور ”أَنْعَمَ فَلَانٌ عَلَى فَرَسِهِ“ کہ فلاں نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا یہ جملہ درست نہیں ہے (اس لئے کہ گھوڑا انسان کی جنس میں سے نہیں ہے)

الإنعام إيصال الإحسان إلى الغير، ولا يقال إلا إذا كان الموصل

إليه من جنس الناطقين فإنه لا يقال أنعم فلان على فرسه۔ قال

تعالى: أنعمت عليهم وإذ تقول للذي أنعم الله عليه۔^(۳)

(۱) تفسیر ابي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۶

(۳) المفردات فی غریب القرآن: کتاب النون، نعم، ص ۵۰۱

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ انعام نعمت پہنچانے کا نام ہے، اور نعمت دراصل وہ کیفیت ہے جسے انسان لذیذ پاتا ہے:

والإنعام: إيصال النعمة وهي في الأصل الحالة التي يستلذها

الإنسان۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ انعام کہتے ہیں عقلاء میں سے کسی کی طرف احسان کرنے کو، جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا، پس یہ جملہ ”أَنْعَمَ فَلَانٌ عَلَيَّ فَرَسِهِ“ درست نہیں ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نعمت ایک انسان کا دوسرے کو بغیر کسی غرض کے نفع پہنچانا ہے:

والإنعام إيصال الإحسان إلى الغير من العقلاء كما قاله الراغب فلا

يقال أنعم علي فرسه ولذا قيل إن النعمة نفع الإنسان من دونه

لغير غرض۔ (۲)

انعام کو مطلق ذکر کیوں کیا؟

”أَنْعَمْتُ“ میں انعام کو مطلق اس لئے ذکر کیا تا کہ یہ اپنے عموم پر باقی رہے اور اللہ کی تمام نعمتوں کو شامل ہو، اس لئے کہ اگر تخصیص کرتے تو نعمت ایک خاص فرد میں منحصر ہو جاتی، اسی وجہ سے اس کو مطلق ذکر کیا تا کہ یہ اپنے عموم کی وجہ سے سب کو شامل ہو۔

علامہ جار اللہ زنجیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے ”أَنْعَمْتُ“ میں) انعام کو مطلق ذکر کیا ہے تا کہ یہ تمام انعامات کو شامل ہو جائے، اس لئے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں انعام کیا تو اب کوئی نعمت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ اس کو پہنچ گئی:

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۰

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۷

وأطلق الإنعام ليشمل كل إنعام لأن من انعم عليه بنعمة الاسلام

لم تبق نعمة الا أصابته۔ (۱)

خطیب شربنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے ”أُنْعِمْتَ“ میں) انعام کو مطلق ذکر کیا ہے تاکہ یہ تمام انعامات کو شامل ہو جائے اس لئے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں انعام کیا تو اب کوئی نعمت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ اس کو پہنچ گئی:

أطلق الإنعام ليشمل كل إنعام لأن من انعم الله عليه بنعمة

الإسلام لم تبق نعمة إلا أصابته۔ (۲)

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انعام کو مطلق ذکر کیا تاکہ یہ تمام انعامات کو شامل ہو جائے:

وأطلق الإنعام ليشمل كل إنعام۔ (۳)

چھتیسویں بحث: انعام میں نسبت اللہ کی طرف ہے

جبکہ غضب اور ضلالت میں نسبت اللہ کی طرف نہیں کی

گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

آداب میں سے ہے کہ خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے اور شر کی نسبت اللہ کی طرف نہ کی جائے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام خیر کے کاموں کی نسبت اللہ کی طرف کی، کہ میرا رب وہ جس نے مجھے پیدا کیا، اور راہ حق کی طرف میری رہنمائی کی، وہی مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے لیکن آگے فرمایا: جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو میرا رب

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۸ (۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲

(۳) فتح القدير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۴

مجھے شفاء دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی جبکہ شفاء کی نسبت اللہ کی طرف کی۔ اسی طرح جنات نے جب قرآن سنا تو انہوں نے خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی لیکن شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ تو اسی طرح اس آیت میں بھی ”أَنْعَمْتَ“ میں خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی، جب کہ غضب اور ضلالت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔

علامہ صابونی نے اصول نقل کیا ہے کہ ”الخير كله بيدك والشر لا ينسب إليك“ خیر سب کی سب آپ کی طرف سے ہے، اور شر کی نسبت آپ کی طرف نہیں کی جائے گی۔

قرآن کریم کا یہ معلوم و معروف انداز بیان ہے کہ خیر و احسان اور جو دو کرم کے افعال کو صراحتاً براہ راست اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور جزا اور انتقام کے افعال کے لئے فاعل کو ذکر کئے بغیر صیغہ مجہول لاتا ہے، ادب و احترام کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہی اسلوب اس آیت میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ فعل انعام کی نسبت صراحتاً اللہ کی طرف کی گئی ہے اور غضب کے بیان میں فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا۔ چند قرآنی شواہد ملاحظہ ہوں:

..... حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ

فَهُوَ يَشْفِينِي ۝ (الشعراء)

ترجمہ: وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو ہدایت دیتا ہے اور وہی ہے

جو مجھے کھلاتا ہے اور سیراب کرتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔

ان آیات میں پیدا کرنے اور ہدایت دینے اور کھلانے پلانے کی نسبت حضرت خلیل

علیہ السلام نے اللہ کی طرف کی ہے، اور بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا۔ ”مَرِضْتُ“ کہا

”أَمْرَضَنِي“ نہیں کہا یعنی وہ مجھ کو بیمار کرتا ہے۔

مؤمنین جنات کا قول قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

وَ أَنَا لَا نَدْرِي أَشْرُّ أَمْ أَرْحَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ

رَشْدًا ۗ (الجن)

ترجمہ: اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ شرکا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی چاہی ہے۔

یہاں ارادہ رشد (بھلائی) کے فاعل کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے، لیکن ارادہ شرکی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔

۳..... حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

فَأَرَادْتُ أَنْ أَعْيِبَهَا (الكهف: ۷۹)

ترجمہ: میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار بنا دوں۔

یہاں کشتی کو عیب دار کرنے کی خواہش کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن آگے چل کر یتیم بچوں کے قصہ میں فعل خیر کے ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے:

فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزُهُمَا ۗ رَحْمَةً مِّنْ

رَبِّكَ ۗ (الكهف: ۸۲)

ترجمہ: پھر تیرے رب نے چاہا کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، تیرے رب کی رحمت کی بنا پر ایسا ہوا۔

۴..... أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۗ (البقرة: ۱۸۷)

ترجمہ: تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔

”أُحِلَّ“ بصیغہ مجہول اس لئے لایا گیا ہے کہ رفث (جماع) کے ساتھ فاعل کی تصریح

مناسب نہ تھی۔ لیکن أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَوَّمَهُ - (البقرة: ۲۷۵) یہاں اس قسم کی قباحت نہ

تھی۔ (۱)

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ غضب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی جس طرح کہ انعام کی نسبت کی گئی ہے، یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آداب بیان کئے ہیں ان میں انعامات اور بھلائیوں کی نسبت اللہ کی طرف ہے جبکہ ان کی اضرار کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: (میرا رب وہ ہے) جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، (جب جنات نے کہا) ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ آیازمین والوں سے کوئی برا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے پروردگار نے ان کو راہِ راست دکھانے کا ارادہ فرمایا ہے:

والعدول عن إسناد الغضب إليه تعالى كالإنعام جري على منهاج
الآداب التنزيلية في نسبة النعم والخيرات إليه عز وجل دون
إضرارها كما في قوله تعالى الذي خلقني فهو يهدين والذي هو
يطعمني ويسقني وإذا مرضت فهو يشفين وقوله تعالى وإنا لا

ندري أشر أريد بمن في الأرض أم أراد بهم ربهم رشدا۔^(۱)

علامہ محمد علی صابونی فرماتے ہیں کہ ”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ میں نعمت کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے جب کہ اضلال اور غضب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، پس یہ نہیں کہا ”غَضَبْتَ عَلَيْهِمْ“ یا ”الَّذِينَ أَضَلَّلْتَهُمْ“ جن پر آپ نے غضب کیا یا وہ جن کو آپ نے گمراہ کیا، یہ اس وجہ سے تا کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے متعلق آداب سکھائے جائیں، پس شرکی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جائے گی اگرچہ شر اللہ ہی کی جانب سے ہے، تمام خیر کے کاموں کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے گی اور شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جائے گی:

نسب النعمة إلى الله عز وجل انعمت عليهم ولم ينسب إليه

الإضلال والغضب فلم يقل غضبت عليهم أو الذين أضللتهم وذلك
ليعلم العباد الأدب مع الله فالشر لا ينسب إلى الله تعالى وإن كان
منه تقديراً الخير كله بيدك والشر لا ينسب إليك- (۱)

سینتیسویں بحث: نعمت کی اقسام

نعمت دو جنسوں پر منحصر ہے

۱... دنیاوی ۲... اخروی۔ دنیاوی کی پھر دو قسمیں ہیں: ۱... وہی ۲... کسی۔ پھر وہی کی
دو قسمیں ہیں: ۱... روحانی ۲... جسمانی

روحانی: جیسے انسان میں روح پھونک دینا اور اس روح کو عقل سے اور عقل کے بعد
جو قوائے باطنہ حاصل ہوں ان سے روشن کرنا، قوائے باطنہ مثلاً: فہم و فکر و نطق ہیں۔

جسمانی: جیسے سانچہ کو پیدا کرنا اور ان قوتوں کو پیدا کرنا جو اس سانچے میں سموی ہوئی
ہوں، اور ان کیفیات کو پیدا کرنا جو ان کو عارض ہوتی ہے۔ یعنی صحت اور اعضاء کا کمال۔

کسی نعمت: نفس کو رذائل سے پاک کرنا اور اس کو اخلاق اور عمدہ صلاحیتوں کے
ساتھ آراستہ کرنا اور بدن کو اچھے اور خوبصورت زیورات کے ذریعے زینت دینا اور مال
و مرتبے کا حاصل کرنا۔

اُخروی نعمت: اللہ تعالیٰ انسان کی کوتاہیوں کو معاف کر دے اور اس سے راضی ہو کر
اعلیٰ علیین میں ملائکہ مقربین کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانہ عطا فرمائے۔ اس آیت میں
اُخروی انعامات اور ان کے وسائل مراد ہیں، کیونکہ اس کے علاوہ دوسری نعمتوں میں تو
مؤمن و کافر دونوں شریک ہیں:

تنحصر فی جنسین: دنیوی و اخروی، والأول قسمان: وہبی
و کسبی والوہبی قسمان: روحانی کنفخ الروح فیہ وإشراقہ بالعقل

وما يتبعه من القوى كالفهم والفكر والنطق، وجسماني كتخليق
البدن والقوى الحالة فيه والهيئات العارضة له من الصحة وكمال
الأعضاء والكسبي تزكية النفس عن الرذائل وتحليتها بالأخلاق
السنية والملكات الفاضلة، وتزيين البدن بالهيئات المطبوعة
والحلي المستحسنة وحصول الجاه والمال، والثاني: أن يغفر له ما فرط
منه ويرضى عنه ويبوئه في أعلى عليين مع الملائكة المقربين أبد
الآبدين، والمراد هو القسم الأخير وما يكون وصلة إلى نياله من
الآخرة فإن ما عدا ذلك يشترك فيه المؤمن والكافر۔^(۱)

لفظ ”عَلَيْهِمْ“ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ پہلا
لفظ ”عَلَيْهِمْ“ مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصی میں واقع ہے جب کہ دوسرا ”عَلَيْهِمْ“
فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں واقع ہے:

وعليهم الأولى محلها النصب على المفعولية ومحل الثانية الرفع
على الفاعلية۔^(۲)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ”الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ“
عليهم مغضوب کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے، اس کے برخلاف وہ عليهم جو
انعمت کے بعد واقع ہے وہ مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصی میں واقع ہے:
وعليهم في محل الرفع لأنه نائب مناب الفاعل بخلاف الأول۔^(۳)

(۱) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰ / تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

(۳) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

اڑتیسویں بحث: آیت میں منع علیہم سے مراد کون ہیں؟

علامہ جار اللہ زنجیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ ”انعمت علیہم“ سے مراد مؤمنین ہیں:

والذین انعمت علیہم هم المؤمنون۔^(۱)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ ”انعمت علیہم“ سے مراد مؤمنین ہیں:

وهم المؤمنون۔^(۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حضرات انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صلحاء کا راستہ ہے۔ دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿۱۱﴾ (النساء)
اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

اس آیت کریمہ کا تقاضہ یہ ہے کہ یہی لوگ صراط مستقیم پر ہے، اور اس آیت میں اسی صراط مستقیم کا سوال کیا گیا ہے۔ اس بارے میں جتنے بھی اقوال منقول ہیں سب کا مقصود یہی ہے۔ یہاں ان اقوال کا دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں:

فقال الجمهور من المفسرين: إنه أراد صراط النبيين والصدّيقين
والشهداء والصلّحين، وانتزعوا ذلك من قوله تعالى: ومن يطع

اللّٰهُ وَالرَّسُولَ فَأَوْلِيكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ
وَالشَّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أَوْلِيكَ رَفِيقًا، فَالْآيَةُ تَقْتَضِي أَنْ هُوَ لَاءٌ
عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، وَهُوَ الْمَطْلُوبُ فِي آيَةِ الْحَمْدِ، وَجَمِيعٌ مَا قِيلَ إِلَى
هَذَا يَرْجِعُ، فَلَا مَعْنَى لِتَعْدِيدِ الْأَقْوَالِ، وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ - (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے منعم علیہم کے متعلق متعدد اقوال نقل کئے
ہیں۔ ۱..... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منعم علیہم سے مراد وہ لوگ
ہیں جن پر آپ نے اطاعت اور عبادت کی وجہ سے انعام کیا ہے یعنی ملائکہ، انبیاء،
صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو سورہ انبیاء
میں مذکور ہے۔ ۲..... حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منعم علیہم سے مراد انبیاء
ہیں۔ ۳..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ اس سے مراد
مؤمنین ہیں اور یہی قول امام مجاہد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔ ۴..... امام کعب رحمہ اللہ
فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔ ۵..... حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ
فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو آپ کے ساتھ تھے یعنی صحابہ کرام۔
(حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو تفسیر سب
سے پہلے مروی ہے وہ سب سے زیاد عام ہے (اور تمام اقوال) کو شامل ہے (نیز یہ تفسیر
القرآن علی القرآن کے قبیل سے ہے):

عن ابن عباس: صراط الذين أنعمت عليهم بطاعتك وعبادتك،
من ملائكتك وأنبيائك والصدّيقين والشهداء والصالحين، وذلك
نظير ما قال ربنا تعالى: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأَوْلِيكَ مَعَ الَّذِينَ
أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ -

عن الربيع بن انس: صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ قَالَ: هُمْ

النبيون، عن ابن عباس: هم المؤمنون وكذا قال مجاهد، وقال
وكيع: هم المسلمون، وقال عبد الرحمن بن زيد بن أسلم: هم
النبي صلى الله عليه وسلم ومن معه، والتفسير المتقدم عن ابن
عباس أعم وأشمل، والله أعلم۔^(۱)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ انبیاء،
صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ ایمان اور اطاعت پر ثابت
قدمی عطا فرمائے:

كل من ثبته الله تعالى على الإيمان والطاعة من النبيين
والصدیقین والشهداء والصالحین۔^(۲)

انعام یافتہ طبقاتِ اربعہ

دنیا کا ایک مسلم اصول ہے کہ انسان اپنی فطری قوتوں کی تکمیل اس وقت تک نہیں
کر سکتا جب تک اس کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ ہو، اس نمونہ کو دیکھ کر ہی انسان اپنی
غلطیوں کی اصلاح کر سکتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں بطور نمونہ کے چار جماعتوں کا ذکر فرمایا
کہ یہ انعام یافتہ ہیں ان کے راستے پر انسان چل کر کامیاب ہو سکتا ہے اور اپنی صحیح معنوں
میں فطری تقاضوں کی تکمیل اور اصلاح کر سکتا ہے۔

انتالیسویں بحث: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا تعارف

پہلا انعام یافتہ گروہ انبیاء کا

انبیاء علیہم السلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں،

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۳

(۲) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۰

خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں مکمل گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اگر نبی سے معمولی لغزش بھی ہو جائے تو فوراً متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں علمی و عملی اور عقلی قوتیں کمال درجے کی ہوتی ہیں۔

دوسرا انعام یافتہ گروہ صدیقین کا

صدیق راست باز کو کہتے ہیں، اور یہ وہ شخصیت ہوتی ہے جس کی قوت علمی اور نظری نبی کے قریب قریب ہوتی ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ صدیق کا ظرف ایک ایسا صاف آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں بالکل ویسی بات کرتے تھے جیسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ اتنی کمزور شرائط پر صلح کر رہے ہیں کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہے، مگر اے عمر! جان لو کہ میں اللہ کا نبی ہوں ”وَلَكِنْ يُضَيِّعُنِي اللَّهُ“ یعنی ہرگز اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کرے گا، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں مصلحت ہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو اتنی کمزور شرائط پر صلح نہیں کرنی چاہئے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً فرمایا کہ اے عمر! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں ”وَلَكِنْ يُضَيِّعُهُ اللَّهُ“ یعنی اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، مطلب یہی تھا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں مسلمانوں کی اسی میں بہتری ہے۔^(۱)

آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی وہی الفاظ نکلے

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: كتاب الجزية، باب نزول سورة الفتح، ج ۹ ص ۳۷۲، رقم

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیق کا ذہن اور دماغ اتنا شفاف اور پاکیزہ آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے۔

تیسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا ہے

شہداء کی قوتِ عملیہ کو کمال حاصل ہوتا ہے، جس طرح نبی کی قوتِ عملی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اسی طرح شہید کی قوتِ عملی بھی اسی کے قریب قریب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شہید اپنے دین اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے، اور اسی طرح وہ حق و صداقت کی گواہی دینے والے بن جاتے ہیں۔ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی بناء پر انہیں شہید کہا جاتا ہے۔

چوتھا انعام یافتہ گروہ صالحین کا

ان کی قوتِ علمی اور عملی اگرچہ اعلیٰ درجے کی نہیں ہوتی مگر ان میں کامل درجہ کی اتباع ہوتی ہے، ایسے لوگ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی خاص متبعین ہوتے ہیں، اور اپنے آپ کو فاسد اعتقادات اور برے اخلاق سے دور رکھتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ صالح اس کو کہا جاتا ہے جو خالق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور مخلوق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یاد الہی میں مصروف رہتا ہو، عام اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ولی کہا جاتا ہے یہی لوگ صالحین ہیں، باقی لوگ ان سے کم تر درجہ کے ہیں۔^(۱)

صراطِ مستقیم، کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ صراطِ رسول یا صراطِ قرآن، کیونکہ قرآن کریم حقیقت میں صراطِ مستقیم کی تشریح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس کی تفصیل ہیں، اور قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو یا رسول کا راستہ اختیار کرو، بلکہ صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے فرمایا انبیاء کے علاوہ

صدیقین، شہداء اور صالحین کا طریقہ بھی اختیار کرو، اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تعلیم و تربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں بلکہ رجال ماہرین کی صحبت اور ان سے سیکھ کر حاصل ہوتی، جس طرح دنیا کا مشاہدہ ہے کہ محض کتاب سے تعلیم حاصل کر کے کوئی کپڑا سینا نہیں جانتا بلکہ پہلے کسی کاریگر کے پاس جا کر پہلے سیکھے گا پھر اسے کپڑا سینا آئے گا، بلکہ اسی طرح ڈاکٹر محض کتاب پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتا، اسی طرح اگر کوئی محض قرآن و حدیث کا مطالعہ کر کے انسان کی تعلیم و تربیت کے لئے کافی سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، بلکہ قرآن و حدیث کے ماہرین کے پاس جانا ہوگا اور ان کی صحبت اختیار کرنی ہوگی۔ اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ آج کل لوگوں میں اختلاف کا بڑا سبب یہ ہے کہ بعض نے کتاب اللہ کو تھام لیا اور رجال اللہ سے آنکھیں بند کر لیں اور بعض نے رجال اللہ کو معیار حق سمجھ کر کتاب اللہ سے آنکھیں بند کر لیں جس کا نتیجہ گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔^(۱) آمین

چالیسویں بحث: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

کی خلافت کا ثبوت

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے، منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟ تو قرآن کریم نے اس کی تعیین کر دی کہ اس سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صدیقین کے سردار اور رئیس ہیں۔ پس آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ سے وہ ہدایت طلب

کریں جس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صدیقین تھے۔ اگر حضرت ابو بکر صدیق ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء جائز نہ ہوتی۔ پس اس آیت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت ہوئی:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ يَدُلُّ عَلَى إِمَامَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَأَنَا ذَكَرْنَا أَنَّ تَقْدِيرَ الْآيَةِ: إِهْدِنَا صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ تَعَالَى قَدْ بَيَّنَّ فِي آيَةٍ أُخْرَى أَنَّ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ الْآيَةَ وَلَا شَكَّ أَنَّ رَأْسَ الصَّادِقِينَ وَرِئِيسَهُمْ أَبُو بَكْرٍ الصَّادِقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَكَانَ مَعْنَى الْآيَةِ أَنَّ اللَّهَ أَمَرَنَا أَنْ نَطْلُبَ الْهُدَايَةَ الَّتِي كَانَ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ الصَّادِقُ وَسَائِرَ الصَّادِقِينَ، وَلَوْ كَانَ أَبُو بَكْرٍ ظَالِمًا لَمَا جَازَ الْاِقْتِدَاءُ بِهِ، فَثَبَّتْ بِمَا ذَكَرْنَا دَلَالَةَ هَذِهِ الْآيَةِ عَلَى إِمَامَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. (۱)

علامہ محمد امین بن محمد شنیطی رحمۃ اللہ عنہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ اس آیت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کو لیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ جماعتوں کو بیان کیا، اور ان میں صدیقین کو بھی شمار کیا، تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقین میں سے ہیں، پس اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ بھی انعام یافتہ جماعتوں میں شامل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کے طریقے کے مطابق ہدایت کا سوال کریں، پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صراط مستقیم پر ہونے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت برحق ہے:

يُؤْخَذُ مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ صِحَّةَ إِمَامَةِ أَبِي بَكْرٍ الصَّادِقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَدْ بَيَّنَّ الَّذِينَ أَنْعَمَ عَلَيْهِمْ فَعَدَّ مِنْهُمْ الصَّادِقِينَ، وَقَدْ

بین صلی اللہ علیہ وسلم ان ابا بکر رضی اللہ عنہ من الصدیقین،
فاتضح انه داخل فی الذین انعم اللہ علیہم، الذین امرنا اللہ ان
نسأله الهدایة إلی صراطهم فلم یبق لبس فی ان ابا بکر الصدیق
رضی اللہ عنہ علی الصراط المستقیم، وان إمامته حق۔^(۱)

اکتالیسویں بحث: اس آیت سے قادیانیوں کا نبوت پر

استدلال اور پندرہ وجوہ سے اس کا ابطال

”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝۶“

اے اللہ! ہم کو سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنی نعمت نازل کی گویا

ہم کو بھی وہ نعمتیں عطا فرما جو پہلے لوگوں کو عطا کی گئیں۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں کیا تھیں قرآن مجید میں ہے:

وَ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ

أَنْبِيَاءً وَ جَعَلَكُمْ مُمْلُوكًا (المائدة: ۲۰)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم اپنے خدا کی نعمت یاد کرو

جب اس نے تم میں نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

تو ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہی دونوں نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کسی قوم کو دیا کرتا ہے،

خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں دعا سکھائی ہے اور خود ہی نبوت کو نعمت قرار دیا ہے اور دعا کا

سکھانا بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا ہے، لہذا امت محمدیہ میں نبوت

ثابت ہوئی۔^(۲)

(۱) أضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۳

(۲) احمدیہ پاکٹ بک: ص ۳۶۶، ۳۶۷، آخری ایڈیشن

جواب: ۱..... اس آیت میں منعم علیہم کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی دُعا ہے نہ کہ نبی بننے کی، اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے طریق عمل کو نمونہ بنا لیں، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَ الْيَوْمَ
الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب)

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے اُمید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

۲..... اگر انبیاء کی پیروی سے آدمی نبی بن سکتا ہے تو کیا خدا کی پیروی سے خدا بن جائے گا؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ أَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ
سَبِيلِهِ ۗ ذَلِكُمْ وَصَّيْنَاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (الانعام)

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔

۳..... نبوت دعاؤں سے نہیں ملا کرتی اگر نبوت دعاؤں سے ملے تو نبوت کبسی ہو جائے گی حالانکہ نبوت وہی ہے:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ (الانعام: ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔

۴..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا مانگی تھی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے نبی بن چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نماز میں ”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ کے الفاظ سے دعا کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس سے حصول نبوت مراد نہیں۔

۵..... تیرہ سو برس میں اگر کوئی نبی نہ بنا تو کیا کسی کی بھی دعا قبول نہ ہوئی؟ جس

مذہب میں کروڑوں لوگوں کی دعا قبول نہ ہو وہ خیر امت نہیں کہلا سکتی اور نہ اس کو کہلانے کا حق ہے۔

۶..... ”اِهْدِنَا“ صیغہ جمع کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی بنائے، اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی بھی دعا قبول نہ کی کیونکہ اگر دعا قبول ہوئی ہوتی تو مرزا قادیانی کے سب پیروکاروں کو نبی ہونا چاہئے تھا مگر ایسا نہ ہوا، اور اگر سب نبی بن جائیں تو سوال یہ ہے کہ پھر امتی کہاں سے آتے؟ کیا مرزائیوں میں سے کوئی نبوت چھوڑ کر امتی بننے کے لئے تیار ہے؟

۷..... یہی دعا عورتوں کو بھی سکھائی گئی ہے تو کیا وہ بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہ دعا انہیں کیوں نہیں سکھائی گئی ہے؟ اور اگر ہاں میں ہے تو یہ تمہارے خلاف ہے۔

۸..... نبوت اور بادشاہت دونوں خدا کی نعمت ہیں جیسا کہ مرزائی سوال میں بھی اعتراف کیا گیا ہے تو مرزائی بتائیں کہ ان کے قول کے مطابق مرزا نبی تو بنا مگر بادشاہ نہ بنا تو کیا آدھی دعا قبول ہوئی؟

۹..... شریعت اور کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت بلکہ نعمتِ عظمیٰ ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَ اذْکُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَ مَا اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِنَ الْکِتٰبِ وَ الْحِکْمَةِ
 یَعْظُمُکُمْ بِہٖ ۙ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ (البقرہ)
 اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اُسے اور تم پر جو کتاب اور حکمت کی باتیں تمہیں نصیحت کرنے کے لئے نازل کی ہیں انہیں یاد رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور
 جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تو پھر قادیانیوں کے ہاں اس پر پابندی کیوں ہے؟ اگر دعا سے نبوت لینی ہے تو پھر نعمتِ تامہ یعنی تشریحی نبوت لینی چاہئے تاکہ مکمل نعمت حاصل ہو حالانکہ مرزائی اس کے قائل نہیں۔

۱۰..... مرزا قادیانی اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

پس اس آیت سے بھی پہلے کھلے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تاکہ انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو۔ (۱)

اس آیت سے مراد مرزا قادیانی گو ظلی نبی لیتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں چلے آتے ہیں جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی مگر مرزا کی امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور مرزا سے پہلے کسی کو بھی نبی تسلیم نہیں کرتی، معلوم ہوا کہ مرزا کچھ کہتا ہے اور اس کی امت کچھ کہتی ہے۔ اب مرزائی فیصلہ کریں کہ وہ درست کہتے ہیں یا ان کا متنبی مرزا؟

۱۱..... نعمت سے مراد نبوت کا ملنا نہیں کیونکہ یہ نعمت حضرت مریم پر بھی نازل ہوئی ہے:

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقَبِي ابْنَ مَرْيَمَ إِذْ كُنتِ نَاعِمًا عَلَيَّكَ وَ عَلَى

وَالِدَتِكَ (المائدة: ۱۱۰)

اے عیسیٰ! میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔

ایسا ہی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر انعام ہوا:

وَ إِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ

رَوْحَكَ (الأحزاب: ۳۷)

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا تھا اور تم نے بھی۔

اسی طرح سب مسلمانوں پر انعام الہی ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے:

وَ إِذْ كُنتُمْ أَقْدَاءَ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ

بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران: ۱۰۳)

اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

ان سب مقامات پر نعمت ملنے کا ذکر ہے لیکن اس سے نبوت لازم نہیں آتی اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی نعمت سے مراد نبوت ملنا لازم نہیں۔

۱۲..... اس دُعَا میں منعم علیہم گروہ کی طرح استقامت کی راہ پر گامزن رہنے کی تمنا ہے کیونکہ جو ممکن انعامات ہیں اسی راہ پر ملیں گے، مثلاً ہر قسم کے انوار و برکات اور محبت و یقین کامل اور تائیدِ سماویہ اور قبولیت اور معرفتِ تامہ، عزیمت و استقامت کے انعام جو امت محمدیہ کے لئے مقرر ہے۔

۱۳..... اگر نبوت طلب کرنے کی دعا ہے تو غلام احمد قادیانی نبی بن جانے کے بعد یہ دعا کیوں مانگتا تھا؟ کیا اسے اپنی نبوت پر یقین نہ تھا؟

۱۴..... مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور صحیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔ (۱)

اس آیت میں منعم علیہم کی نعمت طلب کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی، بلکہ ان کے راستے پر چلنے کی دعا سکھلائی گئی۔ انبیاء کا راستہ شریعت اور مذہب ہے کہ وہ اس کی پابندی اور اتباع کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اگر نبوت طلب کرنے کی تعلیم مقصود ہوتی تو ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کے بجائے ”أَعْطِنَا مَا أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ ہوتا۔

۱۵..... ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مانگی، بلکہ یہ دعا مانگنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھلایا لیکن یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مانگی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی منتخب ہو چکے تھے، قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) تحفہ گولڈویہ، روحانی خزائن: ج ۱۷ ص ۲۱۸

وسلم پر اترنا شروع ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعا سے نبی نہیں بنے، تو پھر اس دعا کا فائدہ کیا ہوا؟ مزید یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ چودہ سو سال میں کسی ایک کی یہ دعا قبول ہوئی یا نہ ہوئی؟ اگر ہوئی تو وہ کون ہے جو اس دعا سے نبی بنا؟ اور اگر قبول نہ ہوئی تو پھر یہ امت خیر امت کیسے ہوئی؟ اور اگر مرزائی کہیں کہ صرف مرزا کی دعا قبول ہوئی تو پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر مرزا کے حق میں قبول ہوئی تو مکمل کیوں نہ قبول ہوئی؟ تیسرا حصہ کیوں قبول ہوا؟ کیونکہ بادشاہت اور نبوت مستقلہ بھی نعمت ہیں یہ دونوں نعمتیں مرزا کو کیوں نہ ملی؟ مرزا میں وہ کونسی خامیاں تھی جن کی وجہ سے مرزا کو ان نعمتوں سے محروم رکھا گیا؟ دراصل قادیانیوں کو ایک اصولی غلطی لگی ہے وہ یہ کہ نبوت کو انہوں نے کسی سمجھا حالانکہ نبوت وہی ہے۔^(۱)

غضب کی تعریف

علامہ جار اللہ زنجشیری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) غضب کا معنی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نافرمانوں سے انتقام کا ارادہ کرنا اور ان پر سزا نافذ کرنا:

فإن قلت ما معنى غضب الله قلت: هو إرادة الانتقام من العصاة۔^(۲)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ غضب اس تبدیلی کو کہتے ہیں جو بدن میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انتقام کے ارادے سے دل کا خون جوش مارے:

الغضب: تغير يحصل عند غليان دم القلب لشهوة الانتقام۔^(۳)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ قلب کے خون کا انتقام کے

ارادے کے وقت جوش مارنا:

(۱) قادیانی شبہات کے جوابات: ج ۱ ص ۱۳۶ تا ۱۴۰

(۲) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۹

(۳) التفسیر الكبير: سورة الفاتحة، الفصل التاسع، ج ۱ ص ۲۲۳

والغضب: ثوران النفس إرادة الانتقام۔^(۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے تعریف میں لفظ ”النفس“ استعمال کیا، اور یہاں مراد خون ہے، ”النفس“ کا الف لام قلب کے عوض میں آیا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ قلب کے خون کا انتقام کے ارادے کے وقت جوش مارنا:

والغضب: ثوران النفس لإرادة الانتقام۔^(۲)

یہاں موصوف صفت کے درمیان مطابقت نہیں؟

سوال: ”صِرَاطَ الَّذِينَ“ موصوف ہے جو کہ معرفہ اور ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ“ جو کہ صفت ہے نکرہ ہے، قاعدہ ہے کہ لفظ غیر اضافت کے باوجود بھی نکرہ ہی رہتا ہے، اب موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت نہ رہی؟

جواب:قاعدہ ہے کہ موصول افادہ تعریف میں معرف باللام کے مانند ہوتا ہے ”الَّذِينَ“ اسم موصول سے مراد معبود فی الذہن ہے۔ اس لئے کہ عہد خارجی کے معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ خارج میں کوئی فرد معین نہیں ہے، اور جنس کے معنی بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ راستہ حقیقت شیء کا نہیں ہوتا بلکہ افراد شیء کا ہوتا ہے، اور استغراق کا معنی بھی نہیں مراد لے سکتے کیونکہ کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ مراد ”الَّذِينَ“ سے معبود فی الذہن ہے اور معبود فی الذہن نکرہ کے حکم میں آتا ہے، لہذا ”الَّذِينَ“ بھی نکرہ کے حکم میں ہے اور ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ“ بھی نکرہ ہے تو اب موصوف صفت میں تنکیر میں مطابقت ہوگئی۔

۲..... لفظ غیر اگر دو ضدین کے درمیان واقع ہو تو اضافت مفید تعریف ہوگی، جیسے

”الحركة غير السكون“ پس اسی طرح ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ“ میں بھی لفظ غیر دو ضدین

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

(۲) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

کے درمیان واقع ہے، تو اب موصوف صفت کے درمیان معرفہ ہونے میں مطابقت ہوگئی:

ان غیر هنا معرفة لأن المحققين من علماء العربية قالوا إنها قد

تتعرف بالإضافة وذلك إذا وقعت بين متضادين معرفتين نحو

عليك بالحرارة غير السكون۔^(۱)

بیالیسویں بحث: غضب کی نسبت جب اللہ کی طرف

ہو تو غایت و انتہاء مراد ہوتی ہے

لفظ غضب کا معنی حقیقی کا اعتبار کرتے ہوئے ذات باری تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں، اس لئے کہ غضب معنی حقیقی کے اعتبار سے قلب اور دم کا تقاضہ کرتا ہے، اور ذات باری تعالیٰ ان سے منزہ ہے۔ اسی طرح غلیان جس کے معنی جوش مارنے کے ہیں یہ از قبیل انفعال کے ہے اور ذات باری تعالیٰ فاعل ہے منفعل نہیں۔ پس جب غضب کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو غضب سے مراد غایت اور منتہاء یعنی سزا اور عذاب ہوگا۔ سزا اور عذاب از قبیل افعال ہے انفعال نہیں۔ پس اس صورت میں ترجمہ ہوگا: وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور اس کی سزا کے مستحق ہوئے، پس انفعال کا اشکال ختم ہو گیا۔ نیز قلب اور دم کا سوال بھی نہ رہا، اس لئے کہ سزا اور عذاب دینے کے مفہوم میں قلب اور دم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے ایک قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے کہ جتنے بھی اعراض نفسانیہ ہیں مثلاً رحمت، خوشی، غضب، حیا، غیرت، مکر، تکبر، استہزاء وغیرہ۔ پس جب ان اعراض کی ذات باری تعالیٰ کی طرف نسبت ہوگی تو اس وقت غایت مراد ہوگی۔ مثلاً لفظ غضب اس کا معنی خون کا جوش مارنا، اب یہ معنی مراد نہیں ہوگا بلکہ اس کی غایت مغضوب علیہ کو

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۸ / مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا مراد ہوگا۔ اسی طرح لفظ حیاء کا اطلاق جب ذات باری تعالیٰ پر ہو تو اس سے فعل کا ترک کرنا مراد ہوگا نہ کہ انکسار نفس:

واعلم ان هذا على الله تعالى محال، لكن ههنا قاعدة كلية، وهي ان جميع الأعراض النفسانية أعني الرحمة، والفرح، والسرور، والغضب، والحياء، والغيرة، والمكر والخداع، والتكبر، والاستهزاء لها أوائل، ولها غايات، ومثاله الغضب فإن أوله غليان دم القلب، وغايته إرادة إيصال الضرر إلى المغضوب عليه، فلفظ الغضب في حق الله تعالى لا يحمل على أوله الذي هو غليان دم القلب، بل على غايته الذي هو إرادة الأضرار، وأيضاً، الحياء له أول وهو انكسار يحصل في النفس، وله غرض وهو ترك الفعل، فلفظ الحياء في حق الله يحمل على ترك الفعل لا على انكسار النفس، وهذه قاعدة شريفة في هذا الباب۔^(۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ جب اس (غضب) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کا انجام کار یعنی انتقام لینا مراد ہوگا:

فإذا اسند إلى الله تعالى أريد به المنتهى والغاية۔^(۲)

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ غضب کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو اس سے مراد غایت و انتہاء ہوگی:

والغضب هيجان النفس لإرادة الإنتقام وعند إسناده إلى الله سبحانه يراد به غايته۔^(۳)

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۲۳

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

(۳) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ جب غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد غایت و انتہاء ہوگی:

إذا اسند إلى الله تعالى أريد به المنتهى۔^(۱)

تینتا لیسویں بحث: لفظ ضالین کی لغوی، صرفی تحقیق

لفظ ضالین کی لغوی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ”وَلَا الضَّالِّينَ“ کلام عرب میں ضلال اسلوب اعتدال اور حق کا راستہ چھوڑنے کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: ضَلَّ اللَّبَنُ فِي الْمَاءِ (دودھ پانی میں غائب ہو گیا)۔ اسی معنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ (السجدة: ۱۰)

جب ہم زمین میں ملیا میٹ ہو جائیں گے تو۔

یعنی جب ہم موت کے ذریعے غائب ہو جائیں گے اور مٹی بن جائیں گے، اسی طرح شاعر کہتا ہے:

أَلَمْ تَسْأَلْ فَتُخْبِرِكَ الدِّيَارُ عَنِ الْحَيِّ الْمُضَلَّلِ أَيْنَ سَارُوا

کیا تم نے برباد گھروں سے نہیں پوچھا کہ وہ تمہیں بتادیتے کہ گم شدہ قبیلہ کہاں گیا؟

”ضَلُّضَةٌ“ اس چکنے پتھر کو کہتے ہیں جسے گھاٹی میں پانی الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔

اسی طرح ”غَضْبَةٌ“ پہاڑ کی اس چٹان کو کہتے ہیں جس کا رنگ اپنے پہاڑ کے رنگ سے مختلف ہوتا ہے۔

کلام عرب میں ضلال، اسلوب اعتدال اور حق کا راستہ چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ

کہا جاتا ہے ”ضل اللبن في الماء“ یعنی دودھ پانی میں غائب ہو گیا۔ اس معنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ”أِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ“ جب ہم زمین میں ملیا میٹ ہو جائیں گے یعنی جب ہم موت کے ذریعے غائب ہو جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے:

الضلال في كلام العرب هو الذهاب عن سنن القصد وطريق

الحق، ومنه: ضل اللبن في الماء أي غاب۔ ومنه: إذا ضللنا في

الارض أي غبنا بالموت وصرنا ترابا۔^(۱)

لفظ ضالین کی صرفی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ”ضالین“ اصل میں ”ضالین“ تھا، پہلے لام کی حرکت کو حذف کر کے لام کو لام میں مدغم کر دیا، اس طرح ”ضا“ کا الف اور ”لین“ کا ادغام شدہ لام، دوساکن جمع ہو گئے پھر ان کو مدغم کیا:

الأصل في الضالين: الضالين حذف حركة اللام الاولى ثم ادغمت

اللام في اللام فاجتمع ساكنان مدة الالف واللام المدغمة۔^(۲)

ضلال کا معنی

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ ”ضلال“ سیدھے راستے سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں:

والضلال هو العدول عن الصراط السوي۔^(۳)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ ضلالت ہدایت کی ضد ہے، یہ مقصود تک پہنچانے والے راستے سے عدول کرنا ہے، اور اس کا کشادہ

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۵

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۶

(۳) تفسیر ابی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

میدان ہے (یعنی اس کے بہت سے مصداق ہیں، سب سے ادنیٰ ترکِ اولیٰ ہے اور سب سے اعلیٰ کفر باللہ ہے، اور پھر اس ادنیٰ اور اعلیٰ کے درمیان بہت سے طبقات ہیں، جن کا شمار دشوار ہے):

الضلالة ضد الهداية وهو العدول عن الطريق الموصل وله
عرض عريض۔^(۱)

چوالیسویں بحث: مغضوب سے مراد یہود

اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود پر غضب کا اطلاق کیا ہے:

وَبَاءُؤُ وَبِعَضِبِ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۲)

انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں۔

اور نصاریٰ پر ضالین کا اطلاق کیا ہے:

قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدة)

جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے

راستے سے بھٹک گئے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک مغضوب

سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں:

فالجہور أن المغضوب عليهم اليهود والضلّالین النصاری۔^(۲)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہی ہے کہ مغضوب

(۱) التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۴

علیہم سے مراد یہود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ”مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ“ ان پر غضب کا اطلاق کیا ہے، اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان ”قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ①“ میں ان پر ضلال کا اطلاق کیا ہے۔

المشهور أن المغضوب عليهم هم اليهود، لقوله تعالى: مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ، والضالين: هم النصارى لقوله تعالى: قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ - (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک ضال (گمراہ) اور ہر ایک مغضوب علیہم ہے، لیکن یہود کے اوصاف میں سب سے زیادہ غضب ہے جیسا کہ مذکورہ فرمان باری تعالیٰ میں ہے، اور نصاریٰ کے اوصاف میں زیادہ ضلال ہے جیسا کہ مذکورہ باری تعالیٰ کے فرمان میں ہے، اور اس تفسیر (یعنی مغضوب علیہ سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہے) کی تائید میں احادیث اور آثار بھی مروی ہیں:

وكل من اليهود والنصارى ضال مغضوب عليه، لكن اخص اوصاف اليهود الغضب كما قال فيهم: مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ واخص اوصاف النصارى الضلال كما قال: قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ، وبهذا جاءت الأحاديث والآثار - (۲)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں، اور سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی خلد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۲۲

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۳

امام احمد، امام عبد بن حمید اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے اپنی صحیح میں اس روایت کو عدی بن حاتم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں:

واخرج سفيان بن عيينة في تفسيره وسعيد بن منصور عن اسمعيل بن أبي خالد أن النبي صلى الله عليه وسلم قال المغضوب عليهم اليهود والضالون هم النصارى، واخرج أحمد وعبد بن حميد والترمذي وحسنه وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم وابن حبان في صحيحه عن عدی بن حاتم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن المغضوب عليهم اليهود وإن الضالين النصارى۔^(۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں، اس کی تائید میں امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ اپنی ”صحیح ابن حبان“ میں اس روایت کو مرفوعاً نقل کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے، علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے، امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے کہ ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس تفسیر کے بارے میں کسی نے اختلاف کیا ہو:

والمراد بالمغضوب عليهم اليهود وبالضالين النصارى وقد روى ذلك أحمد في مسنده وحسنه ابن حبان في صحيحه مرفوعاً إلى رسول الله وأخرجه ابن جرير عن ابن عباس وابن مسعود رضي الله عنهم وقال ابن أبي حاتم: لا أعلم فيه خلافاً للمفسرين۔^(۲)

(۱) الدر المنثور في التفسير الماثور: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۲

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ جماہیر علماء کی تفسیر فرماتے ہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں:

وقوله غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال جماهير من علماء

التفسير المغضوب عليهم اليهود و الضالون النصارى۔ (۱)

حدیث کی تخریج

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں:

عن عدی بن حاتم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اليهود مغضوب علیہم والنصارى ضلال۔ (۲)

پینتا لیسویں بحث: لفظ ضاد کا صحیح مخرج

فمن حافة اللسان من أقصاها إلى الأضراس الضاد۔ (۳)

وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهِ إِذْ وَلِيَا..... الْأَضْرَاسُ مِنْ أَيْسَرَ أَوْ يُمْنَاهَا۔ (۴)

ضاد حافہ لسان سے نکلتا ہے جب کہ وہ ل جائے اضراس (علیا) سے، داہنی طرف کی

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

(۲) سنن الترمذی: أبواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة فاتحة الكتاب، ج ۵ ص ۲۰۲،

رقم الحدیث: ۲۹۵۳ / صحیح ابن حبان: کتاب التاريخ، باب بدء الخلق، ذکر البیان بان

أهل الكتاب... إلخ، ج ۱۳ ص ۱۳۰، رقم الحدیث: ۶۲۳۶ / مسند احمد: مسند الكوفيين،

ج ۳۲ ص ۱۲۳، رقم الحدیث: ۱۹۳۸۱ / المعجم الكبير للطبرانی: باب العين، ج ۱ ص

۹۹، رقم الحدیث: ۲۴۷ / صححه الألبانی فی صحیح الجامع الصغير وزيادته، ج ۲

ص ۱۳۶۳، رقم الحدیث: ۸۲۰۲

(۳) المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في کیفیتہما، ج ۱ ص ۳۶۲

(۴) متن المقدمة الجزرية: باب مخارج الحروف، ص ۱۲

داڑھوں سے بھی نکلتا ہے اور بائیں طرف کی داڑھوں سے بھی۔ ضاد حافہ لسان یعنی زبان کی کروٹ، داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے لگا دیں، اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے، اس حرف کو ”حافیہ“ کہتے ہیں۔ (جمال القرآن: ص ۱۲)

ساتواں مخرج حافہ لسان اور داڑھوں کی جڑ اس سے ”ض“ نکلتا ہے۔ (نوائد مکہ: ص ۱۰) مزید تحقیق کے لئے دیکھئے ”سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد“

چھیا لیسویں بحث: لفظ ضاد اور طاء میں التباس کی

صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی

حرف ضاد اور طاء کے درمیان تمیز خاصی مشکل ہے اور ان کی صحیح ادائیگی میں خاصی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اسی لئے عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ یہ بات اپنے مقام پر درست اور صحیح ہے کہ حتی الوسع ہر حرف کی تصحیح اور اپنے مخرج سے ادائیگی کی مدت العمر کوشش جاری رکھنے چاہئے۔

..... علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عمدہ بحث

ضاد اور طاء میں مخرج کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ ضاد کا مخرج اصل حافہ لسان اور اس کے متصل کی داڑھیں ہیں خواہ زبان کی داہنی جانب سے نکالا جائے یا بائیں جانب سے، اور بعض لوگ دونوں جانب سے نکالنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں، اور طاء کا مخرج طرف لسان اور ثنایا علیا کی جڑیں ہیں، اور علماء کا ان کے آپس میں ایک دوسرے سے بدل دینے کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ابدال ناجائز اور مفسد نماز ہے یا نہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی قیاس ہے اور اسی کو محیط برہانی میں عامہ مشائخ سے نقل کیا ہے اور اسی کو خلاصہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے۔ اور بعض

نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی استحسان ہے اور اسی کو مشائخ عامہ سے نقل کیا ہے مثل ابو مطیع بلخی اور محمد بن سلمہ رحمہما اللہ، اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب دونوں میں فرق کرنے پر قدرت ہو اور پھر عمداً غلط پڑھے اور کسی قراءت میں یہ تبدیل منقول نہ ہو جیسے ”وَلَا الضَّالِّينَ“ اور ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ“ میں ہے اور معنی بھی بدل جائیں تو ان تمام شرطوں کے ساتھ فساد نماز کا حکم کیا جائے گا، ورنہ نہیں کیونکہ دونوں میں تمیز دشوار ہے خصوصاً اہل عجم قرن اول میں مسلمان ہوئے اور کہیں منقول نہیں کہ صحابہ و تابعین نے ان کو فرق کرنے کی تخریص و تاکید کی ہو یا اس کے تعلیم حاصل کرنے کا امر کیا ہو۔ اور اگر اہل عجم پر یہ فرق اور اس کی تعلیم واجب ہوتی تو وہ صحابہ ضرور اس کی تاکید کرتے اور ان سے اس کی نقل ہم تک پہنچتی اور یہی وہ چیز ہے کہ جس پر اعتماد کرنا اور فتویٰ دینا مناسب ہے۔ اور بعض لوگوں نے ایک مستقل رسالہ میں ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے جن کے معنی ضاد اور ظاء کے آپس میں بدلنے سے بدلتے نہیں اور یہ رسالہ بہت اچھا ہے اس کو دیکھنا چاہئے:

والفرق بين الضاد والطاء مخرجا ان الضاد مخرجها من اصل حافة اللسان وما يليها من الأضراس من يمين اللسان أو يساره ومنهم من يتمكن من إخراجها منهما والطاء مخرجها من طرف اللسان وأصول الثنايا العليا واختلفوا في إبدال أحدهما بالأخرى هل يمتنع وتفسد به الصلاة أم لا فقليل تفسد قياسا ونقله في المحيط البرهاني عن عامة المشايخ ونقله في الخلاصة عن أبي حنيفة ومحمد وقيل لا استحسانا ونقله فيها عن عامة المشايخ كأبي مطيع البلخي ومحمد بن سلمة وقال جمع انه إذا أمكن الفرق بينهما فتعمد ذلك وكان مما لم يقرأ به كما هنا وغير المعنى فسدت صلاته وإلا فلا لعسر التمييز بينهما خصوصا على العجم وقد أسلم كثير منهم في الصدر الأول ولم ينقل حثهم على الفرق

وتعليمة من الصحابة ولو كان لازماً لفعولة وتقل وهذا هو الذي ينبغي أن يعول عليه ويفتى به وقد جمع بعضهم الألفاظ التي لا يختلف معناها ضادا وظاء في رسالة صغيرة ولقد أحسن بذلك فليراجع فإنه مهم- (۱)

۲..... علامہ قاضی خان رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۲ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو ذکر کیا اور معنی میں تبدیلی آگئی (تو دیکھا جائے گا) اگر دو حرفوں کے درمیان بغیر کسی مشقت کے فرق کرنا ممکن ہو جیسے طاء اور صاد میں مثلاً ”صالحات“ کی جگہ ”طالحات“ پڑھا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر بغیر مشقت کے فرق ممکن نہ ہو جیسے طاء اور ضاد، صاد اور سین، طاء اور تاء میں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر علماء کے رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی:

وإن ذكر حرفاً مكان حرفٍ وغير المعنى فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشايخ فيه قال أكثرهم لا تفسد صلاته- (۲)

۳..... امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ ضاد اور ظاء میں اشتباہ کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی:

المختار عندنا أن اشتباه الضاد بالطاء لا يبطل الصلاة- (۳)

۴..... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا صحیح

(۱) روح المعانی: سورة التکویر، آیت نمبر ۲۴ کے تحت، ج ۳۰ ص ۳۷۳

(۲) فتاویٰ قاضیخان، فصل فی القراءة فی القرآن خطاء وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، ج ۱ ص ۱۴۱

(۳) التفسیر الکبیر: التعوذ، الباب الأول، ج ۱ ص ۶۹

مذہب یہ ہے کہ ضاد اور طاء میں جو فرق ہے اگر اس میں کوئی کمی باقی رہ جائے تو معاف ہے کیونکہ یہ دونوں حروف قریب المخرج ہیں:

والصحيح من مذاهب العلماء أنه يغتفر الإخلال بتحرير ما بين الضاد والطاء لقرب مخرجيهما۔^(۱)

۵..... محقق علی الاطلاق ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ اگر دو حرفوں میں بلا مشقت فرق ممکن نہ ہو مثلاً ضاد اور طاء تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ان میں اکثر کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی:

فان لم يمكن الفصل بين الحرفين مع غير مشقة كالضاد والطاء
اختلفوا واكثرهم لم يفسدها۔^(۲)

۶..... علامہ محمد بن محمد المعروف بابن البر از رحمہ اللہ (متوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ ضابطہ یہ ہے کہ دو حرفوں میں اگر بلا مشقت فرق کرنا ممکن ہو جیسے صاد اور طاء میں مثلاً ”صالحات“ کی جگہ ”طالحات“ پڑھ دیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور اگر مشقت کے بغیر فرق ممکن نہ ہو مثلاً طاء اور ضاد، صاد اور سین، طاء اور تا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اس میں عمومِ بلوی ہے:

والأصل انه إن أمكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة كالضاد مع الطاء بأن قرأ الطالحات مكان الصالحات فسد عند الكل وإن لم يمكن إلا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلفوا فالأكثر على انه لا يفسد لعموم البلوى۔^(۳)

۷..... اگر دو حرفوں کے درمیان بغیر مشقت کے فرق ممکن ہو جیسے طاء اور صاد کے

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۵

(۲) زاد الفقير: ص ۴۲، بحوالہ تنقيح المتين بر تفسیر نعيم الدين، ص ۳۵، ۳۶

(۳) الفتاوى البزازية: كتاب الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری، ج ۱ ص ۴۲

درمیان، پس اگر کسی نے ”الصالحات“ کی جگہ ”الطالحات“ پڑھا سب علماء کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور اگر دو حرفوں کے درمیان بغیر مشقت کے فرق ممکن نہ ہو جیسے ضاد اور طاء، صاد اور سین، طاء اور تاء، تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

فَبِإِنْ أَمْكَنَ الْفَصْلُ بَيْنَ الْحَرْفَيْنِ مِنْ غَيْرِ مَشَقَّةٍ كَالطَّاءِ مَعَ الصَّادِ
فَقَرَأَ الطَّالِحَاتِ مَكَانَ الصَّالِحَاتِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ عِنْدَ الْكُلِّ وَإِنْ كَانَ
لَا يُمَكِّنُ الْفَصْلُ بَيْنَ الْحَرْفَيْنِ إِلَّا بِمَشَقَّةٍ كَالطَّاءِ مَعَ الضَّادِ وَالصَّادِ
مَعَ السَّيْنِ وَالطَّاءِ مَعَ التَّاءِ اخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ قَالَ أَكْثَرُهُمْ لَا تَفْسُدُ
صَلَاتُهُ هَكَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانَ^(۱)

فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا مستحب ہے:

يستحب لمن قرأ الفاتحة أن يقول بعدها: آمين-^(۲)

آمین کا معنی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آمین کا معنی ہے اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما:

وقال الأكثرون: معناه: اللهم استجب لنا-^(۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ ”آمین“

(۱) الفتاویٰ الہندیة: کتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الخامس، ج ۱ ص ۷۹

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۶

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۶

عربی کلمہ ہے اور اس کا معنی ہے (اے اللہ! ہماری دعا) قبول فرما:

والصحيح انها كلمة عربية ومعناها أستجب۔^(۱)

لفظ آمین میں چار لغات ہیں

محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ ”آمین“ کے پڑھنے میں چار لغات ہیں: ۱..... سب سے زیادہ فصیح اور مشہور لغت ”آمین“ مد اور تخفیف (یعنی بغیر تشدید) کے پڑھا جائے۔ ۲..... بغیر مد اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ ۳..... امالہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ ۴..... مد اور تشدید کے ساتھ پڑھا جائے۔ پہلی دو لغات مشہور ہیں، اور آخری دو لغات کو امام واحدی رحمہ اللہ نے ”البعیث“ کے شروع میں نقل کیا ہے، اسی وجہ سے ہمارے نزدیک فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر کسی نے لفظ آمین کو تشدید کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ یہ بھی ایک لغت ہے اور اس لئے کہ یہ قرآن میں موجود ہے:

واللغات فيه أربع افسحها واشهرها آمين بالمد والتخفيف والثانية بالقصر والتخفيف والثالثة بالامالة والرابعة بالمد والتشديد والأوليان مشهورتان والأخريان حكاها الواحدى فى أول البسيط ولهذا كان المفتى به عندنا انه لو قال آمين بالتشديد لا تفسده لما علمت انها لغة ولأنه موجود فى القرآن۔^(۲)

لفظ آمین کو مشدود پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ اگر لفظ آمین نماز میں میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اس کی طرف صاحب ہدایہ نے

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۱

(۲) معارف السنن شرح سنن الترمذی: ابواب الصلوة، باب ماجاء فى التامين، ج ۲ ص ۴۳۳

اپنے اس قول سے اشارہ کیا کہ تشدید کے ساتھ پڑھنا واضح غلطی ہے لیکن صاحب ہدایہ نے فساد نماز کا ذکر نہیں کیا، اس وجہ سے کہ اس میں اختلاف ہے، فساد والا قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور صاحبین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کے مثل الفاظ قرآن میں موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”وَلَا آمِنَنَّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ“ اور صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے:

ولو قال آمين بتشديد الميم في صلاته تفسد وإليه أشار صاحب الهداية بقوله والتشديد خطأ فاحش ولكنه لم يذكر هنا فساد الصلاة به لأن فيه خلافا وهو أن الفساد قول أبي حنيفة وعندهما لا تفسد لأنه يوجد في القرآن مثله وهو قوله تعالى ولا آمين البيت الحرام وعلى قولهما الفتوى۔^(۱)

آمین کہنے کا موقع

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے لئے مسنون ہے کہ سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد ”ولا الضالین“ کے نون پر ہلکا سا رکے اور پھر آمین کہے تاکہ قرآن مجید اور غیر قرآن کا فرق واضح ہو جائے۔^(۲)

آمین کہنے سے کب مغفرت ہوتی ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمَّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَأْمِينِ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا

(۱) عمدة القاری شرح صحیح البخاری: کتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين،

نمبر ۶ ص ۲۷

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۲۷

تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ - (۱)

جب امام آمین کہے تو تم بھی کہو کیوں کہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں: اس حدیث مبارک کی بناء پر گناہوں کی بخشش کا انحصار چار چیزوں پر ہے۔ پہلی چیز: امام کی آمین، دوسری: مقتدیوں کی آمین، تیسری: فرشتوں کی آمین، اور پھر چوتھی: آمین کا فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جانا۔ اس آمین کے فرشتوں کی آمین کے ساتھ ملنے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں باگاہ الہی میں قبولیت کی موافقت مراد ہے، بعض کے نزدیک ملائکہ کی آواز کے ساتھ نمازی کی آواز کامل جانا مراد ہے، اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ دعا میں اخلاص ایسا ہو جیسا فرشتوں کی دعا میں ہوتا ہے۔ (۲)

آمین کے فضائل

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے ابو مصحح مقرانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم ایک صحابی حضرت ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، وہ ہمیں بہت اچھی اچھی باتیں سنایا کرتے تھے۔ جب ہم میں سے کوئی دعا کرتا تو وہ کہتے اسے آمین پر ختم کرنا۔ آمین کی حیثیت دستاویز پر مہر لگانے کی سی ہے۔ ایک دن حضرت ابو زہیر نے کہا: میں تمہیں اس کی تفصیل بتاتا ہوں: ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک آدمی کے پاس پہنچے جو بہت عاجزی سے گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعا سننے کے لئے رک گئے اور فرمایا:

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين، ج ۱ ص ۱۵۶، رقم

الحدیث: ۷۸۰

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۲۷

أَوْجِبَ إِنْ خَتَمَ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: بِأَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ؟ قَالَ:
بِأَمِينٍ، فَإِنَّهُ إِنْ خَتَمَ بِأَمِينٍ فَقَدْ أَوْجِبَ، فَأَنْصَرَفَ الرَّجُلُ الَّذِي
سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى الرَّجُلَ فَقَالَ: اِخْتِمَ يَا فُلَانُ
بِأَمِينٍ وَأَبْشِرْ - (۱)

اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت یقینی ہو جائے گی۔ اس جماعت
میں سے ایک شخص نے پوچھا: کس چیز سے مہر لگا دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا: آمین سے۔ اگر یہ آمین سے مہر لگا دے تو دعا کی قبولیت یقینی
ہو جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے والا شخص وہاں سے نکل کر
اس آدمی کے پاس گیا اور کہا: اے فلاں! اپنی دعا پر مہر لگا دو اور خوشخبری سن لو۔

آمین کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف اولیٰ

اور غیر اولیٰ کے اعتبار سے ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ آمین کے مسئلہ میں اہل علم
کے درمیان جو اختلاف ہے یہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ جہر سے پڑھی تاکہ
لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے نیز آمین بالجہر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، اور یہ ایسا مباح
اختلاف ہے جس میں کرنے یا چھوڑنے والے پر سختی نہیں کی جاسکتی، یہ اس طرح ہے جیسے
نماز میں رفع یدین یا ترک رفع یدین کا اختلاف ہے (کہ یہ اختلاف بھی اولیٰ اور غیر اولیٰ
کا ہے):

(۱) سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الإمام، ج ۱ ص ۲۴۷، رقم

وَجَهَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِيَعْلَمَهُمْ أَنَّهَا سُنَّةٌ
وَمِنْ هَذَا أَيْضًا جَهْرُ الْإِمَامِ بِالتَّامِينَ وَهَذَا مِنَ الْإِخْتِلَافِ الْمُبَاحِ
الَّذِي لَا يُعْتَفُ فِيهِ مَنْ فَعَلَهُ وَلَا مَنْ تَرَكَهُ وَهَذَا كَرَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي
الصَّلَاةِ وَتَرْكِهِ- (۱)

سینتالیسویں بحث: آمین دعا ہے

اور دعا میں اصل اخفاء ہے

آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (الأعراف)
تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ آہستہ آہستہ پکارا کرو، یقیناً وہ حد سے
گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو آہستہ پکارا:

إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ (مریم)

یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز
سے پکارا تھا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے:

وقال عطاء: آمین دعاء- (۲)

(۱) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: فصول فی ہدیہ فی العبادات، فصل فی انه صلی اللہ

علیہ وسلم کان یراعی حال المامومین وغیرہم، ج ۱ ص ۲۶۶

(۲) صحیح البخاری: کتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمين، ج ۱ ص ۱۵۶

آمین دعا ہے اور دعا میں شریعت کا حکم اخفاء کا ہے لہذا آمین میں بھی خفاء ہوگا۔
 علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ ہم نے آمین کہنے پر
 اخفاء کو پسند کیا، اس لئے کہ یہ دعا ہے اور دعا میں سنت اخفاء ہے، اور اس بات پر دلیل کہ
 آمین دعا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ (یونس: ۸۹)

تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔

امام ابوالعالیہ، امام عکرمہ، امام محمد بن کعب، امام ربیع بن موسیٰ یہ سب حضرات فرماتے
 ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام دعا فرما رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے، پس اللہ
 تعالیٰ نے دونوں کو دعا کرنے والا کہا، اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آمین دعا ہے لہذا اخفاء
 جہر سے افضل ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (الأعراف: ۵۵)

اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور آہستہ آہستہ پکارو۔

فنحن اخترنا الإخفاء لأنه دعاء والسنة في الدعاء الإخفاء والدليل
 على أنه دعاء قوله تعالى في سورة يونس قد اجيبت دعوتكما قال
 أبو العالیه وعكرمة ومحمد بن كعب والربيع بن موسى كان موسى
 يدعو وهارون يؤمن فساهما الله تعالى داعيين فإذا ثبت أنه دعاء
 فإخفاؤه أفضل من الجهر به لقوله تعالى ادعوا ربك تضرعا
 وخفية۔ (۱)

(۱) عمدة القاری شرح صحیح البخاری: کتاب الأذان: باب جهر الإمام بالتأمين،

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ دعا میں اصل ضابطہ (قاعدہ) اخفاء ہے جب تک کہ کوئی دلیل اس کے برخلاف دلالت نہ کرے:

وظابطة الدعاء الإخفاء مالم يدل دليل على خلافه فالإخفاء فيه هو

الأصل۔ (۱)

محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ اذکار اور دعاؤں میں اصل اخفاء ہے:

الاصل في الأذكار والأدعية هو الإخفاء۔ (۲)

مشہور مفسر امام رازی رحمہ اللہ شافعی المسلک ہونے کے باوجود آئین بالسر کے مسئلہ میں حنفیہ کے موافق ہیں، اور اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم سے احناف کا استدلال نہایت قوی اور درست ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آئین آہستہ کہنا افضل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اظہار افضل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا کہ آئین میں دو جہت ہیں۔ پہلی جہت یہ ہے کہ آئین دعا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پس اگر آئین دعا ہے تو واجب ہے کہ اس کو آہستہ کہا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو۔ اور اگر یہ اللہ کے ناموں میں سے ہو تب بھی اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو یاد کرو اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے، سوا کہ وجوب ثابت نہ تو استحباب سے کم نہ ہوگا، اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں:

(۱) فتح الملہم شرح صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ، باب التسمیۃ والتحمید والتأمین، ج ۳

(۲) معارف السنن شرح سنن الترمذی: أبواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی التأمین، ج ۲ ص ۴۰۷

قال أبو حنيفة رحمة الله عليه، إخفاء التأمين أفضل، وقال الشافعي رحمة الله عليه، إعلانه أفضل، واحتج أبو حنيفة على صحة قوله، قال: في قوله: آمين وجهان: أحدهما: أنه دعاء- والثاني: أنه من أسماء الله، فإن كان دعاء وجب إخفاؤه لقوله تعالى: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وَإِنْ كَانَ إِسْمًا مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَجِبَ إِخْفَاؤُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً فَإِنْ لَمْ يَثْبُتِ الْوَجُوبُ فَلَا أَقْلَ مِنَ النَّدْبِيَّةِ، ونحن بهذا القول نقول-^(۱)

اکثر صحابہ و تابعین آمین بالسر پر عمل پیرا تھے

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابراہیم نخعی، امام شعبی اور ابراہیم تیمی آمین بالسر پر عمل پیرا تھے، صحیح بات یہ ہے کہ آمین بالجہر و آمین بالسر دونوں کی روایات صحیح ہیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت دونوں طرف ہے، اگر آپ کسی ایک کو ترجیح دینا چاہتے ہیں تو آمین بالسر کو اختیار کریں کیونکہ صحابہ و تابعین کی اکثریت اسی پر عمل پیرا تھی:

قال الطبري وروى ذلك عن ابن مسعود وروى عن النخعي والشعبي و ابراهيم التيمي كانوا يخفون بآمين والصواب ان الخبر بالجهر بها والمخافة صحيحان وعمل بكل من فعله جماعة من العلماء وإن كنت مختارا خفض الصوت بها إذا كان أكثر الصحابة والتابعين على ذلك-^(۲)

(۱) التفسير الكبير: سورة الأعراف، آيت نمبر ۵۵ کے تحت، ج ۱۲ ص ۲۸۱، ۲۸۲

(۲) الجواهر النقي: كتاب الصلاة، باب جهر الامام بالتأمين، ج ۲ ص ۵۸

خلاصہ کلام

(صغریٰ) آمین دعا ہے۔ (کبریٰ) اور دعائیں اصل اخفاء ہے۔ (نتیجہ) آمین میں

اصل اخفاء ہے۔ وهو المطلوب

اب اس دلیل کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو غیر مقلدین دلیل کے پہلے مقدمے پر نقض کریں اور قرآن وحدیث اور لغت سے ثابت کریں کہ آمین دعا نہیں ہے یا دلیل کے دوسرے مقدمے کو توڑیں کہ دعائیں اصل اخفاء نہیں بلکہ جہر ہے، ورنہ دلیل کے دونوں مقدمے تسلیم کرنے کے بعد نتیجے کا انکار کرنا درست نہیں۔

اڑتالیسویں بحث: آمین کے متعلق فقہاء کے مذاہب

احناف ومالکیہ کے نزدیک آمین بالسر کہنا اولیٰ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے، جبکہ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول قدیم یہ ہے کہ آمین بالجہر کہنا اولیٰ ہے:

فقال الحنفية ومالك والشافعي في الجديد ياتي بها سرا وقال

الشافعي في القديم واحمد يجهر بها في الجهرية۔^(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اگر امام جہراً آمین کہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول یہ ہے کہ مقتدی جہراً نہ کہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، اس لئے کہ آمین اذکار میں سے ایک ذکر ہے، پس اس کو جہراً نہ کہے جس طرح نماز کے دیگر اذکار (سراً کہے جاتے ہیں اسی طرح آمین بھی سراً کہے) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ ہے کہ آمین جہراً کہی جائے اور

(۱) أوجز المسالك إلى موطأ امام مالك: كتاب الصلاة، باب ماجاء في التامين خلف

یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے:

وإن أمن الإمام جهراً فالجديد أنه لا يجهر المأموم وهو مذهب
أبي حنيفة، ورواية عن مالك، لأنه ذكر من الأذكار فلا يجهر به
كسائر أذكار الصلاة، والقديم أنه يجهر به وهو مذهب الإمام
أحمد بن حنبل- (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت علی،
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ہمارے اکابر علماء احناف کے نزدیک آمین سرّاً کہنا
(اولی) ہے، جب کہ شواہح کے ہاں جہراً کہنا (اولی) ہے:

وإخفاؤها مذهب ساداتنا الحنفية وهو مذهب أمير المؤمنين علي
كرم الله تعالى وجهه وعبدالله بن مسعود وعند الشافعية يجهر
بها- (۲)

انچاسویں بحث: آمین بالسر سے متعلق روایات

۱..... عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاثِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا
صَوْتَهُ-

واثل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”غیر المغضوب
علیہم ولا الضالین“ پڑھا اور آہستہ سے آمین کہی۔ (۳)

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۸

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

(۳) سنن الترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التامين، ج ۲ ص ۲۷، رقم الحديث: ۲۴۸

مذکورہ روایت پر چار اعتراضات

۱..... شعبہ سے اس روایت میں غلطی ہوئی انہوں نے حجر بن عنبس کے بجائے حجر بن ابی العنبس کہا۔

۲..... شعبہ نے حجر اور وائل کے درمیان علقمہ کا واسطہ بڑھایا ہے۔

۳..... شعبہ نے ”خفض بها صوتہ“ کے الفاظ نقل کئے جبکہ روایت میں ”مد بها صوتہ“ کے الفاظ ہیں۔

۴..... علقمہ اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوئے انہوں نے اپنے والد سے کس طرح یہ روایت سنی؟

ان تمام اعتراضات کے تسلی و تشریح بخش جوابات محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ”معارف السنن“ نے میں ذکر کئے ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(معارف السنن: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی التأمین، ج ۲

ص ۴۰۲ تا ۴۰۷)

.....عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّىتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ حِينَ قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ - وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ - (۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، آپ نے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کے بعد پست آواز سے آمین کہی۔

۳... عن علقمة بن وائل عن أبيه: انه صلى مع النبي صلى الله عليه

(۱) سنن الدار قطنی: کتاب الصلاة، باب التأمین فی الصلاة، ج ۲ ص ۱۲۸، رقم

وسلم حين قال: غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال أمين

يخفض بها صوته۔ هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم

يخرجاه، وقال الذهبي: على شرط البخاري ومسلم۔^(۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اقتداء میں نماز پڑھی، آپ نے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کے بعد پست آواز

سے آمین کہی، یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرائط پر ہے۔

۴..... عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا

يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّامِينِ۔^(۲)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

تسمیہ، تعوذ اور آمین جہر کے ساتھ نہیں کہتے تھے۔

۵..... علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۶ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے: ۱..... تعوذ۔ ۲..... تسمیہ۔ ۳.....

آمین۔ ۴..... تحمید:

قال عمر بن الخطاب: يخفي الإمام أربعاً: التعوذ، وبسم الله

الرحمن الرحيم، وآمين، وربنا لك الحمد۔^(۳)

(۱) المستدرک علی الصحیحین: کتاب التفسیر، سورۃ الفاتحۃ، ج ۲ ص ۲۵۳، رقم

الحديث: ۹۲۱۳

(۲) شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب قراءة بسم الله في الصلاة، ج ۱ ص ۲۰۳، رقم

الحديث: ۱۴۰۸

(۳) المحلی بالآثار: کتاب الصلاة، اوقات الصلاة، مسألة فرض علی کل مصل أن يقول

إلخ، ج ۲ ص ۲۸۰

۶..... عن علقمة والأسود كلاهما عن عبد الله بن مسعود قال:

يخفي الإمام ثلاثاً: الاستعاذة، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين۔^(۱)

حضرت علقمہ اور اسود دونوں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: امام تین چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے:

۱..... تعوذ۔ ۲..... تسمیہ۔ ۳..... آمین۔

۷..... عن إبراهيم قال خمس يخفين: سبحانك اللهم وبحمدك،

والتعوذ، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين، واللهم ربنا لك

الحمد۔^(۲)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں: ۱.....

ثناء۔ ۲..... تعوذ۔ ۳..... تسمیہ۔ ۴..... آمین۔ ۵..... تحمید۔

۸... روى عن النخعي والشعبي وإبراهيم التيمي كانوا يخفون

بآمين۔^(۳)

امام نخعی، امام شععی اور ابراہیم تیمی رحمہم اللہ آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے۔

۹..... أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال: اربع يخافت به

الإمام: سبحانك اللهم وبحمدك، والتعوذ من الشيطان، وبسم الله

الرحمن الرحيم، وآمين، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي

حنيفة۔^(۴)

(۱) المحلى بالآثار: كتاب الصلاة، أوقات الصلاة، مسألة فرض علي كل مصل ان يقول

إلخ، ج ۲ ص ۲۸۰

(۲) مصنف عبد الرزاق: كتاب الصلاة، باب ما يخفي الإمام، ج ۲ ص ۸۷، رقم الحديث:

۲۵۹۷

(۳) الحوهر النقي: كتاب الصلاة، باب جهر الإمام بالتأمين، ج ۲ ص ۵۸

(۴) كتاب الآثار: باب الجهر بيسم الله الرحمن الرحيم، ج ۱ ص ۱۲۲، رقم الحديث: ۸۳

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام ابوحنیفہ نے بروایت حماد حضرت امام نخعی رحمہم اللہ سے انہوں نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے: ۱..... ثناء۔ ۲..... تعوذ۔ ۳..... تسمیہ۔ ۴..... آمین۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق جانبین کے دلائل، فریق مخالف کے دلائل کے جوابات، روایات کے متعلق فقہی مباحث، متعدد طرق سے مروی روایات اور ان کی اسنادی حیثیت کی وضاحت، متعارض فیہا روایات کے درمیان دفع تعارض، احناف کے مسلک کی وجہ ترجیحات، موضوع کے متعلق سیر حاصل مباحث کے لئے اہل علم حضرات ان کتابوں کی طرف مراجعت فرمائیں:

۱..... عمدة القاری: کتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمین، ج ۶

ص ۴۷ تا ۵۳

۲..... بذل المجہود: کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الإمام، ج ۵

ص ۱۵۰ تا ۱۶۶

۳..... فیض الباری: کتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمین، ج ۲

ص ۳۶۲ تا ۳۶۸

۴..... العرف الشذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء فی التأمین، ج ۱

ص ۲۵۵ تا ۲۶۰

۵..... أوجز المسالك: باب ما جاء فی التأمین خلف الإمام، ج ۲

ص ۱۴۵ تا ۱۵۲

۶..... إعلاء السنن: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی سنیة التأمین

والإخفاء بہا، ج ۲ ص ۲۴۵ تا ۲۶۰

۷..... فتح الملہم: کتاب الصلاة، باب التسمیة والتحمید

والتأمين، ج ۳ ص ۳۳۳ تا ۳۴۳

۸..... معارف السنن: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج ۲

ص ۳۹۸ تا ۴۳۴

۹..... تجليات صدر: تحقيق مسأله آئين، ج ۳ ص ۱۰۸ تا ۱۵۲

۱۰..... درس ترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج ۱ ص ۵۱۲

تا ۵۲۶

۱۱..... حدیث اور اہل حدیث: إخفاء التأمين، ج ۲۶۸ تا ۳۹۰

إخفاء الدعاء کے دس اہم فوائد

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ آئین دعا ہے اور دعا میں اصل إخفاء ہے، حضرت نے دعا سراً کہنے کے دس اہم فوائد نقل کئے ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح: كتاب الصلاة، باب

القراءة في الصلاة، ج ۱ ص ۵۱۰ تا ۵۱۳)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ سورت کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ ہدایت ہے اور آخری حصہ نعمت ہے، بندے کو نعمت میں سے اس قدر حصہ ملتا ہے جس قدر حصہ اس کو ہدایت میں سے ملا ہے اور ہدایت میں سے اس قدر حصہ ملتا ہے جس قدر حصہ اس کو رحمت میں سے ملا ہے:

فأول السورة رحمة وأوسطها هداية وآخرها نعمة وحظ العبد من

النعمه على قدر حظه من الهداية وحظه منها على قدر حظه من

الرحمة۔ (۱)

لفظ ”لا“ کے بجائے ”غیر“ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ ”لا“ کا استعمال اثبات کے بعد ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے ”جاءنی العالم لا الجاہل“ میرے پاس عالم آیا جاہل نہیں آیا۔

یہ ”لا“ عطف کے لئے آتا ہے لیکن غیر اپنے ما قبل کا تابع ہوتا ہے اس میں وصفی معنی پائے جاتے ہیں اور ”لا“ کے ہم معنی نہیں ہے۔ یہاں عطف کے بجائے صفت کے معنی زیادہ مناسب ہے۔ عطف اور وصف کے فرق کو سمجھ لینے سے اس آیت کی لطافت واضح ہو جائیگی ”لا المغضوب علیہم“ کے معنی اس سے زیادہ نہ ہوں گے کہ ”مغضوب علیہم“ سے ”صراط“ کی نسبت سلب کر لی جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”جاءنی العالم لا الجاہل“ اس کے معنی بس اتنے ہی ہیں کہ عالم کے لئے محیبت (آنا) ثابت اور جاہل سے اس فعل کی نفی کر دی جائے مگر غیر اپنے سے پہلے کلمہ کی صفت ہوتا ہے اس طرز بیان سے دو وصف حاصل ہوئے۔

ایک وصف ثبوتی ”منعم علیہم“ دوسرا سلبی ”غیر المغضوب علیہم“ ذریعہ جو فائدہ حاصل ہو سکتا تھا وہ بھی حاصل ہو گیا۔ اور ساتھ ہی مزید حمد و ثناء ثابت ہو گئی، اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہل ایمان غضب والوں سے قطعاً مختلف ہیں، وہ غضب کے مستحق نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ غیر یہاں بطور صفت کے لایا گیا ہے نہ کہ بصورتِ استثناء، دوسری حالت میں وصفی معنی فوت ہو جاتے جو کہ اصل مقصود ہیں۔

دوسرا فائدہ: اہل کتاب یہود و نصاریٰ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم ہی انعام یافتہ ہیں مسلمان نہیں، تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ انعام یافتہ تم نہیں بلکہ تمہارے غیر ہیں، اور مسلمانوں سے خطاب ہے کہ نعمت والے تم ہو نہ تمہارے غیر، یہاں لفظ غیر پوری طرح مغایرت (اجنبیت) کو بتلا رہا ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا صراحتاً نام نہیں لیا گیا ہے، ان کے وصف کو بیان کیا گیا ہے، اس سے ان کی صفات مغضوبیت و ضلالت کو بے نقاب کرنا مقصود ہے، اور یہ کہ ان کی راہ، انعام یافتہ مؤمنین کی راہ سے بالکل الگ ہے اس لئے کہ انعام کامل، غضب و ضلال کے یکسر منافی ہے، یہ انعام کامل کسی مغضوب علیہ اور ضال کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا۔^(۱)

لفظ ”غَیْبٍ“ بیک وقت دو معنی کے لئے آتا ہے۔

۱..... ایک تو نفی کے لئے ہے۔ ۲..... مغایرت کے اثبات کے لئے، تو اب منع علیہم اور مغضوب میں مغایرت کو بھی ثابت کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ مغضوب کی نفی بھی کر رہا ہے، اب جب لفظ ”غَیْبٍ“ میں نفی کا معنی بھی ہے تو پھر لفظ ”لَا“ کو تاکید کے طور پر آگے ذکر کیا۔ لفظ ”لَا“ میں صرف نفی کا معنی ہوتا ہے مغایرت کا نہیں ہوتا۔

”لَا الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ“ نہیں فرمایا اس لئے کہ حرف ”لَا“ فقط ماقبل کی نفی کیلئے آتا ہے اس صورت میں کلام کے یہ معنی ہوئے کہ اے اللہ! ہم کو اہل انعام کا راستہ بتلا، نہ کہ اہل غضب کا، اور لفظ ”غَیْبٍ“ غیر ماقبل کی نفی اور مغایرت دونوں پر دلالت کرتا ہے، فرق اتنا ہے کہ مغایرت پر صراحتاً اور نفی ماقبل پر ضمناً اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اے اللہ! ہم کو اہل انعام کا راستہ بتلا، جن کا راستہ اہل غضب اور اہل ضلال کے راستے سے بالکل مغایر اور مبین ہو، خود اہل انعام اور ان کا راستہ غضب اور ضلال کے شاخے سے بالکل پاک ہے۔^(۲)

اہل غضب کے لئے اسم مفعول اور اہل ضلال کے لئے اسم فاعل کا

صیغہ اختیار کرنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر بات ہے کہ اہل غضب وہ ہیں جن

(۱) بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۵

(۲) معارف القرآن کاندھلوی: سورة فاتحه، ج ۱ ص ۳۱، ۳۲

پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ ان کو مغضوب کہنا ہی صحیح ہے باقی رہے اہل ضلال تو یہ خود گمراہ ہوئے اور گمراہی کو انہوں نے پسند کیا، یہاں ”ضال“ لانا مناسب تھا اور یہ وجہ بھی ہے کہ مضلین (گمراہ کئے گئے) کہنے کی صورت میں ان کے لئے ایک قسم کا عذر کا پہلو نکل آتا کہ خود گمراہ نہیں ہوئے بلکہ گمراہ کئے گئے ہیں۔ مگر یہ بھی واضح رہے کہ اس توجیہ کی بناء پر منکرین تقدیر (قدریہ) کے لئے استدلال کی گنجائش نہیں ہے اس آیت کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ لیکن اضلال کی اصل نسبت اللہ کی طرف ہے۔ (کیونکہ اسبابِ ضلال کا خالق وہی ہے) اس آیت میں فرقہ جبریہ کا بھی رد ہے۔ جو بندے کی طرف کسی فعل کی نسبت کو حقیقتاً جائز قرار دیتے۔ ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ“ سے قدریہ کی تردید ہو گئی۔ چنانچہ اس پوری آیت میں قدریہ اور جبریہ کے عقائد فاسدہ کا ابطال موجود ہے اور ساتھ ہی مذہب اہل حق اہل سنت کی تائید و نصرت کا بھی واضح بیان ہے۔ اصل میں اہل حق ہی کا مسلک صحیح ہے جو کہ بلحاظ توحید و خلق، تقدیر و قدرت کے قائل ہیں اور عمل و کسب کے اعتبار سے بندوں کے افعال کی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔ اس آیت سے تقدیر، شریعت، قیامت اور نبوت سب ثابت ہو گئے، نبوت کا ثبوت اس طرح ہوا کہ نعمت اور غضب عذاب و ثواب کا دوسرا نام ہے اور نعمت والے انبیاء کرام اور ان کے پیروکار ہی ہیں۔ متبعین کو جو کچھ بھی ہدایت ملی ہے وہ انبیاء کرام کے ذریعے ہی سے ملی ہے کیوں کہ انسان کی نجات کے لئے اللہ کی ہدایت ضروری ہے اور یہ ہدایت انبیاء کرام کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اس دلیل سے وضاحت و اختصار کے ساتھ نبوت ثابت ہو گئی، یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کا پھل وہ کامل نعمت ہے جو دار النعیم جنت میں حاصل ہوگی اور اس کی مخالفت کا بھی ایک ثمرہ ہے اور وہ دائمی بدبختی کی صورت میں غضب الہی کا نزول ہے۔ غور کیجیے کہ یہ سورت باوجود اختصار کے دین کے کتنے عظیم اور اہم مطالب پر مشتمل ہے۔^(۱)

”مغضوب علیہم“ کو ”ضالین“ پر کیوں مقدم کیا؟

یہ تقدیم چند وجوہ کی بنا پر ہے:

۱..... مغضوب علیہم (یہود) بلحاظ زمانہ مقدم ہیں۔

۲..... یہود مدینہ میں آپ کے پڑوس میں آباد تھے، نصاریٰ کی بستیاں دور تھیں۔ یہ

وجہ ہے کہ قرآن میں یہود سے زیادہ خطاب کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ، آل عمران، مائدہ ان سورتوں میں غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۳..... یہود کا کفر بہ نسبت نصاریٰ کے زیادہ سخت ہے، اس لئے غضب، لعنت اور

عقوبت خاص طور سے ان پر مسلط ہے۔ ان کا کفر سرکشی اور بغاوت کی راہ سے آیا ہے، ان کی روش سے بچانے کے لئے لازمی تھا کہ ان کا ذکر پہلے کیا جاتا، اور یہ بات بھی اظہر ہے کہ ناواقف مجرم اور جان بوجھ کر سرکشی کرنے والے دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔

۴..... اس سے پہلے منعم علیہم کا ذکر ہو چکا ہے۔ غضب انعام کی ضد ہے، لہذا

متصل ذکر، علم بلاغت کے لحاظ سے صفت، مقابلہ اور ازدواج کا حسن پیدا کر رہا ہے جو ضالین کے پہلے لانے سے حاصل نہ ہوگا۔^(۱)

حرفِ واو کے ہوتے ہوئے پھر حرفِ ”لا“ کا اضافہ کیوں کیا؟

”وَلَا الضَّالِّينَ“ میں حرفِ عطف یعنی حرفِ واو کے ہوتے ہوئے حرفِ ”لا“ کا

اس لئے اضافہ کیا کہ اہل انعام کے راستے کا اہل غضب اور اہل ضلال کے راستے سے فرداً

فرداً اور علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم ہو جائے۔ ”وَلَا الضَّالِّينَ“ سے اگر حرفِ ”لا“ کو

حذف کر کے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ وَالضَّالِّينَ“ کہا جائے تو مجموعہ فریقین کے راستے سے

اہل انعام کے راستے کا مغایر ہونا مفہوم ہوگا، اہل انعام کے راستے کا ہر واحد سے علیحدہ

علیحدہ مغایر ہونا معلوم نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ مجموع من حیث المجموع کی مغایرت ہر واحد کی مغایرت کو مستلزم نہیں۔ ہاں ہر واحد کی مغایرت مجموع من حیث المجموع کی مغایرت کو بالا ولویت مستلزم ہے۔^(۱)

لفظ ”لا“ کو ذکر کرنے کے فوائد

لفظ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے خواہ وہ جمعیت علی سبیل الاقتران ہو یا علی سبیل التعاقب ہو یا علی سبیل التباعد ہو، اب جب ”جاء نی زید وعمرو“ کہا جائے تو اس میں تینوں احتمالات ہوں گے، اب اگر ”ما جاء نی زید وعمرو“ کہا جائے تو مقصود تینوں احتمالات کی نفی کرنا ہوگا لیکن چونکہ واو مطلق جمعیت کے لئے آتا ہے اس پر یہ تو ہم ہوگا اس میں جمعیت کاملہ کی نفی ہے علی سبیل التباعد والتعاقب کی نفی نہیں ہے اس لئے اس وہم کو دور کرنے کے لئے لفظ ”لا“ لا کر اس نفی کی تاکید کر دی، اب مطلب ہوگا ”ما جاء نی زید ولا عمرو“ زید وعمرو نہ تو ایک وقت میں آئے نہ علی سبیل التعاقب نہ علی سبیل التباعد آئے تو لفظ ”لا“ کو نفی سابق کی تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔

”لا“ کے لانے میں چار اہم فوائد ہیں:

۱..... اس کے ذریعے سے غیر میں جو نفی کے معنی پائے جاتے ہیں، اس کی تاکید ہو جاتی ہے۔ اگر غیر میں نفی کے معنی نہ ہوتے تو پھر ”لا“ کے ساتھ حرف عطف واو کا لانا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

۲..... ”لا“ کے اضافہ سے یہ فائدہ ہوا کہ انعام یافتہ گروہ کی راہ، یہود و نصاریٰ دونوں میں سے ہر ایک کی راہ سے الگ ہے یہاں فرداً فرداً مغایرت ثابت ہوگئی۔ ”لا“ کے نہ لانے کی صورت میں یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ دونوں گروہوں سے مجموعی طور پر غیرت مقصود ہے نہ کہ ہر ایک سے علیحدہ۔

(۱) معارف القرآن کا ندھوی: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۳۲

اس وہم کو دور کرنا مقصود ہے کہ ”ضالین ، مغضوب علیہم“ کی صفت ہے۔ ایسا ہوا کرتا ہے کہ ایک ذات کی چند صفتوں کے درمیان حرف عطف لے آیا کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہوں، سورہ مؤمنون کی ابتدائی چند آیات)

جب ”لا“ یہاں داخل ہو گیا تو معنی یہ ہوئے کہ دونوں وصف دو گروہوں سے الگ الگ تعلق رکھتے ہیں اور دونوں مقصود بالذکر ہیں۔ اس مقام پر ”لا“ ”غیر“ پر چند وجوہ کی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے:

۱..... حرف کم ہیں۔
۲..... تکرار نہیں۔

۳..... ”غیر“ کے دو بار لانے سے زبان پر ثقل ہو جاتا، درمیان میں صرف ایک کلمہ مغضوب ہی کا فصل ہوتا، عبارت کے اس بھونڈے پن سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟
۴..... ”لا“ کے ساتھ عطف کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ صراط مستقیم والوں سے غضب اسی طرح دور ہے جس طرح ان سے ضلال منشی (دور) ہے۔ اگرچہ غیر نے اس نہی کو بتلایا ہے، مگر ”لا“ نہی کے معنی میں زیادہ زور دار ہے۔^(۱)

پچاسویں بحث: سورہ فاتحہ میں بلاغت کے

گیارہ عمدہ نکات

المبالغة في الثناء على الله وذلك لعموم ”ال“ في الحمد على التفسير الذي مر، الاتيان بالرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ عقب اتصافه برَبِّ الْعَالَمِينَ لإفادة الترغيب بعد الترهيب فيكون أرغب للعبد على الطاعة وأمنع من المعصية، تقديم المعمول على عامله في قوله إِيَّاكَ نَعْبُدُ لإفادة الحصر. والاختصاص، الإضافة لأدنى ملابسة في

(۱) بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۴

”یوم الدین“ کا اضافہ سائر الظروف إلى ما وقع فيها من الحوادث کیوم الأحزاب، تقدیم العبادۃ علی الاستعانة فی إیّاک نَعْبُدُ وَإِیَّکَ نَسْتَعِیْنُ لیوافق رؤس الآیة ولیعلم أن تقدیم الوسیلة علی طلب الحاجة ادعی إلى الإجابة، الالتفات من الغیبة فی قوله الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ إلى الخطاب فی قوله إیّاک نَعْبُدُ، الاستعارة التصریحیة الأصلیة فی قوله إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ حیث شبه دین الإسلام بالطریق الحسی بجامع ان کلا یوصل إلى المقصود واستعیر اسم المشبه به للمشبه، طلب الشیء مرادا به طلب دوامه واستمراره فی قوله إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ای ثبتنا علیه، تفسیر والبیان فی قوله صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ بعد الإیهام فی قوله إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ لأنه أوقع فی النفس، ”غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ“ حیث لم یقل غیر الذین غضبت علیهم تعلیما لعبادة الأدب، حیث أسند الخبر إلى نفسه وأبهم فی الشر نظیر قوله تعالیٰ ”فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِیْبَهَا“ وقوله ”وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ“ زیادة لا فی

قوله ”وَلَا الضَّالِّیْنَ“ لتأكيد النفی المستفاد من غیر۔^(۱)

۱.... اللہ تعالیٰ کی تعریف میں مبالغہ اور عموم کے لئے ”الحمد“ کے شروع میں الف

لام کو ذکر کیا۔

۲.... ”رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ کے بعد ”الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کو ذکر کیا یہ ترغیب بعد

الترہیب ہے پس اس طرح سے اسلوب اپنانے سے بندہ اطاعت کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے اور معصیت سے خوب بچتا ہے۔

(۱) حدائق الروح والریحان: سورة الفاتحة، البلاغة، ج ۱ ص ۹۱، ۹۲

۳..... ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ میں معمول کو عامل پر مقدم کیا حصر اور اختصاص کے فائدے کے لئے۔

۴..... ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے لفظ یوم کی دین کی طرف اضافت کی ہے جس طرح دیگر ظروف کی اضافت کی جاتی ان کی طرف جس میں وہ حوادث واقع ہوئے ہیں، جیسے ”یوم الأحزاب“ (جماعتوں والادن)۔

۵..... عبادت کو استعانت پر مقدم کیا ہے تاکہ رؤس آیات (یعنی آیات کا آخر باعتبار صحیح) کے موافق ہو جائے، تاکہ بندے کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وسیلے کو مقدم کرنا طلب حاجت پر یہ قبولیت کی طرف زیادہ داعی ہے۔

۶..... ”عَابٍ لِّعَنَىٰ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ سے خطاب ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کی طرف التفات ہے۔

۷..... ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ میں استعارہ تصریحیہ اصل یہ ہے، اس طور پر کہ دین اسلام کو جس راستے (یعنی وہ راستہ جو حواس کے ذریعے معلوم ہو جیسے حسی راستہ آنکھوں سے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے) کے ساتھ تشبیہ دی ہے، وجہ تشبیہ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک انسان کو مقصود و منزل تک پہنچاتا ہے، مشبہ بہ (صراط) کو مشبہ کے لئے بطور استعارہ کے استعمال کیا ہے۔

۸..... شی کے طلب کرنے سے دوام اور استمرار کا ارادہ کیا ہے جیسے ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ میں ابہام تھا، اس کے بعد ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ میں ماقبل کی تفسیر اور وضاحت ہے، یہ اسلوب (یعنی تفصیل بعد الابہام) اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ فی النفس ہے (یعنی اس طرز سے مضمون ذہن میں بیٹھ جاتا ہے اور یاد رہتا ہے)۔

۱۰..... اللہ تعالیٰ نے ”غَضِبْتَ عَلَيْهِمْ“ نہیں فرمایا اس میں بندوں کو ادب کی تعلیم دینی ہے، اس طور پر کہ خیر کی نسبت (أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور شر کی نسبت کو مبہم رکھا ہے، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”فَارَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا“ میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ اسی طرح ”وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ“ جب میں بیمار

ہوتا ہوں تو وہ اللہ ہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ (پہلی آیت میں عیب کی نسبت حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی طرف کی، اور دوسری آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت اپنی طرف کی جب کہ شفاء کی نسبت اللہ کی طرف کی)۔

..... ”غَيْرِ الْمَعْصُوبِ“ میں لفظ غیر سے جو نفی مستفاد ہو رہی ہے اس کی تاکید کے

لئے ”وَلَا الضَّالِّينَ“ میں لفظ ”لَا“ کا اضافہ کیا ہے۔

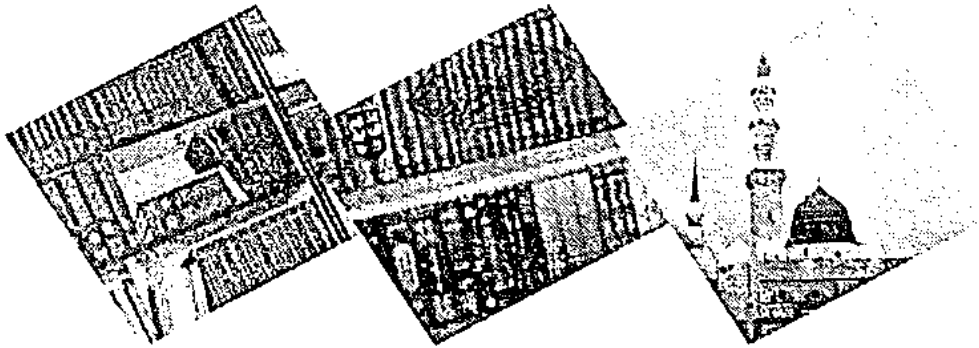
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



سید اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن

قواعد المقایس

فہم تفسیر کے متعلق ہزاروں اوراق کے مطالعہ کے بعد
۱۶۶ ہم قواعد پرستل اہل علم کیلئے نایاب تحفہ



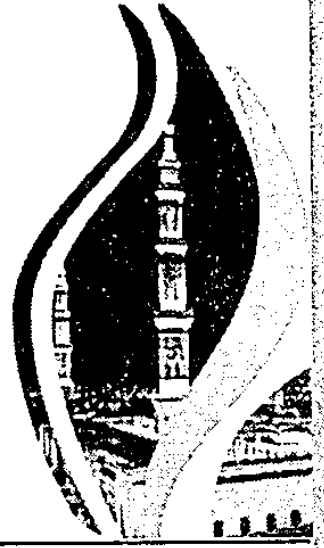
تالیف

مولانا محمد نجمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگ کراچی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سوانح، آپ کی تابعیت، شہرہ کوفہ کی قدر و منزلت، دس محدثین اساتذہ و تلامذہ کا تعارف، امام اعظم کی جلال شان سوا کا برابر اہل علم کی نظر میں، آپ کے اصول حدیث، فہن حدیث اور رجال میں مہارت، کتاب الآثار کا تفصیلی تعارف، آئیس مسانید اور ان کے مصنفین کا تعارف، صحابہ سے روایت حدیث، محدثین کی نظر میں آپ کی بلند پایہ فقہت کا بیان، تالیفات امام اعظم، فقہ حنفی کے خصائص و امتیازات، آپ پر نقد و جرح اور اس کے تفصیلی جوابات، آپ کی ذکاوت کے بچاس دلچسپ واقعات، ۲۰۰۰ سے زیادہ حوالہ جات سے مزین کتاب

تالیف

مَوْلَانَا مُحَمَّدُ نَعْمَانُ

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی۔

دارالناشر

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور 0333-8335011